

اضافہ شدہ
ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور
قانونِ توہینِ رسالت
قرآن وسنت، تاریخ، قانون اور عدالتی فیصلوں کے آئینے میں
محمد اسمٰعیل قریشی
سینیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

اضافہ شدہ

ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور
قانونِ توہینِ رسالت علیہ السلام

قرآن و سنّت، تارِیخ، قانون اور عدالتی فیصلوں کے آئینے میں

محمد اسمٰعیل قریشی
سینیئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

ISBN 969-503-123-4

بار اول : جولائی 1994ء

بار دوم : ستمبر 1999ء

محمد فیصل نے

تراب مبین پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت -/210 روپے

انتساب

ماضی و حال اور استقبال کے

شہیدان ناموس رسالت ﷺ کے نام

بصد

عقیدت و احترام

مکتوب شہید پاکستان حکیم محمد سعید

۵۔ ذی القعدہ ۱۴۱۵ ہجری

6 اپریل 1995 عیسوی

حوالہ نمبر ز ب / ح / ۹۵

عالی جناب محترم محمد اسماعیل قریشی صاحب

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

ناموس رسالت ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ ' آپ کی اس تالیف کو میں نے حیرت اور مسرت کے ساتھ دیکھا۔ گزشتہ کئی سال سے یہ موضوع پاکستان کے تناظر میں اہمیت اختیار کر گیا ہے اور ساتھ ہی اس نے عالمی توجہ کو بھی منعطف کیا ہے۔

محترمی عدالت ہائے پاکستان کے فیصلوں کو مغرب نے قبول نہیں کیا اور تمام خبریں اور تنقیدات مغرب میں نیو ورلڈ آرڈر کے تناظر میں ہوتی رہی ہیں۔ آپ نے اس موضوع پر ۴۷۲ صفحات کی ایک نہایت باوقار کتاب تیار کر دی ہے کہ جو مرتبہ تحقیق پر فائز ہے اور قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس سے قبل میری نظر سے قومی زبان اردو میں اس قدر جامع کتاب کوئی نہیں گزری۔ میں اس کتاب کو بدرجہ انتہا اہمیت دیتا ہوں اور بیت الحکمہ کو وہاں کے صاحبان تحقیق کے استفادے کے لیے دے رہا ہوں۔

آپ کو اس کار خیر پر دلی مبارک باد دیتا ہوں۔

بہ احترامات فراواں

آپ کا مخلص

حکیم محمد سعید

بگرامی خدمت عالی جناب محترم محمد اسماعیل قریشی صاحب

سینئر ایڈووکیٹ۔ سپریم کورٹ۔ ۲۶۔ رچنا' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور۔

فہرست

	اظہار تشکر	13
	مقدمہ طبع دوم	15
سر آغاز	ایک روح پرور حاصل زندگی خواب جمیل	19
پیش لفظ	جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ جج سپریم کورٹ پاکستان	23
تقریظ	جناب جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان سینئر جج فیڈرل شریعت کورٹ	27
حدیث دل	جناب جسٹس میاں محبوب احمد چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ	31
دیباچہ	جناب پروفیسر مرزا محمد منور سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی	37
امابعد	حضرت خواجہ سید نفیس الحسینی شاہ	45
عرض مصنف	محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ	47

باب اول

نام و ناموس رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم — 55

- O-- قرآن اور صحف سماوی میں — 55
- O-- غیر الہامی کتابوں اور دیگر مذاہب عالم میں — 64
- O-- دشمنوں کی شہادت — 66
- O-- ابو جہل کا ہدیہ نعت — 69
- O-- اغیار کی حمد و ستائش — 71
- O-- عظمت و شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم — 80
- O-- ارتفاع ذکر — 81
- O-- معراج نبوت صلی اللہ علیہ وسلم — 83

O-- آداب دربار رسالت ﷺ 85

کتابیات باب اول 90

باب دوم

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم 91

O-- قرآن کی روشنی میں 91

O-- احادیث کی روشنی میں 104

O-- دربار نبوت ﷺ کے فیصلے 107

O-- دور خلافت میں 112

O-- عہد صدیق ؓ 112

O-- دور فاروقی ؓ 114

O-- ابن مسعود ؓ کا فیصلہ 114

O-- دور حیدری ؓ 115

O-- خاندان نبوت اور شاتمان رسول ﷺ 115

O-- دور امیہ اور عباسیہ 115

O-- عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں 116

O-- عباسی دور حکومت میں 116

O-- شاتم رسول ﷺ ائمہ فقہ کی نظر میں 118

O-- فقہ حنفی 118

O-- فقہ مالکی 121

O-- فقہ شافعی 123

O-- فقہ حنبلی 123

کتابیات باب دوم 126

باب سوم

توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - جرم و سزا	129
(علمائے قدیم و جدید کا قول فیصل)	
--O ابو الفضل قاضی عیاض چیف جسٹس اندلس	129
--O گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا کے بارے میں احکام	130
--O گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبہ قابل قبول نہیں	134
--O عدم قبولیت توبہ کی ایک اور دلیل	134
--O قاضی ابو محمد بن نصر کی رائے	135
--O توبہ کی عدم قبولیت کی ایک اور دلیل	135
--O شاتم کی وجہ قتل	136
--O موحد کی گستاخی کی سزا	136
--O ایک اور اعتراض	137
--O جواب اعتراض	137
--O شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافر ہے	137
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ	139
--O گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا جواز	140
--O شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں سزائے موت کا مستحق ہے؟	144
--O گالیاں دینے والی عورت کے قتل کا جواز	146
--O ذمی یا معاہد کا معاملہ	151
--O حقوق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دشنام طرازی	155
--O رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشنام طرازی ارتداد سے بڑا جرم	161
--O رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشنام طراز کا قتل اور حد شرعی	162
--O رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام و احترام	163

O-- مسئلہ توبہ 164

O-- گستاخ رسول ﷺ کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے 165

علمائے جدید کے فتاویٰ اور مقالات 172

O-- مولانا ابو الکلام آزاد۔ سرکار رسالت ماب کا احترام اور اس کے ایمانی اور قانونی تقاضے 173

O-- مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی۔ راج پال کے مقدمے کا تنقیدی جائزہ 179

O-- سماحۃ الشیخ عبد العزیز عبد اللہ بن باز۔ مفتی اعظم سعودی عرب کا فتویٰ 181

O-- مولانا احمد سعید کاظمی کی عالمانہ توضیحات 183

O-- مولانا سید متین ہاشمی کے دلائل و براہین 187

O-- مولانا عبد المالک کاندھلوی (مرحوم)۔ وجوب قتل کا فقہی استدلال 195

O-- پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری۔ کیا شاتم رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی توبہ قابل قبول ہے؟ 198

O-- مولانا صلاح الدین یوسف کا سلفی اور فقہی نقطہ نظر 203

O-- مولانا محمد حسین اکبر اجتہادی۔ امامیہ موقف 212

O-- مولانا ریاض الحسن نوری کی ریسرچ 216

O-- مولانا محمد صادق لالہ صحرائی۔ رسول رحمت ﷺ اور سزائے توہین رسالت 222

O-- ڈاکٹر محمد محسن عثمانی۔ شاتم رسول ﷺ کی سزائے قتل سے انکار کا فتنہ 225

کتاب شتم رسول ﷺ کا مسئلہ۔ مصنف کا تنقیدی محاکمہ 234

O-- فرد جرم 243

O-- تاریخ پر وحید الدین خان کے مجرمانہ حملے 245

O-- امام ابن تیمیہؒ 247

O-- امام خمینی اور مولانا ابو الحسن ندوی 249

O-- مولانا محمود الحسن 249

O-- قائداعظم محمد علی جناح 251

O-- عبدالقادر عودہ شہید 252

O-- غازی علم الدین شہید 252

O-- قدرت اللہ شہاب 253

O-- احمد دیدات اور بال ٹھاکرے 254

O-- رشدی اور لیڈی ڈیانا 254

O-- تاریخی شخصیت کون؟ 255

O-- خیراعلیٰ اور وحید الدین خان۔یاللعجب! 256

کتابیات باب سوم 258

باب چہارم

اہانت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور ارتداد 259

O-- ارتداد کا قرآنی مفہوم 261

O-- مرتد کے بارے میں قرآن کا اعلان 263

O-- ارتداد کے بارے میں خلیفۃ الرسول کا فیصلہ 269

O-- مرتد کی سزا یہودی اور مسیحی قانون میں 271

مرتد کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کا نظریہ اور سفارش 272

مولانا مودودیؒ اور مسئلہ ارتداد 274

O-- ایک بنیادی غلط فہمی 275

O-- اعتراضات کا جواب 277

O-- مجرد مذہب اور مذہبی ریاست کا بنیادی فرق 279

O-- کافر اور مرتد کے ساتھ مختلف معاملہ کیوں ہے؟ 280

O-- اسلامی رویہ کی معقولیت 281

باب پنجم

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمی اور ملکی تناظر میں 283

یورپ اور قانون توہین انبیاء علیہم السلام 293
اسلامی ملکوں میں قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 302
○-- اسپین میں تحریک شماتت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 303
○-- تحریک شماتت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختتام 311
○-- ریجی نالڈ اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ 312
○-- سلطان نور الدین زندگی اور دو بد بخت نصرانی 313
○-- بلاد مشرق میں قانون توہین رسالت 315
کتابیات باب پنجم 320

باب ششم

قانون' مقدمات اور نظائر (عدالتی فیصلے) 321

○-- فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان 328
○-- وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد محمد اسماعیل قریشی
بنام جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان 360
○-- مقدمہ راج پال بنام شہنشاہ 375
کتابیات باب ششم 380

باب ہفتم

سرگزشت عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 381
مرکز عشق و محبت 381
عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور رسالت میں 382

○-- سوز صدیقؓ	382
○-- عشق حیدرؓ	384
○-- شہید اول	384
○-- مقام خبیبؓ	384
○-- حضرت زیدؓ	385
○-- پیغام سعدؓ	386
○-- تمنائے عشق	**386**
○-- عشق اویس قرنیؓ	387
جاں نثار خواتین	388
○-- حضرت خنساءؓ اور فرزندان خنساءؓ	390
○-- حضرت ام عمارہؓ	390
پاک و ہند کے شیدایان رسول ﷺ	391
○-- مولانا محمد علی جوہرؒ	391
○-- علامہ اقبالؒ	392
○-- قائداعظم محمد علی جناحؒ	394
پاک و ہند کے چند شہیدان و شیدایان ناموس رسالت ﷺ	395
○-- غازی خدا بخشؒ کا راج پال پر پہلا قاتلانہ حملہ	399
○-- غازی عبدالعزیزؒ	400
○-- سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	400
○-- غازی علم الدین شہیدؒ	402
○-- غازی عبدالقیوم شہیدؒ	408
○-- غازی محمد صدیق شہیدؒ	411
○-- غازی عبداللہ شہیدؒ	412
○-- غازی عبدالرشید شہیدؒ اور دیگر شہیدان ملت	413
○-- ایک گمنام شہید رسالت ﷺ اور سر محمد شفیع	414

O--	پاکستان اور سروشان رسالت ﷺ	416
O--	غازی زاہد حسین	416
O--	تحریک ناموس رسالت ﷺ	417
O--	سلمان رشدی کا فتنہ	429
O--	برطانیہ میں رشدی کے خلاف احتجاج	432
O--	شہدائے اسلام آباد	433
O--	رشدی کے ایجنٹ اور ہنگامہ ٹوکیو	437
O--	رشدی کے خلاف عالم اسلام کے مقتدر دینی رہنماؤں کا اعلان	440
O--	امام خمینی	440
O--	مفکر اسلام مولانا ابوالحسن ندوی	441
O--	ڈاکٹر عبداللہ نصیف	441
	گستاخ رسول ﷺ کی سزا پر ایک بے جا اعتراض	442
	فرزند اقبال کی مسند ارشاد	448
	مشاہیر ادب و سیاست کے تاثرات	453

اظہار تشکر

اس کتاب کی تصنیف و تالیف میں توفیق الٰہی اور حضور رسالت مآب ﷺ کا فیضان کرم شروع ہی سے اس بندہ عاجز و عاصی کے شامل حال رہا ہے جس نے اس گدائے بے نوا کے دامن مراد کو فکر ایمانی سے بھر دیا۔

میں سپریم کورٹ کے لائق احترام جج جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ' فیڈرل شریعت کورٹ کے فاضل جج جناب جسٹس علامہ ڈاکٹر فدا محمد خان' عدالت عالیہ لاہور کے محترم چیف جسٹس میاں محبوب احمد' استاذالاساتذہ شفیق محترم جناب پروفیسر مرزا محمد منور اور پیر طریقت و شریعت مخدوم سید نفیس الحسینی شاہ کے لئے سراپا سپاس ہوں جنہوں نے اس کتاب کو اپنی گراں قدر تقاریظ سے آراستہ کیا جو ان کے عشق رسول کریم ﷺ کا مظہر ہے۔

میری اس سعی و کاوش میں میرے رفیق کار عزیز محترم ڈاکٹر ظفر علی راجا ایڈووکیٹ کی مساعیٔ جمیل بھی شامل ہیں جنہوں نے توہین رسالت ﷺ کے تاریخی مقدمہ کی پیروی اور اس کتاب کی تالیف میں میری شب و روز معاونت کی۔ اس کتاب کا سرورق جناب بشیر موجد کے موقلم کا کرشمہ رنگ و نور ہے۔

میں ان عالی مقام مصنفین اور مفکرین کا بھی ممنون احسان ہوں جن کے افکار و خیالات' کتابوں اور مضامین سے استفادہ کرتے ہوئے ان کے مقالات اور اقتباسات کو شامل کتاب کیا گیا ہے۔ میں ان تمام وکلاء حضرات اور علمائے کرام کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً مجھے اپنے مفید مشوروں سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔ برادر مکرم محمود عالم قریشی صاحب ایڈووکیٹ کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے توہین رسالت ﷺ

کے مقدمہ اور اس سے متعلق انگریزی فیصلوں کا سلیس اور عام فہم اردو میں ترجمہ کیا۔ برادر مکرم چوہدری عبدالرحمٰن ایڈووکیٹ، عزیز گرامی محمد متین خالد بھی مستحق شکریہ ہیں کہ ان کی مخلصانہ توجہ سے یہ کتاب مکمل ہو سکی۔

میری عزیز بیٹی صفیہ غلام مصطفیٰ قریشی اور فرزند وسیم طاسین قریشی نے مسودہ کتاب کے املا اور ترتیب میں اور برادر عزیز علیم قریشی نے ہر مشکل مرحلہ پر میری مدد کی۔ ان کے علاوہ عزیز القدر رضوان علی انجینئر، عزیزم عرفان سعید اور عزیزی مشتاق حسین اور محمد رمضان نے بھی اس کتاب کی تسوید اور ترتیب میں حصہ لینے کی سعادت حاصل کی۔ مکرمی ریاض خان نے کتاب کو غلطیوں سے پاک کرنے کا محنت طلب کام سرانجام دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

الفیصل پبلشرز کے جواں سال پروپرائٹر عزیز مکرم محمد فیصل خان لائق ستائش ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کی طباعت، تزئین و اشاعت میں جس لگن اور جاں فشانی سے کام لیا اس کی بدولت یہ کتاب منظر عام پر آ سکی اور قارئین محترم کے ہاتھوں تک پہنچ سکی ہے۔ "فللہ الحمد"

محمد اسماعیل قریشی
سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

۲۷ رمضان المبارک
سال ۱۴۱۴ھ ہجری
مطابق ۱۱ مارچ ۱۹۹۴ء

مقدمہ طبع دوم

للہ الحمد کہ یہ کتاب "ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت" جب سال ۱۴۱۴ ہجری مطابق ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی تو حضور ختمی مرتبت کی ذات گرامی سے نسبت اور موضوع کی اہمیت کی وجہ سے چند ماہ کے اندر ہی پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ ملک اور بیرون ملک اس کی طلب کا سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ اس دوران قارئین کرام جن میں نہ صرف صاحبان عدل و قانون شامل ہیں بلکہ جن کا تعلق ہر شعبہ زندگی سے ہے اور ناقدین محترم نے مصنف کے نام اتنے خطوط ارسال کیئے کہ ان سب کا جواب دینا نہایت مشکل تھا جس کے لئے معذرت طلب ہوں مگر جس ذوق و شوق سے انہوں نے کتاب کا مطالعہ کیا اس کے لئے میں ان سب حضرات کا اور ان تمام رسائل اور جرائد کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب پر تبصرے شائع کئے اور خاص طور پر ان اصحاب نقد و نظر کا جنہوں نے مجھے اپنے گراں قدر مشوروں سے آگہی بخشی۔ میں نے ان تبصروں اور مشوروں کا بغور مطالعہ کیا۔ عزیز القدر محمد زید ملک نے جو عربی اور اسلامیات کے اسکالر ہیں کتاب کو حرف بحرف پڑھنے کے بعد مملکت سعودی عرب کے دار لحکومت ریاض سے کتابت کا مفصل اغلاط نامہ ارسال کیا۔ اسی طرح ایک اور صاحب ذوق عزیز محترم محمد ارشد جو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں مسلم اقلیت پر ریسرچ ورک کر رہے ہیں۔ کتاب کے اصل ماخذ اور حوالوں پر نظر ثانی کے لئے اپنی گرمیوں کی تعطیلات میں بذات خود لاہور آئے اور ساری تعطیلات میں اس کام میں مصروف رہے تاکہ کسی قسم کی کوئی کوتاہی باقی نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ان عزیزان گرامی کو خوش رکھے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اس وقت اندازہ ہوا جب یہ کتاب عدالت عالیہ کے توہین رسالت والے زیر سماعت مقدمہ میں انٹرنیشنل لا کے ممتاز ماہر قانون جناب ایس۔ ایم ظفر نے اسے بطور ریفرنس پیش کیا۔ اس طرح یہ تیسری کتاب تھی جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی "حقوق الزوجین" اور جناب صلاح الدین شہیدؒ کی "بنیادی حقوق" کے بعد مصنف کی زندگی میں بطور حوالہ ہائی کورٹ کے ایک اہم مقدمہ میں پیش ہوئی۔ اس کتاب کے حوالہ سے ایک

اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ ہیومن رائٹس کمیٹی کی نام نہاد علمبردار خاتون عاصمہ جہانگیر نے اقدام قتل کے مقدمہ زیردفعہ 307/34 تعزیرات پاکستان میں مجھے ملوث کر دیا جس میں مجھ پر یہ الزام تھا کہ میری اس کتاب کو پڑھنے کے بعد لاہور کے چار نوجوان مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے عاصمہ جہانگیر اور ان کے اہل خاندان پر قاتلانہ حملہ کر دیا کیونکہ عاصمہ جہانگیر توہین رسالت کے مقدمہ میں ملزمان کے مقدمہ کی پیروی کرتی رہی تھیں۔

اس عرصہ میں مجھے "ناموس رسول ﷺ" کے ابواب کے لئے انجیل برنباس کی جدید تحقیقات کا مواد مل گیا۔ اس کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد کا ایک بلند پایہ تحقیقی مضمون بھی دستیاب ہو گیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے جامع اور فاضلانہ مضمون کی کمی بھی پوری ہو گئی۔

یہاں یہ ذکر نامناسب نہ ہو گا کہ ہندوستان میں اسلامی مسائل پر لکھنے والے لبرل ازم کے حامی ایک قلم کار وحیدالدین خان نے توہین رسالت کے بارے میں خامہ فرسائی کرتے ہوئے مسلمانوں کو رواداری کا پرچار کیا ہے اور شیطان رشدی کی وکالت کی ہے۔ اس کے جواب کے لئے میں نے اس کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ ان تمام مضامین کو شامل کتاب کیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت پہلے سے بہت بڑھ گئی ہے۔

اکثر احباب نے یہ رائے بھی دی کہ علمائے جدید نے قرآن و حدیث اور فقہ کے جو حوالے اپنے مقالات میں دیئے ہیں۔ ان میں سے اکثر کے حوالے الشفا' الصارم المسلول اور راقم کی شرعی پٹیشن میں پہلے سے موجود اور شامل کتاب ہیں۔ اس لئے ان مقالات میں ان کی تکرار سودمند نہیں۔ رائے چونکہ معقول تھی اس لئے وہاں اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر میں نے ناشر جناب محمد فیصل خان کو ان کے اصرار کے باوجود کتاب کی اشاعت سے روک دیا تھا تاکہ کتاب خامیوں سے پاک ہو اور مزید تحقیقاتی مضامین سے مزین ہو کر قارئین کرام تک پہنچے اس لئے تاخیر کی تمام تر ذمہ داری مجھ عاجز پر عائد ہوتی ہے جو پیشہ قانون کی گراں بار ذمہ داریوں کی وجہ سے اس کام کے لئے پورا وقت نہ دے سکا۔ ان تمام حضرات محترم۔ سے جن کو کتاب کے ایڈیشن ختم ہونے کی وجہ سے یہ بروقت نہ مل سکی ان سے دوبارہ معذرت طلب ہوں۔

ماخذ کے حوالے جو کتاب کے آخر میں دیئے گئے تھے اس مرتبہ انہیں ہر باب کے

آخر میں درج کیا گیا ہے۔ ممتاز اور معروف شخصیتوں کے تبصروں کے اقتباسات کتاب کے آخر میں دیئے گئے ہیں۔

آخر میں ایک بار پھر میں جناب محمد فیصل خان صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو پھر سے ایک نئی آب و تاب کے ساتھ اس کے شایان شان طریقہ سے شائع کیا ہے۔

دعا ہے کہ مصنف کی یہ سعی و کاوش کو کو بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل ہو اور اس کی یہ کتاب اس کے لئے' اس کے والدین' عزیزوں' دوستوں اور ان تمام صاحبوں کے لئے جنہوں نے اس کارخیر میں حصہ لیا اور قارئین کرام کے لئے بھی ذریعہ شفاعت اور مغفرت بن جائے اور تحفظ ناموس رسالت کی بدولت ملت اسلام کی زندگی تابندہ اور تابناک رہے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰہِ بعزیز

محمد اسماعیل قریشی
سینئر ایڈووکیٹ

۲۵ر رمضان المبارک
سال ۱۴۱۹ ہجری
۱۴ر جنوری سال ۱۹۹۹ء
علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

ایک روح پرور حاصل زندگی خواب جمیل

آج سے تقریباً ربع صدی پیشتر کا ذکر ہے' جب ہم لاہور میں غازی علم الدین شہید روڈ (سابق لٹن روڈ) پر باغیچہ نواب صاحب بہاول پور کی جامع مسجد کے مقابل قیام پذیر تھے۔ ان دنوں میں نماز جمعہ بالالتزام اسی مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ایک جمعہ امام مسجد قاری عطاء اللہ صاحب کی دعوت پر جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث مولانا موسیٰ خاں صاحب خطبہ جمعہ سے قبل اجتماع سے خطاب کر رہے تھے اور اس دن وہ سفید بے داغ لباس میں ملبوس تھے۔ انہیں دیکھ کر دل میں معاً خیال آیا کہ ہمارے ان علمائے دین کے کردار و عمل میں کتنا تضاد ہے! یہ حضرات دوسروں کو تو اتباع سنت کی تلقین کرتے ہیں' صحابہ کرام ؓ اور بالخصوص خلفائے راشدین ؓ کے نظام حکومت اور طرز زندگی کو تازہ کرنا چاہتے ہیں لیکن خود ان کی زندگی میں اس کی جھلک نظر نہیں آتی۔ حضرت عمر ؓ اپنے زمانہ خلافت میں' جبکہ عراق اور ایران سے سیم و زر کے انبار ان کے قدموں میں ڈالے جا رہے تھے' خود موٹے اور کھردرے اور پیوند لگے لباس میں زندگی بسر کرتے رہے' لیکن آج ہمارے یہ مولانائے محترم بہترین سفید پوشاک زیب تن کیے بر سر منبر جلوہ افروز ہیں۔ بایں وجہ میں نے مولانائے موصوف سے نماز جمعہ کے بعد ملاقات بھی نہیں کی۔ چند دنوں بعد یہ بات ذہن سے فراموش ہو گئی۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد میں نے ایک خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کا اجتماع ہے جس میں' میں بھی شامل ہوں۔ یکایک غلغلہ بلند ہوا کہ حضور ختمی مرتبت جناب رسالت مآب ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ نظر اٹھائی تو دیکھا کہ فضائے نیلگوں میں ہر طرف نور ہی نور پھیلا ہوا ہے اور دور سے آقائے دو جہاں سرور کائنات ﷺ نہایت پاکیزہ سفید اور بے داغ لباس میں اسپ صبا رفتار پر سوار تشریف لا رہے ہیں۔ مجھ گناہگار میں تاب نظارۂ جمال کہاں تھی جو جی بھر کر چہرۂ انور دیکھتا۔ نگاہیں خود بخود جھک گئیں مگر بے قراری اور اضطراب میں ان کی سواری کے ساتھ ساتھ دوڑتا جا رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ فداہ ابی و امی کی سواری خان پور کی دینی درسگاہ' مخزن العلوم' جس کے سربراہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی ہیں' کی جانب جا رہی ہے۔ اسی دینی درسگاہ کی جامع مسجد سے ملحقہ احاطہ میں میرے پاکباز والد حضرت شیخ محمد

قریشی مرحوم مدفون ہیں، جہاں انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنی مرقد تیار کرالی تھی۔ اسی دوران میری زندگی کا ماحصل وہ ناقابل فراموش حسین ترین لمحہ آیا، جب میرا سر آقا و مولائے کائنات ﷺ کے پائے رکاب کے نیچے آگیا اور مجھے اپنے ہاتھوں سے حضور ﷺ کے کفش پا کو چھونے کا شرف حاصل ہوا۔ زندگی میں اس سے بڑھ کر اور کیا عز و شرف ہوگا جو کسی خاک پائے رسول ہاشمی ﷺ کو حاصل ہو۔

ایک عرصہ تک میں نے اس خواب کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ اس خیال سے کہ کہاں وہ سرور دو جہاں ﷺ اور کہاں یہ گدائے خستہ جاں، سراپا گناہ و عصیاں میں ڈوبا ہوا انسان جس کی زبان سے یہ بے پایاں لطف و کرم کی داستاں کیسے بیاں ہو! ڈر تھا کہ کہیں زباں سے کوئی لغزش نہ ہو جائے۔ شاید طہارت و پاکیزگی جسم و لباس کے بارے میں شاہ امم ﷺ کی ہدایت کا یہ بھی ایک انداز کریمانہ تھا۔ بڑے عرصہ بعد ڈرتے ڈرتے میں نے یہ خواب اپنے ایک روشن ضمیر دوست بیرسٹر ضمیر احمد خاں کو سنایا۔ سن کر کہنے لگے: "بھائی! بڑے ہی خوش نصیب ہو، شاید آپ سے کوئی خدمت لی جائے گی۔" جس سے کچھ ہمت بندھی تو پھر یہی خواب میں نے انہی مولانا موسیٰ خاں صاحب کو سنایا، جن کے بارے میں غلط تاثر تجلیٔ خواب کے بعد ذہن و دماغ سے یکسر ختم ہو چکا تھا۔ ان سے دریافت کیا: "کیا میں یہ خواب دوسروں کو بھی سنا سکتا ہوں؟" فرمایا: "اس میں کوئی امر مانع نہیں۔ یہ بھی حضور ﷺ کا ایک سلسلہ تبلیغ و ہدایت ہے۔"

پھر سال 1992ء میں جب مجھے عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی، اس وقت ایک مرتبہ پھر مکہ مکرمہ میں 21ھ رمضان المبارک کی بابرکت شب میں ان ہی شیخ الحدیث مولانا موسیٰ خاں صاحب سے نماز عشا سے قبل مولانا محمد المکی، جو خطیب حرم ہیں، کے مکان پر، جہاں میں اپنے برادر عزیز عبدالعلیم قریشی اور عزیز محترم سردار احمد خان کے ساتھ مقیم تھا، اچانک ملاقات ہوگئی اور اسی دل نشیں خواب کا ذکر آگیا تو میں نے دیکھا کہ مولانا کا چہرہ دیار حرم میں فرط مسرت سے سرخ ہوگیا اور اسی مجلس میں انہوں نے حاضرین مجلس کو اس حقیقت نما خواب کا گواہ بنایا اور مجھ پر اس آیہ مبارکہ کی تفسیر بھی منکشف ہوئی، جس میں فرمایا گیا:

"قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده و الطیبت من الرزق" (الاعراف:۳۲)

"اور اے نبی ﷺ! ان سے پوچھو تو جو زینت اور آرائش اور
کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں
ان کو حرام کس نے کیا ہے؟"

اس لیے یہ مبارک خواب ایک زندہ حقیقت بن کر میرے قلب و دماغ پر نقش ہو گیا۔ سو تحدیث نعمت کے طور پر اسے سپرد قرطاس کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اور یقین ہو گیا کہ اسی خواب کی تعبیر کے لیے سال 1976ء میں مجھے کار کے اس حادثہ جانکاہ سے بچا لیا گیا جبکہ میں استخوان شکستہ سے چُور ہو کر موت کی وادی میں پہنچ چکا تھا اور میرے ڈاکٹروں اور تیمار داروں کو جہاں سے میری واپسی کی کوئی توقع باقی نہ رہی تھی۔ لِلّٰہ الحمد کہ اس خواب کی تعبیر ملک عزیز پاکستان میں توہین رسالت کے قانون' قانون سزائے موت کی صورت' تعزیرات پاکستان میں دفعہ C-295 کی صورت میں موجود ہے جس کی ابتدا اس بندۂ ناچیز کی کوشش سے سال 1983ء میں ہوئی تھی اور بالآخر ماہ مئی 1990ء میں وفاقی شرعی عدالت نے اس بارے میں تاریخ ساز فیصلہ بہ مقدمہ محمد اسماعیل قریشی بنام حکومت پاکستان کر دیا کہ اس ناقابل معافی جرم کی سزا بطور حد صرف سزائے موت ہے۔ مقام حیرت ہے کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت' جس نے پاکستان میں اسلام اور نظام مصطفیٰ برپا کرنے کا منشور دے کر الیکشن جیتا اور برسراقتدار تھی' فیڈرل شریعت کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کر دی۔ خدا کا شکر کہ راقم کے انتباہ پر وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے اس کا بروقت نوٹس لیا اور یہ اپیل واپس لے لی گئی' جس کے بعد اب پاکستان میں توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت جاری ہو گئی ہے۔

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء و هو ذوالفضل العظيم

۲۵ رمضان المبارک
سال ۱۴۱۹ ہجری

محمد اسماعیل قریشی
سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ



جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ

(جج سپریم کورٹ پاکستان)

تاجدار ختم نبوت کی غلامی اور ان کی حرمت و ناموس پر کٹ مرنا ہر مسلمان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔ یہ کتاب اسی رمز مسلمانی کی زندہ تفسیر بن کر ہمارے ہاتھوں تک پہنچی۔ کتاب کا انتساب شہیدان ناموس رسالت کے نام ہے' جن کی حیات جاوداں ماضی' حال اور مستقبل کا احاطہ کئے ہوئے سارے عالم پر محیط ہے۔ ان ہستیوں کا کیا کہنا جو پروانہ وار شمع رسالت کے آداب کی آئینہ دار ہو' پیش لفظ لکھنا دراصل ختم الرسل' مولائے کل کی بارگاہ عالی میں نذر عقیدت و احترام پیش کرنا ہے جو ابدیت کے کناروں کو چھو لیتی ہے۔ یہی وہ نسبت ہے جس کے بارے میں مولانا ظفر علی خان نے کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے۔

سرکار دو جہاں کا بنا کر مجھے غلام
میرا بھی نام تابہ ابد زندہ کر دیا
ہوتا ہے جن میں نام رسول ﷺ خدا بلند
ان محفلوں کا مجھ کو نمائندہ کر دیا

اس کتاب میں مصنف نے اپنے خواب جمیل کا ذکر کیا ہے' جس میں انہیں حضور ختمی مرتبت ﷺ کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا' جسے وہ بجا طور پر اپنی زندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔ وطن عزیز میں تحفظ ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ کی تنفیذ کے لیے ان کی مسلسل جدوجہد کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے' اس میں ایمائے رسالت مآب ﷺ ضرور شامل ہوگی کیونکہ اس کی وجہ سے مملکت خدا داد پاکستان میں

ایک ایسی حد جاری ہو گئی جس کا ایک مسلمان کے عقیدہ اور ایمان سے براہ راست تعلق ہے۔ اس سے پیشتر بھی ایسے واقعات ظہور میں آتے رہے ہیں جن سے حضور نبی کریم ﷺ کی خوشنودی اور فرمان کی توثیق ہوتی رہی ہے۔ ایک مشہور واقعہ تو کے۔ ایل گابھا سے متعلق ہے جنھوں نے قبول اسلام کے بعد پیغمبر صحرا (Prophet Of The Desert) کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ برٹش راج میں وہ جیل میں بند تھے کہ حضور آیہ رحمت ﷺ کی شفقت جوش میں آئی اور آپ سیالکوٹ کے ایک خوش نصیب انسان کے خواب میں نمودار ہوئے اور اسے حکم ہوا کہ وہ پیغمبر صحرا کے مصنف کی ضمانت کا انتظام کرے چنانچہ رسول کریم ﷺ کی شان کریمی کے طفیل کے۔ ایل گابھا کو جیل سے رہائی نصیب ہوئی۔

قرآن و حدیث کے اوامر اور نواہی انتہائی معظم اور حیات و کائنات سے متعلق ہیں۔ قانون کا معاملہ جب تاریخ درمیان ہو تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔ فاضل مصنف نے ادب کی آمیزش اور خاص اسلوب سے ان سارے موضوعات کو دل نشین اور آسان بنانے کی کوشش کی ہے' جس میں وہ کامیاب رہے ہیں۔

اس کتاب کا خصوصی وصف اور امتیاز یہ ہے کہ اس میں قانون و ادب اور تاریخ کو قرآن و سنت کے سایہ میں ایک عظیم تر مقصد یعنی ناموس رسالت ﷺ کے لیے یکجا کر دیا گیا ہے۔ یوں تو ساری کتاب میں جذبہ عشق رسول ﷺ نمایاں ہے لیکن نام و ناموس رسالت ﷺ کے باب میں حضور ﷺ کی ذات گرامی سے جو والہانہ عقیدت کا اظہار ہے' اسے پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہر مسلمان کے دل کی آواز ہے۔ پھر توہین رسالت ﷺ کی سزا کے ثبوت میں قرآن و حدیث کے احکام اور ان کی مستند تعبیر اور تفسیر بھی موجود ہے۔ اس میں ائمہ' فقہاء اور مجتہدین کا نقطہ نظر وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عہد رسالت ماب ﷺ سے لے کر بعد میں آنے والے تمام ادوار میں یورپ' ایشیا' افریقہ اور دنیا میں جہاں جہاں بھی اسلامی اور مسلمانوں کی حکومت رہی ہے' تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہاں توہین رسالت ﷺ کی سزا' سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔ مزید برآں یہ بھی بتلایا ہے کہ یہ سزا صرف اسلامی سزا نہیں بلکہ تورات اور انجیل کی رو سے انبیائے بنی اسرائیل اور توہین مسیح علیہ السلام کی بھی یہی

سزا یعنی سزائے موت مقرر تھی۔ فاضل مصنف نے بلاس فیمی سے متعلق امریکن سپریم کورٹ کے ایک اہم مقدمہ سٹیٹ بنام موکس کے فیصلہ کا اقتباس بھی اس کتاب میں شامل کر دیا ہے' جس میں بلاس فیمی کے قانون کو بنیادی حقوق انسانی' آزادی تحریر و تقریر اور آزادی پریس کے منافی قرار دینے کی سٹیٹ اپیل کو مسترد کر دیا گیا تھا اور اس کی تائید میں نہایت معقول دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ یہ فیصلہ اس لحاظ سے بھی نہایت اہم اور فکر انگیز ہے کہ اس ملک کی سپریم کورٹ کا فیصلہ ہے جہاں چرچ اور سٹیٹ' دین اور سیاست جدا جدا ہیں۔

ریاست یا ملک اور وہاں کے معاشرے کے استحکام اور بقاء کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کی نظریاتی سرحدوں کی بھی اسی طرح حفاظت کی جائے جس طرح کہ جغرافیائی حد بندیوں کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ حضور رسالت ماب ﷺ کی ذات گرامی ہی جب وجہ وجود ملک و مملکت ہو تو ایسی ہستی کے بارے میں کسی قسم کی گستاخی' بے ادبی اور ہرزہ سرائی سارے معاشرے میں فساد اور بگاڑ کا باعث ہو گی۔ اس لیے ایسے شرپسند عناصر' جو توہین رسالت ﷺ کے مجرم قرار پائیں' انتہائی سنگین سزا کے مستحق ہیں تاکہ ملک میں فتنہ اور فساد کی پرورش نہ ہو سکے۔ اگر یہ قانون موجود نہ ہو تو پھر مجرموں اور ان کے خلاف مشتعل ہونے والے مدعیوں پر عدالت کے دروازے بند ہو جائیں گے' جس کی وجہ سے ہر کوئی قانون اپنے ہاتھ میں لے کر مجرموں سے انتقام لے گا' جس سے ملک میں انارکی پھیلے گی اور یہ چیز ملک اور اہل ملک کے امن و سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ جن برگزیدہ ہستیوں کی بدولت یہ دنیا نیکی' سچائی' حق پرستی' عدل و انصاف جیسی اعلیٰ قدروں سے روشناس ہوئی' ان کی شان میں دشنام طرازی انتہائی گھناؤنا فعل ہے' جسے کوئی مہذب معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا اور خاص طور پر مسلمان معاشرہ۔ اس لیے ایسے دریدہ دہن گستاخان رسالت ﷺ کا منہ بند کرنے اور معاشرے کو مستحکم' شائستہ' صحت مند اور صالح بنانے کے لیے ایسا قانون ناگزیر تھا جس کو پاکستان میں ازسرنو جاری کرانے کا سلسلہ میں مصنف کتاب جناب محمد اسماعیل قریشی کی خدمات اور مساعی بنظر استحسان دیکھی جائیں گی۔

اس کتاب میں عظمت و شان رسالت' آداب دربار نبوت اور قانون توہین رسالت ﷺ کے بارے میں جتنا مواد اکٹھا کیا گیا ہے' وہ کسی ایک جگہ بمشکل ہی مل سکے گا۔ اس

کے علاوہ فاضل مصنف نے علماء قدیم و جدید کی تحقیق کے علاوہ خود بھی جو مضامین نو لکھے ہیں' اس کی وجہ سے کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کتاب سے اہل قانون اور عدلیہ دونوں براہ راست استفادہ کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ علم و دانش کے خوشہ چینوں کے لیے بھی اس میں معارف اور بصائر کے خزینے موجود ہیں اور ہر مسلمان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ایمان افروز ہوگا۔ غیر مسلم بھی اگر حقیقت پسندی سے اس کا مطالعہ کریں تو قانون توہین رسالت ﷺ کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مصنف' اس کے قارئین اور ہم سب کی زندگیوں کو رسول کریم ﷺ کی عقیدت اور محبت سے سرشار کرے۔ نفرتوں اور انسان دشمنی کی زہرناکی اور دلوں کی ناگہمی اسی سے دور ہو گی کیونکہ

علاج اس کا یہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

جسٹس محمد رفیق تارڑ
(جج سپریم کورٹ)
۲۱ شعبان ۱۴۱۴ ہجری
3 فروری 1994ء

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

تقریظ



جناب جسٹس علامہ ڈاکٹر فدا محمد خان

سینئر جج فیڈرل شریعت کورٹ پاکستان

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کی بنیاد کلمہ طیبہ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدُ رَّسُوْلَ اللّٰہ " پر استوار ہے۔ کلمہ پاک کا پہلا حصہ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " عقیدہ توحید اور دوسرا حصہ " مُحَمَّدُ رَّسُوْلَ اللّٰہ " عقیدہ رسالت کے مظہر ہیں اور آغاز اسلام سے لے کر قیامت تک کے لیے ایک مسلمہ بنیاد اور حقیقت رکھتے ہیں اور زیادہ غور سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کلمہ کا دوسرا جز انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کی بدولت ہی عقیدہ توحید کی حقیقت، مضمرات، مقتضائے اور اثرات کا علم حاصل ہوتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی ذات والا صفات مسلمانوں کے سامنے ایک ایسا عظیم المرتبت نمونہ پیش کرتی ہے جسے خالق کائنات کی مکمل خوشنودی حاصل ہے۔ آپ ﷺ کا مبارک قول اگر اس آیت مبارکہ کے مصداق ہے " وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی " (آپ ﷺ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد صرف وہی ہے، جو آپ ﷺ پر نازل کیا جاتا ہے۔) (53/4-3) تو دوسری طرف آپ کا پاکیزہ عمل " ان اتبع الا ما یوحی الی " (میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے) کا آئینہ دار ہے اور قول و فعل کی اس نورانیت کے سبب ہی آپ ﷺ کے اعلیٰ نمونہ عمل کو اسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ " لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوہ حسنۃ " (درحقیقت تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔) (21/33)

چونکہ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ اور اسوہ حسنہ ایک نمونہ کامل کی حیثیت رکھتا

ہے' اس لیے اسلام کی اساسی تعلیمات میں آپ ﷺ کی محبت' آپ ﷺ کا ادب و احترام اور آپ ﷺ کی تعظیم لازمی حیثیت اختیار کر گئی ہے اور اس لیے ہر اس بات اور عمل کو' جس سے آپ ﷺ کی مبارک ذات پر حرف گیری کا شائبہ تک بھی ہو' سختی سے منع کیا گیا ہے۔

حضور اکرم ﷺ رحمتہ للعالمین ہیں اور امت پر آپ ﷺ کی شفقت و رحمت بے مثال رہی ہے' اس لیے آپ ﷺ کو اختیار حاصل تھا کہ اپنے دور میں' جو اسلام کے آغاز اور ارتقاء کا دور تھا' اس سلسلے میں سختی و نرمی اور عفو و درگزر کی ایسی مثالیں قائم فرمائیں جو اس وقت کے حالات سے مناسبت رکھتی ہوں لیکن امت مسلمہ کے کسی فرد کا یہ حق کبھی تسلیم نہیں کیا گیا کہ وہ اس ضمن میں خود اس قسم کی حرکتوں میں معافی نامہ جاری کر سکے۔ امت کا مفاد بھی اس کا متقاضی ہے کہ اس عظیم ترین مرکزی شخصیت ﷺ کے حقوق اور مفادات کا دفاع کرے تاکہ معاشرے میں امن و امان برقرار رہے اور افراد کی اصلاح کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس مثالی شخصیت ﷺ کے ساتھ عقیدت و محبت میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہو۔ عشق رسول ﷺ لازمہ ایمان ہے اور ہر مسلمان کے رگ و پے میں خون کی طرح جاری و ساری ہے۔ حقیقی مسلمان کبھی بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی دریدہ دہن شان رسالت مآب ﷺ میں کسی گستاخی کا بھی مرتکب ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان نے بھی اپنے خونی رشتے داروں کے ضمن میں چشم پوشی یا عفو و درگزر سے تو کام لیا ہوگا' مگر ختم المرتبت' رسالت مآب ﷺ کی شان اقدس میں کبھی بھی وہ رو و رعایت کا روادار نہیں ہوا' اس لیے اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قانون میں جہاں حدود و قصاص اور تعزیرات کے ضمن میں جرائم کی مختلف اقسام کے لیے سزائیں موجود ہیں' ان میں گستاخ رسالت مآب (ﷺ) کے لیے قرار واقعی سزا موجود ہو تاکہ نہ امن و امان کا کوئی مسئلہ کھڑا ہو اور نہ فدایان رسول ﷺ کسی آزمائش سے دوچار ہوں۔

جناب محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس مقصد کے لیے قابل قدر کوششیں کیں اور ان میں کامیاب ہوئے اور اب اس عنوان پر ایک اچھی خاصی کتاب بھی تصنیف فرمائی جس میں فیڈرل شریعت کورٹ پاکستان کے جاری کردہ فیصلہ کے مکمل متن کے علاوہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ

بالشان مسئلے کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں اور تاریخی حوالوں سے اس موضوع پر ایسا اہم مواد یکجا کر دیا ہے جو سلیس، سادہ، عام فہم اور ایمان افروز ہونے کے ساتھ ساتھ جامع انداز کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور اس کتاب کو مقام رسالت ﷺ کی معرفت کا ذریعہ بنا دے۔ (آمین)

جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان
(سینیئر جج وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد)
۲۰ رمضان المبارک ۱۴۱۳ ہجری
15 مارچ 1993ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

حدیث دل



جناب جسٹس میاں محبوب احمد

(چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ)

دل کی بستی عجیب بستی ہے۔ یہاں ہر آن محبتوں کی دکان سجتی ہے۔ چاہتوں کے ارمان نکلتے ہیں۔ محبوبوں کی اداؤں پر جانیں نثار ہوتی ہیں۔ ادائیں بدل جائیں تو عشاق کی وفائیں بدل جاتی ہیں۔ ایک حسین بہت ہی مشتاق نگاہوں کو اسیر بنا لے تو ان میں باہم رقابت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے مگر پوری کائنات میں ایک محبوب ایسا ہے جو سید خوباں شاہ محبوباں ہے' جس کے حسن و جمال میں تغیرو تبدل نہیں۔ کمال ہی کمال ہے۔ استقلال ہی استقلال ہے۔ وہ واحد حبیب ہے جس کے محب اس کے دیگر چاہنے والوں سے حسد و بغض نہیں' محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ من و تو کشتہ شان جمالیم کہتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال

دل بہ محبوب حجازی بستہ ایم
زیں جہت با یک دگر پیوستہ ایم

وہ محبوب ازلی' حبیب ابدی' شاہد رعنا' مشہود جہاں آرا وہی ہے جسے زمانہ محمد عربی ﷺ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ہر ساعت' ہر پل کروڑوں دل اس کی محبت میں ڈوب کر دھڑکتے اور کروڑوں لب اس کی مدح و ثناء میں کھلتے ہیں۔ زمان و مکان کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں اس سراپا حسن و خوبی کا تذکرہ جمال نہ ہوتا ہو۔ ماضی و حال میں اس محبوب حجازی کے حوالے سے لکھا گیا لٹریچر گواہ ہے کہ وہی سرور آدمیت اور فخر انسانیت ہے۔

مستقبل کے مصنف اس گواہی کو مزید مضبوط کر دیں گے کیونکہ ہر آنے والا لمحہ ان کے لیے نیا فضل و کمال لے کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ بلاوجہ زبانیں اس کی محبت کے گیت نہیں گاتیں اور بلاجواز نگاہیں اس کے تصور میں محو انتظار نہیں رہتیں۔ خالق کائنات نے صورت و سیرت میں اسے منتخب روزگار برگزیدہ ہستیوں پر بھی فضیلت دی ہے۔

فاق النبیین فی خلق و فی خلق
و لم یدانوہ فی علم ولا کرم

اس پیکر جمال کا تذکرہ نور اگر اس کے وارفتگان اول صحابہ کرامؓ سے سنا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ کیوں صدیوں سے اس محبوب حجازی کی خاک رہ گزر آنکھوں کا سرمہ بنی ہوئی ہے اور کیوں دل ہائے عشاق ایک ہی سرمدی نغمہ بلند کر رہے ہیں۔

خاک طیبہ از دو عالم خوش تر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

باب مدینہ علم سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا۔

یقول ناعتہ لم اری قبلہ و لا بعدہ مثلہ

"ان کے جمال کی تعریف کرنے والا یہی کہے گا کہ آپ جیسا نہ پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا جا سکے گا۔"

عم رسول سیدنا عباسؓ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا۔

یا مخجل الشمس و البدر المنیر اذا
تبسم الثغر لمع البرق منہ اضا
کم معجزات راینا منک قد ظھرت
یا سید ذکرہ یشفی بہ المرضی

"اے سورج اور بدر منیر کو شرمندہ کرنے والے! تو جب مسکراتا ہے تو بجلی سی کوند جاتی ہے۔ ہم نے تیرے کتنے ہی معجزات دیکھے ہیں۔ تیرے ذکر ہی سے بیماروں کو شفا ملتی ہے۔"

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ تذکرہ جمال یوں فرماتی ہیں:۔

لور این حسن محمد صلی اللہ علیہ و سلم تقتلن

انفسھن

"اگر مصر کی عورتیں حضور ﷺ کے جمال کو دیکھتیں تو اپنے آپ
کو قتل کر ڈالتیں۔"

حسن یوسف پر کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے لفظوں میں جمال رسول ﷺ کا یوں اظہار فرمایا:۔

امین مصطفی للخیر یدعو
کضوء البدر زایلته الغمام

"آپ امین مصطفیٰ اور خیر کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ چاند
کی ایسی روشنی ہیں جس سے تاریکی چھٹ جاتی ہے۔"

حضرت عبداللہ رواحہؓ نے اس بات کو اپنے انداز میں بیان فرمایا:۔

لو لم تکن فیه ایات بینة
لکان منظره بنبیک بالخیر

"اگر آپ میں واضح معجزات نہ بھی ہوتے تو بھی آپ کے حسن و
جمال کا نظارہ آپ کے نبی ہونے کی دلیل تھا۔"

ان تمام دلدادگان رسول ﷺ کے ارشادات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کشتگان محبت نے کس کس انداز میں اپنے حبیب کو چاہا ہو گا۔

ایک سیدنا صدیق اکبرؓ کی وارفتگی ہی قابل دید ہے۔ ایک موقع پر جب کفار نے انہیں مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ ہوش آنے پر لوگوں نے انہیں کچھ کھلانا چاہا تو انہوں نے جواب دیا:۔

للّٰه علی ان لا اذوق طعاما ولا اشرب شرابا حتی اری
الرسول صلی الله علیه و اله و سلم الرسول الله ﷺ

"مجھے اس ذات خدا کی قسم، اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ کچھ
پیوں گا جب تک رسول ﷺ کا دیدار نہیں کر لیتا۔"

معنی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیده صدیق اگر

قوت قلب و جگر گردد نبی
از خدا محبوب تر گردد نبی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں ہر دور اور ہر عہد میں اس محبوب کائنات ﷺ کے حضور ان کے چاہنے والے عقیدت و محبت کے گلاب پیش کرتے رہے' وہاں کبھی کبھی ان سے بغض اور ان کے دین سے عداوت رکھنے والے بیمار ذہن ان کی شان میں زبان طعن بھی دراز کرتے رہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اوائل اسلام ہی سے اہانت رسول کے جرم قبیح کا ارتکاب کرنے والوں کو موت کی سزا دی جاتی رہی ہے۔ کرہ ارض پر جہاں بھی اسلامی حکومت قائم ہوئی' وہاں شاتم رسول ﷺ کے لیے سزائے موت کا قانون رائج رہا۔ عہد رسالت' دور خلافت اور بعد میں مشرق و غرب کی تمام اسلامی سلطنتوں میں گستاخی کرنے والوں کو ہمیشہ موت کی سزا دی جاتی رہی۔

برصغیر پاک و ہند میں انگریز نے اپنے مفادات کے لیے مسلمانوں کا اپنے نبی ﷺ سے رشتہ کمزور کرنے کا شیطانی منصوبہ بنایا۔ فاقہ کش مسلم کے تن سے روح محمد ﷺ نکال دینے کی سازش کی اور رسول ﷺ کی شان اقدس میں گستاخیوں کا مذموم سلسلہ بھی شروع کرایا۔ انگریزی استعمار کے عہد میں جو تعزیرات بنائی گئیں' اس میں گستاخ رسول ﷺ کے لیے سزا کا قانون نہ تھا اور وہی تعزیر پاکستان کے قیام کے بعد بھی جاری رہی۔

اور اب فیڈرل شریعت کورٹ کے تاریخی فیصلہ سے قانون تبدیل ہو کر اس جرم کے لیے سزائے موت مقرر کی گئی ہے۔ زیر نظر کتاب جناب قریشی صاحب کی سعادت ازلی کا ثبوت ہے جس میں انہوں نے توہین رسول ﷺ کرنے والوں کے لیے سزائے موت کے قانون کو تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے۔ یہ کتاب جمال رسول کا دلکش تذکرہ اور قانون توہین رسالت کا تاریخی مجموعہ ہے۔ ان اوراق میں انہوں نے ان بدباطن' دریدہ دہن لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے جو اپنی دریدہ دہنی کے سبب مسلم حکومتوں یا مسلم عوام کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے اور خوش بخت شخصیات کا حال بھی بیان کیا ہے جو گستاخان رسول کو واصل جہنم کر کے تختہ دار پر جھول گئے۔

اس کتاب کا مطالعہ مسلمانوں میں اپنے رسول کریم ﷺ سے سچی اور گہری وابستگی پیدا کرے گا اور دشمنان رسول ﷺ کی سازشوں سے نپٹنے کے لیے انہیں تیار کرے گا۔ اپنے نبی ﷺ کی ذات سے کامل وابستگی کے بغیر دین کا دفاع ممکن نہیں' شاید اس لیے

مولانا احمد رضا خان ؒ نے کہا تھا:۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے
ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

عصر حاضر میں یہود و ہنود کی بڑھتی ہوئی سازشوں کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں میں فروغ عشق رسول ﷺ کی زور دار تحریک برپا کی جائے۔ میں سمجھتا ہوں اس ضمن میں فاضل مصنف جناب اسماعیل قریشی کی تازہ تصنیف گراں قدر کردار ادا کرے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ کریم ان کی یہ مساعی اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ہم سب کو اپنی جان' مال' عزت' آبرو اپنے آقائے کریم ﷺ کے ناموس پر قربان کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے کیونکہ:۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

میاں محبوب احمد
(چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ' لاہور)
۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ ہجری
22 فروری 1994ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دیباچہ

جناب پروفیسر مرزا محمد منور

سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی' پاکستان

میرے مشفق دوست جناب محمد اسماعیل ایڈووکیٹ تشریف لائے اور اپنی کتاب مستطاب ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت کا مسودہ میرے سپرد فرمایا اور حکم دیا کہ اس مسودے کا مطالعہ کریں اور اپنے تاثرات بھی قلمبند کریں جو اس کتاب کے لیے تقریظ یا دیباچے کا کام دیں۔ میں نے عذر پیش کیا کہ حضرت یہ بڑا ہی نازک اور اہم دینی شرعی اور فقہی مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کے جملہ پہلوؤں پر کماحقہ کبھی مطالعہ نہیں کیا۔ فرمانے لگے میں نے تو عرض کیا ہے کہ مسودہ پڑھ لیں اور اپنے تاثرات قلم بند کر دیں' گویا انہوں نے اپنی طرف سے میرا کام آسان کر دیا مگر موضوع کی اہمیت کا بار امانت تو اتنا ہی کوہ گراں رہا جتنا کہ پہلے تھا۔

درحقیقت موضوع شروع ہی بار امانت سے ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے "الامانت" زمین' آسمانوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی' وہ اس بار کو اٹھانے کی ہمت نہ کرپائے' ڈر کر رہ گئے اور حامی نہ بھر سکے۔ آدمی نے حامی بھرلی اور بار امانت اٹھا لیا۔ آدمی واقعی اس بار امانت کی تقاضوں سے بے خبر تھا کہ آیا عہد برآ ہو سکے گا؟ اسے معلوم نہ تھا۔ یوں گویا اس نے اپنے آپ کے ساتھ زیادتی کرلی۔

حضرت شاہ ولی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب عظمت ماب "حجتہ اللہ البالغہ" میں تحریر کرتے ہیں کہ الامانت کا مفہوم ہے صاحب اختیار و مسئولیت بنایا جانا اور پھر اس اختیار اور مسئولیت کو احکام الٰہی کے تابع رکھنا' بے اختیار عبادت تو فرشتے کرتے ہی رہے تھے' وہ ہر دم تقدیس و تسبیح میں مصروف تھے' انحراف کر ہی نہ سکتے تھے' لیکن اختیار رکھنا اور انحراف

نہ کرنا' اصل امتحان اور ذمہ داری ہے' تو آیہ الامانت کا لب لباب یہ ہے احکام الٰہی کی روشنی میں اللہ کی طرف سے دی ہوئی خود مختاری کا حق مسئولیت ادا کرنا۔

خدا نے آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونک دی۔ خالی روح نہیں بلکہ اپنی روح۔۔۔۔ اور اپنی فطرت کے مطابق از روئے جوہر امکان اس کی فطرت بھی بنا دی۔ یعنی حسب حدیث رسول ﷺ ہر فرد بشر فطرت ہی کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔ (بار امانت سے عہد برآ ہونے کی اہلیت لے کر آتا ہے۔) مگر بعد ازاں اس کے والدین اسے یہودی و مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں' مراد ہے تربیتی ماحول اگر صراط مستقیم نہ ہو تو فرد بشر فطرت کے تقاضوں کو دبا لیتا ہے اور ادھر ادھر ہو جاتا ہے' فطرت کو ختم نہیں کر سکتا دبا لیتا ہے لہٰذا گمراہ ہو جاتا ہے' پھر اگر کوئی ولی حق مل جائے تو اپنے اصل کی طرف لوٹ آتا ہے ورنہ گمراہی میں پختہ کار ہوتا چلا جاتا ہے۔ ضدی بن جاتا ہے اور وہ ضد وقت کے ساتھ ساتھ سنگلاخ ہوتی چلی جاتی ہے اور ایسا فرد " ولکنہ اخلد الی الارض " کا مصداق بن جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ نے فرد آدم کو وہ دانش وافر عطا فرمائی تاہم اسی پر اکتفا نہ کیا لہٰذا ساتھ ساتھ اپنی طرف سے لفظی ہدایت بھی ارسال کرتا رہا اور عملی ہدایت بھی' یعنی وحی بھی بھیجتا رہا اور رسول بھی۔ حضرت سید قطب اپنی تفسیر قرآن میں "الامانت" کا مطلب امانت رسالت لیتے ہیں۔ آیا آدم اللہ کی انعام فرمودہ رسالتوں کے مطابق ہدایت یاب ہوتا ہے یا نہیں یعنی پوری اولاد آدم کے لیے رسالت پر عمل کرنا لازم رہا تاہم امانت رسالت کا معنی فقط رسولوں کے لیے ہے' آیا انہوں نے حق رسالت ادا کر دیا؟ یہی باعث ہے رسولوں نے اپنی اپنی قوم سے کہا " انی لکم رسول امین " میں ہوں ایک پیغمبر' اور ایک مرد امین (یعنی رسالت اور امانت ساتھ ساتھ رہیں) دونوں جگہ نکرہ کا صیغہ' پھر ایک وقت آیا جب ساری کتابیں "الکتاب" میں ڈھل گئیں (ذالک الکتاب) اور اس طرح لفظی وحی تکمیل کو پہنچ گئی۔ تمام رسول "الرسول" کے روپ میں شامل ہو گئے اور اس طرح عملی وحی اپنے کمال کو پہنچ گئی گویا سارے Prophets آخر کار The Prophet کی معراج رسالت میں جذب ہو گئے۔ علامہ نے اس مطلب کو کس خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے:-

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت
تا چراغ یک محمد ﷺ بر فروخت

واضح ہوا کہ تمام پیغمبران خدا علیٰ نبیّنا و علیہم السلام' محمد مصطفیٰ ہی کی تشکیلی صورتیں تھیں۔ بقول علامہ اقبال:۔

"All Prophet of Allah were Muhammad in the Making"

قرآن "الکتاب" اسی لیے سابق کتب کی تصدیق کرتا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ تمام رسولوں کی' اسی طرح ہر رسول کا یہ ارشاد کہ وہ ایک مرد امین ہیں پایان کار' نکرہ کا یہ صیغہ بھی معرفہ کا صیغہ بن گیا اور نبی اکمل و اکرم کا خطاب "الامین" قرار پایا۔ آپ ﷺ کو کفار و مشرکین نے۔۔۔ بشمول ابو جہل۔۔۔ الامین کے لقب سے پہلے ملقب کیا اور اللہ نے رسالت بعد میں انعام فرمائی۔ اس طرح جہاں رسالت مکمل ہو گئی' وہاں ساری امانتیں (رسالتیں) مل کر "الامین" ہو گئیں۔

خدا فردوس اعلیٰ میں حفیظ جالندھری صاحب کو جگہ دے' انہوں نے ایک مصرعے میں ساری کہانی بیان کر دی۔

"امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی"

یہی تھی وہ الامانت جس کے ضمن میں حضور اکرم و اکمل ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زیادہ سامعین کرام یعنی اپنے اصحابؓ سے دریافت فرمایا "ھل بلغت رسالتی "کیا میں نے الامانت ادا کر دی؟ جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو گویا شرط ایمان' توحید الٰہی اور رسالت محمدی ﷺ کا دل سے اقرار قرار پائی۔ الرسول جب مبعوث ہو گئے اور حق ابلاغ رسالت ادا ہو گیا اور ساتھ ہی خدا نے اپنی گواہی کے طور پر "اتمام نعمت" کی آیت بھی نازل کر دی تو اب جس طرح شرک فی اللہ جرم کفر ہے' اسی طرح اور بالکل اسی طرح شرک فی الرسالت بھی جرم کفر ہے۔ آسماں پر ارحم الراحمین اور زمین پر رحمتہ للعٰلمین اور بس چنانچہ قرآن کریم میں کوئی درجن بار خدائے تعالیٰ نے اس مضمون کو دہرایا ہے کہ "جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔" ۔۔۔ "اطاعت کرو خدا کی اور الرسول (محمد ﷺ) کی"۔۔۔ خدا کی توحید کا قائل موحد تو شاید کہلا سکے مگر مومن وہی کہلا سکتا ہے جو خدا کی "وحدت" کے ساتھ ساتھ الرسول کی "وحدت" بھی تسلیم کرے' لہٰذا جو فرد اب کسی اور رسول کی آمد کا امکان بھی ذہن میں لائے' وہ اہل ایمان کے حلقے سے باہر' وہ مسلمان ہو تو مرتد ورنہ کافر اور مستوجب سزا' مسیلمہ کی طرح۔۔۔ وہ مسیلمہ جس نے دعوائے نبوت کر کے ارتکاب شرک کیا اور پھر

اس شرک کو شراکت قرار دیا' مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی نے اپنی کتاب "سیرۃ الصدیق" میں مسیلمہ کے خط کی عبارت نقل کی ہے' جو مسیلمہ نے بحضور نبی اکرم ﷺ تحریر کیا تھا۔

"من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله فانی قد اشترکت معك فی الامروان لنا نصف الارض و لقریش نصفها ولکن قریشان قوم یعتدون۔"

ترجمہ:۔ "رسول خدا مسیلمہ کی طرف سے رسول خدا محمد ﷺ کی طرف' رسالت میں مجھے تمہارا شریک اور حصے دار بنایا گیا ہے۔ آدھی زمین ہماری اور آدھی قریش کی لیکن قریش کی قوم اپنی حد میں رہنے والی نہیں۔"

اس کے جواب میں فرمان ذیل رسالت مدینہ سے جاری ہوا:۔

من محمد رسول الله الی مسیلمة الکذاب۔۔۔۔ اما بعد فالسلام علی من اتبع الهدی فان الارض لله یورثها من یشاء من عباده و العاقبة للمتقین۔۔۔۔"

ترجمہ:۔ "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا رحم کرنے والا اور بے حد مہربان ہے۔۔۔۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام' بعد حمد و ثنا پس سلام ہو اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے' پھر یہ امر حقیقی یاد رہے کہ ساری زمین اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس زمین کا وارث و مالک بنا دیتا ہے۔۔۔۔ عاقبت ان کے لیے ہے جو تقویٰ پر کاربند ہیں۔"

حالات نہایت نازک تھے۔ قبائل عرب کی اکثریت' جن کے دلوں میں ایمان ابھی راسخ نہ ہوا تھا' رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے مرتد اور باغی ہو گئی۔ بعض قبائل نے یہ کہا کہ ہمارا عہد و پیمان تو محمد ﷺ سے تھا' وہ اب فوت ہو چکے ہیں۔۔۔۔ ابو بکرؓ کون ہوتے ہیں ہم سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرنے والے' ابوبکر کے ساتھ ہمارا کوئی عہد و پیمان نہ

تھا۔ اس مضمون کا حامل شعر ذیل جو حطیہ شاعر نے کہا:۔

اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا!
فیا لعباد اللہ ما لابی بکر!!

ترجمہ:۔ "ہم نے رسول خدا کی اطاعت کی جب تک وہ ہم میں موجود رہے۔ پھر اب اے اللہ کے بندو! ابو بکرؓ کا ہم پر کون سا حق بنتا ہے۔"

ان انتہائی نازک حالات میں بھی امام عاشقان رسول مقبول ؐ سے مراد ہے۔ ابو بکر صدیقؓ نے نہ زکوٰۃ میں کوئی رعایت کی اور نہ کوئی مہلت دی۔ رسالت کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے عساکر تیار کیے اور اپنے صحابی مشیروں کی مرضی کے خلاف ان باغیوں کے لشکروں پر حملہ آور ہونے کے لیے روانہ کر دیا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک باغیان رسالت کا قلع قمع نہ ہو گیا اور جب تک وہ' جو ناسمجھی میں باغیوں کا ساتھ دینے لگ گئے تھے' نادم ہو کر اسلام کی طرف نہ لوٹ آئے۔ لب لباب یہ کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے روپ میں یہ منصب اپنے کمال کو پہنچ گیا لہٰذا تمام پذیر ہو گیا۔ اب جو فرد بھی دعوائے نبوت کرے' وہ مسیلمہ کی طرح مشرک و کافر ہے' شریک نبوت نہیں' وہ باغی ہے اور اپنے متبعین سمیت گردن زدنی' قرآن کا فیصلہ' رسول خدا ﷺ کا حکم اور صدیق اکبرؓ کا عمل۔۔۔۔ معاملہ ہمیشہ کے لیے طے ہو گیا۔ اسلام سے انحراف یا ادعاء نبوت محمد مصطفیٰ ﷺ کے احکام الٰہی کی روشنی میں استوار کردہ نظام کے خلاف بغاوت ہے' خواہ وہ بغاوت حزبی اور گروہی ہو' خواہ انفرادی' مسلمان من حیث الامت یہ گستاخی برداشت نہیں کر سکتے۔ رہا کسی شخص کا خود براہ راست حضور نبی اعظم ﷺ کو ہدف دشنام بنانا تو یہ وہ امر ہے جو کبھی گوارا نہیں کیا گیا۔ ایسے گستاخوں کو خود آنحضور ﷺ نے اپنے حکم یا ایماء سے قتل کرا دیا۔ قاضی عیاض نے اپنی کتاب "الشفاء" میں ایسے کئی افراد کا ذکر کیا ہے جن میں کعب بن اشرف' ابو رافع' ابن خطل اور اس کی لونڈی' نضر بن حارث' عقبہ بن ابی معیط وغیرہ جو حضور نبی اکرم ﷺ کے امر یا ایماء پر قتل ہوئے' کسی کو حضرت خالدؓ بن ولید نے قتل کیا' کسی کو حضرت زبیرؓ نے' کسی کو علیؓ بن ابی طالب نے۔ حضرت علیؓ نے ایک ایسے شخص کو زندہ جلوا دیا جس نے خود ان کو خدائی صفات سے موصوف کر کے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی مرکزیت کو ختم کرنے کی کوشش کی

تھی۔ قاضی عیاض نے حضرت جعفر بن صادق ؓ کے والد بزرگوار محمد کی روایت سے حضرت حسین ؓ بن علی بن ابی طالب کا قول بروایت حضرت علی ؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی بھی نبی کو گالی دے' اس کو قتل کر دو اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑوں کی سزا دو۔ ایک شخص کی بابت قاضی عیاض نے ابن قانع کی روایت سے تحریر کیا ہے کہ اس نے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا والد آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا باتیں کرتا تھا لہٰذا میں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ بات (ایک فرزند کا اپنے باپ کو قتل کرنا) رسول اللہ ﷺ کو ناگوار نہ گزری۔

قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے:۔

"النبی اولی بالمومنین من انفسهم و ازواجه امهاتهم۔۔۔۔"

"رسول خدا اہل ایمان کو خود اپنی جانوں سے عزیز تر ہیں۔۔۔۔
اور حضور کی ازواج اہل ایمان کی مائیں ہیں۔۔۔۔"

نبی اکرم ﷺ کے بعد روح اسلام کے سب سے بڑے رمز شناس ثانی اثنین اذھما فی الغار' حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے رسول خدا ﷺ کے خلاف جہاں گروہی اور جماعتی بغاوتوں کا سر کچل دیا' وہاں رسول خدا ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب فرد کو بھی مستوجب سزائے قتل جانا۔ ابوبکر احمد بن علی بن سعید نے اپنی کتاب مسند ابی بکر ؓ میں تین حوالوں سے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر ؓ سے گستاخی' بے ادبی اور خیرہ سری کا رویہ اختیار کیا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا' اجازت دیں' میں اس کا سر اڑا دوں۔ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا' نہیں فقط رسول خدا ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا موت ہے' رسول خدا ﷺ کے سوا کسی دوسرے کی یہ شان نہیں۔۔۔۔

قاضی عیاض نے "کتاب الشفاء" میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز ؒ کی خدمت میں کسی نے لکھ بھیجا کہ فلاں شخص حضرت عمر ؓ بن الخطاب کی بابت نازیبا کلمات کہتا ہے' کیا میں اسے قتل کر دوں؟ عمر بن عبدالعزیز ؒ نے جواب دیا' فقط رسول خدا ﷺ کی یہ شان ہے کہ ان کی ذات سے متعلق گستاخی کرنے والے کو سزائے قتل دی جائے۔ یاد رہے کہ اہل امت عمر بن عبدالعزیز ؒ کو ان کے عدل اور ورع کے باعث خلیفہ خامس کہتے ہیں۔

قاضی عیاض نے ہی ذکر کیا ہے کہ خلیفہ عباسی ہارون الرشید نے حضرت امام مالک ؒ

سے دریافت کیا کہ شاتم رسول ﷺ کی کیا سزا ہے؟ عراقی فقہاء کہتے ہیں ایسے شخص کو کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اس پر حضرت امام مالکؒ جلال میں آ گئے اور فرمایا اگر رسول خدا کو دشنام کا ہدف بنایا جائے گا تو امت باقی نہیں رہے گی۔ جو شخص انبیاء کو دشنام دے اس کی سزا قتل ہے اور جو شخص اصحابؓ رسول ﷺ کو سب و شتم کا نشانہ بنائے' اسے کوڑوں کی سزا دی جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ فقہ اسلامی میں حضرت امام مالکؒ کو امام الائمہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہارون الرشید نے عراقی فقہاء کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے شاتم رسول ﷺ کی سزا کوڑے بتائی ہے۔ خدا جانے وہ کون فقہاء تھے۔ عراقی فقہاء کے امام ابو حنیفہؒ کا اپنا قول ہے کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا قتل ہے' اور یہی عالم شوافع اور حنابلہ کا ہے جیسا کہ جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب نے واضح کیا ہے۔ میں مزید حوالوں سے گریز کرتا ہوں۔ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے حوالے کو کافی جانتا ہوں اور فقہائے عظام میں حضرت امام مالکؒ پر اکتفا کرتا ہوں۔۔۔۔ یہ فیصلہ یا فتویٰ تقریباً ہر اسلامی سلطنت میں نافذ رہا' چنانچہ یہ فیصلہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی نافذ کیا اور جلال الدین اکبر نے بھی۔۔۔۔

میرے کرم فرما محمد اسماعیل قریشی نے دیگر بہت سے مستند حوالے دے رکھے ہیں اور ان حوالوں کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ قریشی صاحب کی یہ تصنیف یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی اور حتماً اہل دل کے سینوں میں چراغ عشق رسول ﷺ کو روشن تر کرنے میں ممد ہو گی۔ یہ زمانہ اپنی روح کے اعتبار سے مادے پر استوار تعقل کا شکار ہے۔ مسلمان بھی اسی مادی ماحول سے متاثر ہو کر ایمان کو احکام خدا و رسول ﷺ کی روشنی میں جانچنے کے بجائے یورپی مادی تعقل کی میزان پر تولتے ہیں۔۔۔۔ ہر زمانے میں ایک مزاج ہوتا ہے اور اپنی غیرت اور خودداری سے غافل ہو جانے والے بارہا رنگ زمانہ میں رنگے جاتے ہیں' خواہ ان کا عقیدہ طور زمانہ سے قطعاً مختلف روش کا متقاضی کیوں نہ ہو۔ حضرت علامہ اقبال نے بلاسبب تو نہیں کہا تھا:۔

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد
می شناسی عصر ما با ما چہ کرد!
عصر ما' مارا زما بیگانہ کرد!!
از جمال مصطفیٰ ﷺ بیگانہ کرد!

اس غفلت کی پیدا کردہ محرومی کا مداوا یہی ہے کہ اہل امت کی روحوں میں سوز عشق مصطفیٰ ﷺ کی تپش تیز کر دی جائے۔ جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب کی یہ زیر نظر تصنیف نفیس و لطیف اسی امر کی جانب ایک مخلصانہ کوشش ہے۔ خدا قریشی صاحب کو ان کی محنت کا روحانی اجر عطا فرمائے اور انہیں سایہ دامان رحمت نبی ﷺ سے ہر دو جہاں میں مسرت یاب رکھے اور اسی طرح ان سب احباب کو بھی' جنھوں نے محمد اسماعیل قریشی صاحب کو اس کتاب کی تیاری میں کسی طرح کی بھی مدد بہم پہنچائی اور ان جج صاحبان کو بھی' جن کی اسلام شناسی اور دین دوستی نے ان کو صحیح فیصلے تک پہنچایا۔۔۔۔ آمین' ثم آمین۔

حق تو یہ ہے کہ میں اس عظیم الشان کتاب کی تقریظ کماحقہ نہیں لکھ سکا' لکھ سکتا بھی نہیں۔۔۔۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں' جناب محمد اسماعیل قریشی نے تقریظ کے بہانے میرے نام کو اپنی کتاب میں شامل کر کے مجھے عزت بخشنا چاہی تھی اور بس۔ خدا ان کی عزت اور ان کے ایمان میں روز افزوں اضافہ کرے۔ والسلام

پروفیسر مرزا محمد منور
سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی' پاکستان لاہور
مورخہ 9 جنوری 1994ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

امّابعد

حضرت خواجہ سید نفیس الحسینی شاہ

محب گرامی جناب محمد اسماعیل قریشی کا شمار پاکستان کے صف اول کے وکلاء میں ہوتا ہے۔ سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ ہیں۔ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے پیشہ وکالت کے ذریعے اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ عشق رسول ﷺ اور حمیت اسلامی کا جوہر ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ آئے دن عدالت کے ایوانوں میں ان کے جوش ایمانی کی گونج سنائی دیتی رہتی ہے۔ جب بھی کسی سرپھرے نے دین اسلام یا حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں حد ادب سے تجاوز کیا' جناب قریشی صاحب شمشیر بے نیام ہو کر سامنے آگئے اور آخر اسے کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا۔ اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

وکلاء کے وسیع طبقے میں قریشی صاحب ایک منفرد شخصیت کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قانونی جہت سے حفاظت اسلام کا عظیم کام ان سے لیا ہے۔ حال ہی میں انہوں نے "امتناع قادیانیت آرڈیننس" کے مقدمے کی جس جانفشانی' دل سوزی اور دردمندی سے پیروی کی اور بالآخر کامیابی کا تمغہ افتخار حاصل کیا' وہ ان کا خاص حصہ ہے جس پر وہ لائق صد مبارکباد ہیں۔ اس قسم کے کام بے پناہ جذبے کے بغیر انجام نہیں دیے جاسکتے۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ انہیں والہانہ عشق ہے جس کے تقاضے سے وہ ناموس رسول ﷺ کے مسئلے میں انتہائی جذباتی نظر آتے ہیں اور آخر کیوں نہ ہوں' ایک پکا اور سچا مسلمان اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔ قریشی صاحب نے "قانون توہین رسالت" کے سلسلے میں عدالت کے ایوانوں میں اپنے قوی عقلی و شرعی دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ توہین رسالت کے مرتکب کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔ اس سلسلے میں ان کی وسعت مطالعہ اور مہارت فن کا کچھ اندازہ

ان کی زیر نظر تالیف "ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت" سے کیا جا سکتا ہے جو تمام تر "قرآن و سنت' قانون و نظائر اور تاریخ کے آئینے میں" پیش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں جناب قریشی صاحب نے مرکز عشق محبت حضور نبی کریم ﷺ پر فدا ہونے والے قرن اول کے جانثاران و شہیدان ملت کے ساتھ ماضی قریب کے سرفروشان رسالت کا تذکرہ بھی کیا ہے' جس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ناموس رسول ﷺ کا عقیدہ اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا کا مسئلہ قرن اول ہی سے مسلسل و متواتر قطعی اور اجماعی چلا آ رہا ہے۔ جناب قریشی صاحب نے ایک وفادار امتی ہونے کے ناطے ناموس رسالت کے مقدمہ میں اپنی وکالت کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی قبول فرمائے اور بروز حشر حضور ختم المرسلین ﷺ کی شفاعت سے سرفراز فرمائے۔

احقر نفیس الحسینی
نفیس منزل' کریم پارک' لاہور
۶ رمضان المبارک ۱۴۱۴ ہجری
18 فروری 1994ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مصنف

(توہین رسالت کے مقدمہ کا تاریخی پس منظر)

مسلمان اپنے آقا و مولا حضور سرور عالم ﷺ کے نام و ناموس پر مرمٹنے اور اس کی خاطر دنیا کی ہر چیز قربان کرنے کو اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتے ہیں۔ اس پر تاریخ کی کسی جرح سے نہ ٹوٹنے والی ایسی شہادت موجود ہے جو ایک مسلمہ حقیقت بن چکی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو خواہ وہ ایشیا ہو یا یورپ' افریقہ ہو یا کوئی اور خطہ ارض' جہاں بھی اقتدار حاصل رہا' وہاں کی عدالتوں نے اسلامی قانون کی رو سے شاتمان رسول ﷺ کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔ اس کے برعکس جب بھی یا جہاں کہیں ان کے پاس حکومت نہیں رہی' وہاں جانثاران تحفظ ناموس رسالت ﷺ نے غیر مسلم حکومت کے رائج الوقت قانون کی پروا کیے بغیر گستاخان رسول ﷺ کو کیفر کردار تک پہنچایا اور خود ہنستے مسکراتے تختہ دار پر چڑھ گئے۔

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی دور استعمار سے قبل' حتیٰ کہ مغل شہنشاہ اکبر کے سیکولر دور میں بھی شاتم رسول ﷺ کو سزائے موت دی گئی۔ لیکن جب اس ملک پر سازشوں کے ذریعے انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ ہوا تو انہوں نے توہین رسالت ﷺ کے اس قانون کو یکسر موقوف کر دیا۔ پھر انگریز حکومت ہی کی شہہ پر جب ہندوؤں' آریہ سماجیوں اور مہا سبھائیوں نے مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہوئے پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی پر حملے کرنے شروع کر دیئے تو مسلمانوں نے شاتمان رسول ﷺ کو قتل کر کے' اقرار جرم کرتے ہوئے دار و رسن کی روایت کو از سر نو زندہ کیا۔

مسلمانوں کے احتجاج اور مولانا محمد علی جوہرؒ کی تحریک پر اس وقت کی قانون ساز

اسمبلی نے 1927ء میں ایک معمولی سی دفعہ 295 اے کا تعزیرات ہند میں اضافہ کیا' جس کی رو سے توہین مذہب کے جرم کی سزا دو سال تک قید یا جرمانہ مقرر ہوئی' لیکن اس سے مسلمانوں کی اشک شوئی نہ ہو سکی۔

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد یہ توقع تھی کہ یہاں توہین رسالت ﷺ کے جرم کی شرعی سزا' سزائے موت کا قانون پھر سے بحال ہو جائے گا' لیکن کسی بھی مقننہ یا حکومت کو اس بارے میں پیش رفت کی توفیق نصیب نہ ہوئی' اسی اثناء میں اسلام دشمن قوتوں نے پاکستان کی اسلامی ریاست کو ختم کرنے کے لیے سازشوں کا جال سارے ملک میں بچھا دیا۔ زر خرید ایجنٹوں کے ذریعہ یہاں کے نوجوانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے لادینی لٹریچر بھی پھیلانا شروع کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں ایک کمیونسٹ مشتاق راج کا ذکر ضروری ہے جس کی اشتعال انگیزی قانون توہین رسالت اور اس کتاب کی تصنیف کا باعث بنی۔ اس کی خدمات روس کی حکومت نے حاصل کی ہوئی تھیں۔

مشتاق راج نے 1983ء میں Heavenly Communism (آفاقی اشتمالیت) نامی ایک کتاب لکھی جو ملک کے تعلیم یافتہ طبقہ میں مفت تقسیم کی گئی۔ یہ کتاب راقم الحروف کو جسٹس میاں صادق اکرام نے لا کر دی۔ اگرچہ' میں مصنف کے مبلغ علم سے واقف تھا' مگر یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کتاب میں کمیونزم کا مذہبی نقطہ نظر سے کس طرح جائزہ لیا گیا ہے' میں نے کتاب پڑھنا شروع کی۔ جیسے جیسے کتاب پڑھتا گیا' میری قوت برداشت جواب دیتی چلی گئی۔ مجھ پر غم و غصہ کی جو کیفیت طاری ہوئی' وہ ناقابل بیان ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ تمسخر کیا گیا' بلکہ مذاہب اور ادیان کا بھی مذاق اڑایا گیا تھا۔ دینی پیشواؤں کو "مذہبی شیطان" کہا گیا' انبیائے کرام علیہم السلام پر نہایت گھٹیا اور سوقیانہ حملے کئے گئے اور انتہا یہ کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی شان میں بھی گستاخی کی جسارت کی گئی۔ میں نے نہایت صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس (پاکستان زون) کا اجلاس طلب کیا' جس میں پاکستان کے نامور علمائے دین کے علاوہ بیرون ملک سے عالم اسلام کے دو ممتاز اسکالرز ڈاکٹر ربیع المدخلی اور پروفیسر سعید صالح نے بھی شرکت کی۔ سب علماء کا متفقہ فتویٰ تھا کہ شاتم رسول ﷺ واجب القتل ہے' للذا حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس ناپاک کتاب کو فوری طور پر ضبط کر لے اور بغیر کسی تاخیر کے توہین رسالت ﷺ کا قانون بنا کر اسے نافذ العمل کر دیا جائے' تاکہ

آئندہ کسی بدبخت کو اہانت رسول ﷺ جرات نہ ہو سکے۔ لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن اور بار کونسل نے بھی راقم کی تحریک پر مشتاق راج کو بار کی رکنیت سے خارج کر دیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اسے گرفتار کر کے عبرت ناک سزا دی جائے اور اس ناپاک کتاب کی ساری کاپیاں فوری ضبط کر لی جائیں۔ اہل لاہور کو جب اس کتاب کی اشاعت کا علم ہوا تو ان کے جذبات مشتعل ہو گئے اور حکومت نے امن و امان کی صورت حال اور بار ایسوسی ایشن کی قرارداد کے پیش نظر اسے زیر دفعہ 295 اے گرفتار کر لیا' کیونکہ تعزیرات پاکستان میں اس وقت تک توہین رسالت ﷺ جیسے سنگین اور انتہائی دل آزار جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی۔ ملک عزیز کے تمام مکاتب فکر کے علماء' وکلاء' بار ایسوسی ایشنز اور دینی تنظیموں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس سلسلہ میں فوری طور پر قانون سازی کی جائے۔ پاکستان کے قومی اخبارات نے بھی اس کی تائید کی اور اس کی حمایت میں اداریے لکھے۔ بالآخر اسلامی نظریاتی کونسل نے اسلامیان پاکستان کے اس مطالبہ کا نوٹس لیا اور شیخ غیاث محمد' سابق اٹارنی جنرل کی تحریک پر حکومت سے سفارش کی کہ توہین رسالت ﷺ اور ارتداد کی سزا' سزائے موت مقرر کی جائے۔ اس کے باوجود حکومت وقت نے اس نازک مسئلہ کو مستحق توجہ نہ سمجھا' لہٰذا راقم الحروف نے فیڈرل شریعت کورٹ میں اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق اور تمام صوبوں کے گورنروں کے خلاف اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کی دفعہ 203 کے تحت 1984ء میں اپنے ساتھ تمام مکاتب فکر کے علماء' سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے سابق جج صاحبان' سابق وزرائے قانون' سابق اٹارنی جنرل' سابق ایڈووکیٹ جنرل' لاہور ہائی کورٹ بار اور دیگر بار کونسلوں کے صدر صاحبان سمیت ایک سو پندرہ شہریوں کو شامل کر کے شریعت پٹیشن نمبر ۱/ ایل 1984ء دائر کی۔ مقدمہ کی سماعت کا آغاز راقم الحروف کی بحث سے شروع ہوا۔ عدالت نے عوام الناس کے نام نوٹس جاری کر دیے تھے۔ کمرہ عدالت اور اس کے باہر ہر روز عوام کا ہجوم اس مقدمہ کی کارروائی کی سماعت کے لیے موجود ہوتا۔ اس مقدمہ کی سماعت کے دوران عجیب و غریب واقعات پیش آئے' جن میں دو بڑے دلچسپ اور قابل ذکر ہیں۔ اس پٹیشن میں سابق جج لاہور ہائی کورٹ جناب جسٹس چوہدری محمد صدیق بحیثیت فریق اول ہمارے ساتھ شامل تھے' جب کہ دوسری طرف سے ان کے صاحبزادے جناب جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے' جو اس وقت ایڈووکیٹ جنرل تھے' پیش ہوئے۔ میں نے عدالت کی

توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اس تاریخی مقدمہ میں باپ بیٹا ایک دوسرے کے مقابل ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیٹے نے شریعت پٹیشن کی مکمل طور پر حمایت کی اور تمام صوبوں کے ایڈووکیٹ جنرلز نے بھی اس پٹیشن کی تائید میں دلائل پیش کئے اور عدالت سے درخواست کی کہ اس درخواست شریعت کو منظور کرلیا جائے' ڈاکٹر سید ریاض الحسن گیلانی ڈپٹی اٹارنی جنرل نے' جو حکومت پاکستان کی جانب سے پیش ہوئے' ہمارے اس موقف سے اتفاق کیا کہ شاتم رسول ﷺ واجب القتل ہے' لیکن یہ قانونی اعتراض اٹھایا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کو اس کی سماعت کا اختیار نہیں ہے' فیڈرل شریعت کورٹ کے پیش نظر ایک اور مسئلہ بھی تھا کہ آیا شاتم رسول ﷺ کی سزا کا معاملہ قانون ساز اسمبلی سے متعلق ہے یا فیڈرل شریعت کورٹ اس بارے میں وفاق پاکستان کو حکم نامہ جاری کرنے کی مجاز ہے۔ بہرحال فریقین کے دلائل کی سماعت کے بعد وفاقی شرعی عدالت نے اپنا فیصلہ محفوظ کرلیا۔ اسی اثناء میں ایک اور سنگین واقعہ رونما ہوا۔ ماہ جولائی 1984ء میں ایک خاتون ایڈووکیٹ عاصمہ جہانگیر نے اسلام آباد میں منعقدہ ایک سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے معلم انسانیت حضور ختمی مرتبت ﷺ کی شان میں کچھ ایسے نازیبا الفاظ استعمال کیے جو سامعین اور امت مسلمہ کی دل آزاری کا باعث تھے' جس پر سیمینار میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ جب یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس نے اپنے خصوصی اجلاس میں پاکستان کے تمام سربرآوردہ علماء اور وکلاء کی جانب سے اس کی پرزور مذمت کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ فوری طور پر شاتم رسول ﷺ کے بارے میں سزائے موت کا قانون منظور کرے اور فیڈرل شریعت کورٹ سے بھی درخواست کی گئی کہ وہ شریعت پٹیشن پر اپنا فیصلہ صادر کرے۔ اسلامی جذبے سے سرشار خاتون مرحومہ آپا نثار فاطمہ نے اس قابل اعتراض تقریر کا قومی اسمبلی میں سختی سے نوٹس لیا اور پھر راقم الحروف کے مشورے سے قومی اسمبلی میں تعزیرات پاکستان میں ایک مزید دفعہ 295 سی کا بل' جس کی رو سے شاتم رسول ﷺ کی سزا' سزائے موت تجویز کی گئی' پیش کیا اور اس سلسلہ میں اس وقت کے وزیر قانون و انصاف جناب اقبال احمد خان سے ملاقات کی لیکن انہوں نے اس بل کی حمایت سے اس لیے معذرت کا اظہار کیا کہ قرآن میں اس کی سزا مقرر نہیں۔ اس کے علاوہ غیر متوقع صورت حال اس وقت پیدا ہوئی جب کئی اسلامی ذہن رکھنے والے اراکین اسمبلی بھی اس بل سے پوری طرح متفق نہیں تھے

کیونکہ وہ توہین رسالت ﷺ جیسے سنگین جرم کے لیے صرف عمر قید کی سزا کافی سمجھتے تھے' لیکن جب یہ بل اسمبلی میں جنت مکانی آپا نثار فاطمہ مرحومہ نے پیش کیا تو مسلمانوں کے متفقہ مطالبہ کے پیش نظر کسی کو اس کی مخالفت کی جرات نہ ہو سکی' البتہ وزارت قانون کی طرف سے اس بل میں یہ ترمیم کر دی گئی کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا' سزائے موت یا عمر قید ہوگی۔ اس طرح دفعہ 295 سی کا تعزیرات پاکستان میں اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن' چونکہ اس دفعہ سے راقم الحروف' مرحومہ آپا نثار فاطمہ' علمائے کرام' وکلاء اور مسلمان عوام مطمئن نہیں تھے' اس لیے دوبارہ فیڈرل شریعت کورٹ میں 295 سی کو راقم نے مسلم ماہرین قانون کی تنظیم کی جانب سے اس بناء پر چیلنج کر دیا کہ توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہے اور حد کی سزا میں کمی یا اضافہ کرنے کا اختیار کسی کو بھی نہیں اور یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ اس مقدمہ کی باقاعدہ سماعت یکم اپریل 1987ء کو شروع ہوئی' جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء کو بھی معاونت کی دعوت دی گئی۔ بعض علماء کا خیال تھا کہ یہ قابل معافی جرم ہے اور بعض نے یہ بھی کہا کہ حاکم وقت سزائے موت سے کم تر سزا دینے کا بھی مجاز ہے۔ اس مقدمہ کی سماعت لاہور' اسلام آباد اور کراچی میں فیڈرل شریعت کورٹ کے فل بنچ' جو جناب جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس' جناب جسٹس عبدالکریم خان کندی' جناب جسٹس عبادت یار خان' جناب جسٹس عبدالرزاق تھیم اور جناب جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خاں پر مشتمل تھا' کے سامنے ہوئی۔ من جملہ دیگر علمائے کرام کے مولانا سید محمد متین ہاشمی' مفتی مولانا غلام سرور قادری' مولانا حافظ یوسف صلاح الدین اور جناب سید ریاض الحسن نوری قابل ذکر ہیں۔ مولانا حافظ صلاح الدین کا' جو جماعت اہل حدیث کے محقق عالم ہیں' پہلی شریعت پٹیشن میں موقف تھا کہ شاتم رسول کا جرم ناقابل معافی ہے' لیکن بعد میں انہوں نے موجودہ مقدمہ کی پٹیشن کے دوران بحث اپنے پہلے موقف سے رجوع کرتے ہوئے جرم مذکور کو قابل معافی بتلایا' جب کہ مولانا مفتی غلام سرور قادری شاتم رسول ﷺ کو ردہ یعنی ارتداد کی بناء پر واجب القتل تو سمجھتے تھے' لیکن اسے قابل معافی جرم بھی قرار دیتے تھے۔ حکومت پاکستان کی جانب سے ڈپٹی اٹارنی جنرل میاں عبدالستار نجم پیش ہوئے۔ وہ بھی اس جرم کو قابل معافی جرم قرار دیتے ہوئے اس کو منشائے رسول رحمت ﷺ سمجھتے تھے۔ اس کے برعکس حکومت پنجاب کی جانب سے اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل جناب نذیر احمد غازی اور جناب

جلال الدین خلد' حکومت سرحد کی جانب سے میاں محمد اجمل' جو اب پشاور ہائی کورٹ کے فاضل جج ہیں' سندھ اور بلوچستان کی طرف سے وہاں کے ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرلز نے ہمارے موقف کی مکمل تائید اور حمایت کی۔ ان کے علاوہ ملک کے ممتاز اسکالر مولانا سید محمد متین ہاشمی اور جناب ریاض الحسن نوری مشیر وفاقی شرعی عدالت نے عمر قید کی سزا کے اسلامی احکام سے منافی ہونے کے بارے میں موثر دلائل پیش کیے۔ سندھ کی حکومت نے بھی شاتم رسول ﷺ کی سزا' سزائے موت تسلیم کی۔ ڈاکٹر طاہر القادری کا موقف تھا کہ سزا کے لیے نیت کی ضرورت نہ ہے۔

توہین رسالت ﷺ کے مقدمہ میں علمائے کرام' صوبوں کے اسسٹنٹ اور ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرلز اور دیگر وکلاء صاحبان کے علاوہ عاجز کو رفیق محترم جناب ڈاکٹر ظفر علی راجا ایڈووکیٹ کی شب و روز معاونت حاصل رہی ہے' جس میں ان کا خلوص اور ملی حمیت کا جذبہ کار فرما رہا ہے۔ بالآخر وہ ساعت سعید بھی آ گئی' جب فیڈرل شریعت کورٹ نے متفقہ طور پر' اس گدائے شہ عرب و عجم کی' پٹیشن منظور کرتے ہوئے توہین رسالت ﷺ کی متبادل سزا عمر قید کو غیر اسلامی اور قرآن و سنت کے خلاف قرار دیا اور حکومت پاکستان کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ عمر قید کی سزا کو دفعہ 295 سی سے حذف کیا جائے' جس کے لیے حکومت کو 30 اپریل سال 1991ء تک کی مہلت دی گئی۔ اس فیصلہ کے بعد پھر ایک عجیب مرحلہ پیش آیا فیڈرل شریعت کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے جو نفاذ اسلام اور قرآن و سنت کے قانون کی بالادستی کا منشور لے کر برسر اقتدار آئی تھی' سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی جس کا نوٹس بھی ایڈووکیٹ آن ریکارڈ کی جانب سے مجھے موصول ہو گیا جس پر راقم نے وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کو پیغام بھجوایا کہ حکومت اس اپیل کو فوری طور پر واپس لے ورنہ اس انتہائی حساس مسئلہ پر مسلمانوں کے جذبات اس حکومت کے خلاف مشتعل ہو جائیں گے اور اس حکومت کا بھی خدانخواستہ وہی انجام ہو گا جو اس کی پیش رو حکومت بے نظیر کا ہو چکا ہے جس نے اسلامی قوانین کو اپنی کابینہ میں ظالمانہ اور فرسودہ قرار دے کر قصاص اور دیت کے قانون کو روکنے کی کوشش کی تھی لیکن سپریم کورٹ نے راقم کی درخواست پر کابینہ کی اس کارروائی کا سختی سے نوٹس لے کر قانون قصاص و دیت کے خلاف گورنمنٹ کی اپیل خارج کر دی تھی۔ پھر یہ حکومت غضب الٰہی کا شکار ہو کر نہ صرف اپنی کابینہ بلکہ پوری

اسمبلی کے ساتھ برخاست کر دی گئی۔ خدا کا شکر ہے کہ وزیر اعظم پاکستان جناب میاں محمد نواز شریف نے توجہ مبذول کرانے پر فوری اور بروقت نوٹس لیا اور بر سر عام اعلان کیا کہ اس اپیل کا انہیں قطعی علم نہ تھا ورنہ ایسی غلطی کبھی سرزد نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر اس جرم کی سزائے موت سے بھی سنگین تر اسلامی سزا موجود ہوتی تو ہم اسے بہرصورت نافذ کرتے۔ چنانچہ ان کے حکم سے توہین رسالت کی سزائے موت کے خلاف سپریم کورٹ سے یہ اپیل واپس لے لی گئی۔ جو بوجہ دستبرداری خارج ہو گئی جس کے بعد یہ قانون مکمل طور پر سارے ملک میں نافذ ہو گیا۔ اس طرح نہ صرف عاجز' مرحومہ آپا نثار فاطمہ اور مولانا سید محمد متین ہاشمی مرحوم کی بلکہ پوری امت مسلمہ کی دلی آرزو پوری ہوئی۔ اس فیصلہ کی بدولت حضور رسالت مآب ﷺ کی ایک ایسی سنت تازہ ہوئی جس پر تمام مسلمانوں کے ایمان کا دارومدار ہے۔ جس کے لیے فیڈرل شریعت کورٹ کے فاضل چیف جسٹس جناب گل محمد خان مرحوم اور ان کے تمام رفقاء جج حضرات بھی پوری امت مسلمہ کی جانب سے مستحق مبارک باد ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ پاکستان میں بھی انڈین پینل کوڈ (Indian Penal Code) کی طرح برٹش گورنمنٹ کی پالیسی کے تحت قانون توہین رسالت ﷺ سرے سے موجود ہی نہیں تھا مگر اب بفضل تعالیٰ یہ قانون سارے پاکستان میں نافذ العمل ہے' جسے مکمل طور پر قرآن و سنت سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت تھی' جس کی اس کتاب میں نشاندہی کر دی گئی ہے اور اس قانون کے تحت گستاخان رسول ﷺ کے خلاف ملک کی مختلف عدالتوں میں مقدمات بھی زیر سماعت ہیں' لیکن اردو یا انگریزی میں قانون توہین رسالت پر قرآن' سنت' فقہ اور مروجہ قانون کے حوالہ سے تاریخی پس منظر کے ساتھ کوئی مستند کتاب موجود نہ تھی۔ چونکہ توہین رسالت ﷺ کے مقدمہ کے سلسلہ میں کافی مواد اکٹھا کرنا پڑا' نئے مسائل اور مباحث کے جوابات بھی علمی دیانت کے ساتھ پیش کئے گئے تھے' اس لیے انہیں یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت مجھ عاجز کو حاصل ہوئی' جس سے نہ صرف فاضل اراکین عدلیہ' قانون داں حضرات اور اہل علم و دانش بلکہ صاحب ذوق قارئین بھی مستفید ہوں گے۔

اس کتاب کے کچھ مسودات مکہ مکرمہ' حرم نبوی ﷺ اور طائف میں لکھے گئے' اس لیے اہل دل کو اس میں جو حسن اور دل کشی نظر آئے' وہ ان ہی حسین مقامات کا

عکس جمیل ہے اور جو خامیاں اور غلطیاں نظر آئیں' اس میں میری کوتاہیوں کا دخل ہے۔ قارئین محترم سے گزارش ہے کہ غلطیوں سے جو سہواً ہو گئی ہیں' مطلع فرمائیں تاکہ انہیں دور کیا جا سکے۔

(وما علینا الا البلاغ)

محمد اسماعیل قریشی
سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
۲۶ رچنا بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

یکم صفر المظفر ۱۴۲۰ ہجری
۱۷ مئی ۱۹۹۹ء

(باب اوّل)

نام و ناموس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن اور صحف سماوی میں

اسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم و محمد صلی اللہ علیہ وسلم :

اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن معنوی کا اظہار لفظ و بیاں میں ممکن ہی نہیں۔ صرف اس کے صوتی اثرات ہی سے قلب و دماغ پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ بھی ناقابل بیان ہے۔ اس میں ایک ایسی لذت' شیرینی اور مٹھاس ہے کہ ہونٹوں کا آپس میں مکرر اتصال ہوتا ہے اور نطق آگے بڑھ کر خود زبان کے بوسے لینے لگتی ہے۔ اس کی ادائیگی کے ساتھ ملکوتی آواز فردوس گوش بن کر سامعہ نواز ہوتی ہے۔ اس لیے یہ نام ذہن کائنات پر نقش دوام بن کر مرتسم ہو گیا ہے۔

قرآن مجید کا آغاز سورہ فاتحہ "الحمد" یعنی حمد و ثنائے رب سے ہوتا ہے' اس لیے رب العالمین نے جو اپنی حمد و ثناء کے واسطے ایسی ہستی کو' جو اس کے لائق اور سزا وار تھی' کائنات خلقت میں رحمت العالمین بنا کر احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی سے مبعوث فرمایا۔

"احمد صلی اللہ علیہ وسلم " اسم تفضیل ہے جس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ "سب سے بڑھ کر حمد و توصیف کرنے والا۔" اس نام سے آپ کی صفت توصیف الٰہی کے کمال کا اظہار مقصود تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا وہ اور کون ہے' جس نے آکر کائنات ہستی کو "حمد الٰہی" کے لازوال نغموں سے معمور کر دیا۔ اس کے ایک اور معنی بھی ہیں یعنی "جو سب سے زیادہ لائق تعریف ہو۔" اس معنی میں آپ کا دوسرا اسم مبارک "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " رکھا گیا یعنی وہ ہستی جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اور ان دونوں ناموں سے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں یاد کیا گیا ہے بلکہ انجیل اور تورات میں بھی اسی نام نامی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک

موجود ہے۔ جس کے بارے میں قرآن مجید کی یہ صاف اور صریح شہادت موجود ہے۔

"یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراۃ والانجیل۔" (1)

"جس کے بارے میں اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔"

تورات میں نوید کلیمؑ:

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو خوشخبری دیتے ہوئے خدا کا کلام انہیں سنا رہے ہیں جو استثنا باب 18 میں یوں درج ہے:۔

اور خداوند نے مجھ سے کہا۔ "وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔" (2)

حضرت موسیٰؑ کی اس پیشین گوئی کا مصداق سوائے ذات رسالت مآب ﷺ کے اور کوئی رسول نہیں۔ یہاں ان کے بھائیوں سے مراد بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ہیں۔ ان دونوں کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ ہیں جنہوں نے اپنی پیرانہ سالی میں اپنے جواں سال فرزند جناب اسماعیلؑ کی گردن پر حکم خداوندی کی تعمیل میں چھری پھیر دی تھی۔ لیکن قدرت حق نے جگر گوشہ خلیلؑ کو ذبح ہونے سے بچا لیا۔ اگر اس وقت گلوئے اسماعیلؑ پر چھری چل جاتی تو رب کعبہ کی قسم یہ ساری کائنات ہی ذبح ہو جاتی۔ کیونکہ بنی اسماعیل کی نسل سے خدا کے آخری پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور ہونا ابھی باقی تھا جن کے لیے یہ دعائے خلیلؑ بلند ہوئی تھی۔

"اے بارِ الٰہ! میری نسل سے ایسا نبی برپا کر جو ایک قوم کا نہیں بلکہ، تمام گروہ نسل انسانی کا سردار اور پیشوا ہو۔ جو انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیوں کو سنوار دے۔"(3)

بشارت مسیحؑ:

کائنات ہستی میں جناب مسیحؑ کا نزول احمد مجتبیٰ علیہ التحیتہ والسلام کی دنیا میں آمد کی بشارت تھی، جس کا اعلان خود زبان مسیحؑ نے کیا۔

"واذ قال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول الله الیکم مصدقا لما بین یدی من التورات و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد۔"(4)

"اور یاد کرو (اس وقت کو) جب عیسٰی ابن مریم نے کہا "اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے۔"

انجیل یوحنا میں اپنے شاگردوں سے خطاب کرتے ہوئے یسوع مسیحؑ نے اہل دنیا سے فرمایا:۔

"میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن "مددگار" یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اور وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"(5)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ باتیں جناب مسیحؑ اس وقت اپنے حواریوں سے کہہ رہے ہیں جب انہیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کے بعد انہیں سوئے دار کھینچا جائے گا۔

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہیں کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" (باب 3:14)

"مجھے تم سے اور بھی بہت سے باتیں کہنا ہیں مگر تم اب ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ سچائی کی روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ (صراط مستقیم) دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔"(6)

فار قلیط:

بائبل کے انگریزی ترجمہ میں جو عام طور سے (King James Version) کہلاتا

ہے' مددگار' کے لیے (Comforter) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں "تسکین بخشنے والا" انگریزی لفظ (Comforter) ترجمہ ہے یونانی لفظ "فرقلیطس" کا جس کا ایک تلفظ "فارقلیط" بھی ہے۔ یونانی میں یہ لفظ ہمیں دو طرح سے لکھا ہوا ملتا ہے۔ (Paraclatus) اور (Periclytos) موخر الذکر لفظ کے معنی ہیں۔ "وہ ہستی جس کی تعریف اور توصیف کی گئی ہو۔" جس کا ہم معنی لفظ لغت عرب میں "محمد" ہے اور یہ "احمد" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اصل بائبل کا یونانی میں ترجمہ عبرانی یا آرامی (Aramie) سے کیا گیا تھا جو جناب مسیحؑ کے زمانہ میں فلسطین کی مروجہ زبان تھی۔ انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں خوشخبری اور بشارت۔

منحمنا:

آرامی زبان میں اصل لفظ جو حضرت عیسیٰ نے اپنے بعد میں آنے والے جہانوں کے سردار کے لیے استعمال کیا تھا' جسے سن کر یوحنا نبی نے اسے اپنی انجیل' انجیل یوحنا میں نقل کیا "منحمنا" ہے جس کا لغوی ترجمہ عربی میں "محمد ﷺ" اور "احمد ﷺ" ہے اور یونانی میں "فرقلیطس" (Periclytos) ہے۔ جس کے تلفظ کا فائدہ اٹھا کر مذہبی تعصب نے اس میں معمولی سے تحریف کے ساتھ اس کو (Paracletus) بنا دیا جو ایک کثیر المعنی لفظ ہے۔ جو رب کے حضور دعا کرنے والے' کے علاوہ "نذیر" "مددگار" اور "تسکین بخشنے والا" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ (Teacher) بھی کیا ہے۔

آرامی زبان میں مرقوم انجیل میں آپ ﷺ کا جو نام مبارک "منحمنا" یعنی "محمد" آیا ہے اس کا سراغ ہمیں قرون اولیٰ کے اولین مستند سیرت نگار ابن اسحٰق کی "سیرۃ رسول اللہ" سے بھی ملتا ہے۔(7) ابن اسحٰق کا تعلق پہلی صدی ہجری سے ہے۔ جب کہ فلسطین میں آرامی زبان رائج تھی اور فلسطین مملکت اسلامی میں شامل تھا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ نبی الخاتم کی بشارت جو حضرت عیسیٰ نے "منحمنا" کے نام سے دی تھی اس انجیل جو آرامی زبان مسیحؑ میں ہے کے حوالہ سے قلم بند کی۔ جس کا ذکر ابن ہشام نے بھی ابن اسحٰق کی سیرت رسول اللہ کی تہذیب و تلخیص میں کیا ہے جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتلایا ہے کہ "منحمنا" کا عربی مترادف "محمد ﷺ" ہے۔

انجیل برنباس:

اس کے علاوہ سولھویں صدی عیسوی میں ایک بہت بڑا انکشاف ہوا کہ اناجیل اربعہ کے علاوہ ایک اور انجیل بھی خود مسیحی دنیا کے عظیم روحانی پیشوا پوپ سقطس پنجم کی لائبریری میں محفوظ تھی جس کا نام "انجیل برنباس" ہے۔ اسی انجیل کا نسخہ 1709 سے ایمسٹرڈم کی مستند مسیحی لائبریری میں موجود ہے۔ جس کے باب 39، 44، 55، 72، 97، 112، 136، 137، 220 میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا اسم گرامی "محمد رسول اللہ" لفظاً و صراحتاً موجود ہے۔

باب 55 میں اور باب 137 میں تو مکمل طور پر صرف آپ ﷺ ہی کا ذکر ہے۔
انجیل برنباس نے عیسائی دنیا میں تہلکہ برپا کر دیا کیونکہ اس میں عیسائیوں کے ان مزعومہ عقائد کی جو تعلیمات مسیحؑ کے یکسر خلاف تھے تردید کی گئی ہے۔ عیسائی علماء نے انجیل برنباس کی تردید میں پورا زور لگایا لیکن وہ عقلی دلائل سے یہ ثابت نہیں کر سکے کہ یہ جعلی انجیل ہے۔ ان کے اس الزام کے بارے میں کہ انجیل برنباس جعلی اور وضعی ہے انہوں نے جو موقف اختیار کیا ہے اس میں واضح اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ یہودیوں کی سازش ہے اور کسی ایسے یہودی عالم کی تصنیف ہے جو عہد نامہ عتیق (Old Testament) کا متبحر عالم ہے کیونکہ اس میں تالمود کے وہ اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جن سے صرف ایک یہودی عالم ہی واقف ہو سکتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ انجیل عیسائی راہب فرامارینو نے لکھی ہے جسے عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید دونوں پر یکساں عبور ہے لیکن اسلامی علوم کے بارے میں اس کا علم نسبتاً بہت کم ہے۔ بعض کے خیال میں یہ انجیل ہسپانوی مسلمان عالم نے قرون وسطیٰ کے آخری دور میں سپرد قلم کی ہے جو اسلامی دینیات کا بہت بڑا عالم تھا لیکن عیسائی علماء کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں کہ اگر یہ کسی مسلمان عالم دینیات کی تصنیف ہے تو پوپ گلاسیس اول کے عہد میں انجیل برنباس کا پڑھنا کس طرح ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ جب کہ اس وقت تو پیغمبر اسلام ﷺ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر پیغمبر علیہ السلام کے عہد رسالت سے قبل یہ مسلمان ہسپانوی عالم کہاں سے آگیا؟ عیسائی راہبوں کی یا یہودی عالموں کی اسلام دشمنی سے کون واقف نہیں۔ اس لیے انجیل برنباس کو جو توحید کا علم دیتی ہے اور حضور ختم المرسلین

ﷺ کی آمد کی خوشخبری سناتی ہے کسی عیسائی راہب یا یہودی عالم سے منسوب کرنا نہ قرین عقل ہے نہ قرین قیاس۔ (8)

جدید تحقیقات:

انجیل برناباس کے بارے میں جدید تحقیقات کتاب کی اولین اشاعت کے وقت دستیاب نہیں ہو سکی تھیں جنہیں اب شامل کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے جو ڈاکٹر حمزہ پکتاش کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر حمزہ پکتاش ترکی کے نہایت بلند پایہ محقق اور عالم اسلام کے ممتاز ماہر لسانیات ہیں۔ ترکی کی طرح عربی' جرمن' انگریزی پر انہیں کامل عبور ہے۔ اس کے علاوہ دس ایشیائی زبانوں میں بھی انہیں خاص مہارت حاصل ہے۔ انہوں نے زمانہ ما قبل اسلام اور قدیم اسلامی مخطوطات پر انقرہ ہائیڈل برگ اور کولون یونیورسٹیوں میں انتہائی اہم تحقیقاتی کام کیا ہے وہ دور مسیحؑ کی آرامی اور سریانی زبانوں سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ بیسویں صدی کی آخری دہائی میں انجیل برناباس حیرت انگیز طور پر دریافت ہوئی۔

انجیل برناباس ہمارے رسول کریم ﷺ کی رسالت اور آمد کی بشارت دیتی ہے۔ خود لفظ "انجیل" کی تحقیق سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "انجیل" یونانی زبان کا لفظ ہے۔ یونانی زبان میں اس لفظ کے لغوی معنی "خوشخبری" اور "بشارت" ہیں۔ (دائرۃ المعارف جلد ۴)

انگلش آکسفورڈ ڈکشنری میں بھی کہا گیا ہے کہ لفظ انجیل (Angeelas) سے مشتق ہے جس کے معنی "پیغام رساں" کے ہیں۔ (انگلش آکسفورڈ ڈکشنری صفحہ 307)

انجیل برناباس کا متن:

انجیل برناباس کے بارے میں ڈاکٹر حمزہ پکتاش لکھتے ہیں:۔ "انجیل برناباس کے متن کا آغاز اس جملہ سے یوں ہوتا ہے۔ "میں قبرص کا رہنے والا برناباس ہوں۔" پھر آرامی زبان کے کچھ الفاظ ؐمیں پوری طرح سمجھ نہیں سکا۔ اس کے بعد کے جملوں میں کہا گیا ہے:۔ "عبادت کے لائق دنیا کے مالک سے یک جان ہو کر نبی یسوع مسیحؑ سے جو کچھ سنا ہے' سچائی کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔" اصل متن اور اس کی فوٹو کاپی میں یہ بیانات بہ آسانی پڑھے جا سکتے ہیں۔" اس اصل نسخہ میں اور اس سے قبل بھی انجیل برناباس کا

ترجمہ دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکا ہے جس میں توحید اور ختم المرسلین ﷺ کی واضح اور کھلی کھلی بشارت موجود ہے۔

انجیل برنباس کے تاریخی اور تحقیقی جائزہ پر مبنی کتاب جو پاکستان کے نامور محقق جناب بشیر محمود اختر کی تصنیف ہے۔ اس کے عہد بہ عہد اہم واقعات شکریہ کے ساتھ نذر قارئین ہیں:۔

☆ 61ء جناب برنباس کی وفات/ شہادت۔ انجیل برنباس کی تحریر 61ء میں برنباس کی وفات سے قبل۔

☆ 130ء۔200ء سینٹ آئرینوس (St.Irenaeus) کی تحریروں میں تذکرہ۔

☆ 478ء مشرقی روم کے شہنشاہ زینو کے عہد (474ء۔491ء) قبرص سے اس انجیل کی دریافت۔

☆ 492ء۔496ء پوپ جیلاشیس کے فرمان میں اس انجیل کا تذکرہ۔

☆ 1585ء۔1590ء پوپ سکٹس پنجم کے کتب خانے سے اس انجیل کی دریافت۔ فرامرینو نے اس کا اطالوی ترجمہ کیا۔

☆ 1709ء شاہ جرمنی کے ایک مشیر کریمر کو اطالوی ترجمہ ملا۔

☆ 1713ء کریمر نے شہزادہ یوجین کو بطور تحفہ پیش کیا۔

☆ 1734ء جارج سیل کے انگریزی ترجمہ قرآن مجید میں اس انجیل کا پہلا باقاعدہ تعارف۔

☆ 1738ء شہزادہ یوجین کا سارا کتب خانہ امپریل لائبریری ویانا میں منتقل ہو گیا۔ (ایک ہسپانوی ترجمہ جارج سیل کے پاس رہا۔ پھر آکسفورڈ یونیورسٹی کے ڈاکٹر منک ہاؤس کو ملا۔ اس نے انگریزی ترجمہ کیا۔

☆ 1784ء برطانوی مصنف Godfrey Hijjins نے اپنی کتاب An Apology For Muhammad میں لکھا کہ میں مسلمانوں کی طرف سے پادریوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اس انجیل کا اصل نسخہ پیش کریں۔

☆ 1907ء اطالوی ترجمے سے انگریزی ترجمہ پادری لانس ڈیل اور لارا ریگ نے مکمل کیا جو آکسفورڈ سے چھپا۔

☆ 1908ء انگریزی سے ایک عربی ترجمہ ایک مصری مسیحی عالم ڈاکٹر سفارت خلیل

نے کیا۔

☆ 1910ء عربی سے ایک اردو ترجمہ لاہور سے چھپا جو مولوی محمد حلیم انصاری نے کیا۔
عربی سے ایک فارسی ترجمہ آقائے قابلی قزلباش نے کیا جو تہران سے طبع ہوا۔

☆ 1973ء قرآن کونسل آف پاکستان کراچی نے 1907ء والے انگریزی ترجمے کا متن شائع کر دیا۔ اس کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔

☆ 1974ء انگریزی سے اردو ترجمہ پروفیسر آسی ضیائی نے کیا جو لاہور سے شائع ہوا۔

☆ 1984ء ترکی سے قدیم آرامی زبان کے نسخے کی دریافت۔ جس کے کچھ حصوں کا ترجمہ ترکی زبان میں ڈاکٹر حمزہ پکتاش نے کیا۔

بالفرض انجیل برنباس یا آرامی انجیل کی مندرج بشارت محمدی ﷺ کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو یونانی، انگریزی اور اردو میں ترجمہ شدہ اناجیل کی پیش گوئیوں کو یہ حضرات کیسے چھپائیں گے۔ جو صبح روشن کی طرح آپ ﷺ کی آمد کی بشارت دنیا کو دے رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بعد میں آنے والے پیغمبر آخر زماں ﷺ کے لئے جو لفظ استعمال کیا تھا اس کے یونانی ترجمہ (فرقلیطس) کے جو معنی بھی لئے جائیں یعنی "تسکین بخشنے والا" "حامی" "مددگار" "نذیر" "معلم" ان سے مراد سوائے ذات رسالت مآب ﷺ کے اور کون ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس لفظ کے جتنے بھی معنی ہو سکتے ہیں ان سب کا مصداق صرف آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے تو اس میں مبالغہ کا کوئی شائبہ نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ آپ ﷺ کے اور صرف آپ ﷺ ہی کے لیے زبان روح القدس سے نکلا تھا۔ اس لیے صحف سماوی میں ایسی ہی ہستی کو "لائق تعریف" یا "محمد" کہا گیا ہے، جس کی ذات میں یہ ساری صفات موجود ہیں۔ علمائے اہل کتاب اس حقیقت سے واقف تھے کہ محمد ﷺ روحی لہ الفدا ہی خدا کے وہ سچے پیغمبر ہیں جن کی بشارت آسمانی کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔ اس بارے میں قرآن کا یہ ارشاد موجود ہے جس کی صداقت پر تاریخ کے ہر دور نے گواہی دی ہے:۔

الذین اتینھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم"(9)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی سچائی کو ویسے ہی پہچان گئے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں۔"

عبداللہ بن سلام ؓ مدینہ میں یہودیوں کے سب سے بڑے مستند عالم مانے جاتے تھے۔ جب پہلے پہل ان کی نظر آنحضور ﷺ فداہ ابی و امی کے چہرہ انور پر پڑی تو پکار اٹھے "خدا کی قسم یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔"

زبور میں نغمہ داوٗدؑ :

تورات اور انجیل کی طرح زبور میں بھی حضرت داوٗدؑ نے اپنے سرمدی نغموں میں آپ ﷺ کے آنے کی بشارت دی ہے:۔

"تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطف موجزن ہے اس لیے تجھے ابد تک مبارک کیا گیا۔"

"تیرے تیر تیز ہیں۔ لوگ ترے نیچے گرے پڑتے ہیں۔ وے بادشاہ کے دشمنوں کے دلوں میں لگ جاتے ہیں۔"

"تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے۔"

"تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے قائم مقام ہوں گے اور تو انہیں تمام زمین کا سردار مقرر کرے گا۔"

"میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا پس لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے۔" (زبور۔باب پنجم)

اس تمام حسن و جمال اور جلال و کمال کا مظہر سوائے سرکار رسالت ماب ﷺ کے اور کون ہے۔ جس کی تعریف صحف سماوی نے اس طرح واضح نشان دہی سے کی ہے۔ حضرت داوٗدؑ کے فرزند سیدنا سلیمانؑ اپنے تخت جلال سے اپنے محبوب (فداہ ابی و امی) کو اسی طرح پکارتے ہیں:۔

> "میرا محبوب گندم گوں دس ہزار آدمیوں میں جھنڈے کی طرح سربلند ہے۔ وہ خوبی میں رشک سرو اور شیریں دہن ہے وہ ستودہ (محمد) یعنی تعریف کیا گیا ہے۔ اے یروشلم کی بیٹیو' یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب۔" (غزل الغزلات۔ باب 15)

دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ سرزمین مکہ میں داخل ہو کر پرچم توحید کو بلند کرنے کی سرفرازی آپ ﷺ کے سوا کس کو نصیب ہوئی تھی۔

فرمودہ سلیمانؑ:

محترم استاذی حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اپنی گرانمایہ تصنیف "نبی الخاتم" میں فرمودہ سلیمانؑ جو عبرانی زبان میں ہے، نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"خلو محمدیم زہ دو دی زہ دی۔"

"محمد ﷺ میرا مرکز محبت و ایمان ہے اور میں اس کے یروشلم آنے کی بشارت دیتا ہوں۔"

عبرانی اور اس کے عربی ترجموں میں اصل نام پاک "محمد" ہی آیا ہے لیکن بعد میں ترجمہ کرتے ہوئے اس نام مبارک کو چھپانے کی کوشش کی گئی اور اس کی بجائے "ستودہ" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ لیکن حقیقت معنوی صورت میں بھی روز روشن کی طرح ظاہر ہو کر رہی۔ کیونکہ ستودہ کے معنی بھی "محمد یعنی تعریف کیا گیا" ہی ہیں۔ (10)

غیر الہامی کتب اور مذاہب میں:

صحف سماوی کے علاوہ ہندوؤں اور دیگر مذاہب کی کتابوں میں بھی آپ ﷺ کی آمد اور آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔

☆ سام وید: "احمد نے اپنے رب کی طرف سے حکمت سے معمور شریعت کو حاصل کیا۔ اس بشارت کو دیکھتے ہوئے اس آفتاب کے نور سے سورج کی طرح روشن ہو رہا ہوں۔" (رشی دیتہ کنو، سام وید، پھاٹک 3، رشی 6، منتر 8)

☆ اتھر وید: "اے لوگو! احترام سے سنو! نراشستہ (یعنی لوگوں میں تعریف کیا گیا ساٹھ ہزار اور نوے دشمنوں میں اس امن پھیلانے والے کو ہم (حفاظت میں) لیتے ہیں۔"

"اس مہامح رشی کو سو دینار، دس مالائیں، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں دیں۔" (ترجمہ پنڈت کھیم کرن)

تشریح: "مہامح" یعنی تعریف کیا گیا۔ "عرومام" یعنی عربی گھوڑے ہندوؤں کی ایک اور مقدس کتاب۔ "دھرم اوتر کھنڈ" جو (1520) قبل مسیح کی بتلائی جاتی ہے اس کا ایک منتر حسب ذیل ہی:۔

"وہ مخلوقات سے نہیں ڈرتا ہوگا بہت ہی دلاور اور صاحب فہم ہوگا اور اس کا نام "مہامت" ہوگا۔"

اسی طرح ہندوؤں کی ایک اور کتاب "کلنکی پران" میں یہ پیشین گوئی موجود ہے:۔

"آخری زمانہ میں ایک اوتار پیدا ہوگا۔ اس کی پیدائش شمبل دیپ میں ہوگی اور اس کے والد کا وشنو میس اور اس کی والدہ کا نام سومتی ہوگا۔"

سنسکرت میں اوتار پیغمبر کو شمبل دیپ عرب دیس کو وشنو میس خالق کے بندے یعنی عبداللہ اور سومتی امن دینے والی کو کہتے ہیں۔

زمانہ جیسے ترقی کے منازل طے کرے گا اسی طرح محمد عربی ﷺ کے بارے میں غیر مذاہب کے اہل علم کی زبان سے بھی آپ ﷺ کی رسالت کا ناقابل تردید ثبوت دنیا کے سامنے خود پیش ہوتا جائے گا۔ چنانچہ بیسویں صدی نے اپنے گزر جانے سے قبل 1997ء میں آنے والی اکیسویں صدی اور اس کے بعد بھی تمام صدیوں کے لیے پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی ختم نبوت کی پیشین گوئیوں کا جن کا ہم نے پہلے اپنی اس کتاب میں اجمالاً ذکر کیا تھا اب روز روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے۔ یہ بھی ایک زندہ معجزہ ہے آپ ﷺ کی ابدی نبوت کا بھارت کے ایک نامور برہمن پنڈت وید پرکاش الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ تحقیق کی سربرآوردہ شخصیت ہیں جو تمام ویدوں اور ہندوؤں کی دیگر مقدس کتابوں کے محقق ہونے کے علاوہ سنسکرت زبان کے ایک ممتاز عالم بھی ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں ایک تحقیقی کتاب "کالکی اوتار" کے نام سے شائع کی ہے۔ لائق مصنف نے قدیم ترین ویدوں کی پیشین گوئیوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کا اطلاق صرف اور صرف رسول عربی ﷺ ہی کی ذات گرامی پر ہوتا ہے۔ آپ کی جزیرۃ العرب میں ولادت باسعادت' آپ ﷺ کے اعلیٰ حسب و نسب حتیٰ کہ آپ ﷺ کے نام نامی اور آپ ﷺ کے والد کے اسمائے گرامی' غار حرا میں نزول وحی کا ذکر وید مقدس میں موجود ہے جس میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ "کالکی اوتار" (تمام عالم کے رہنما پیغمبر) ایک تیز رفتار گھوڑے (براق) پر سوار ہو کر دنیا اور آسمانوں کی سیر کرے گا۔ آپ ﷺ کی صفات عالیہ کے بارے میں ویدوں کے حوالہ سے پنڈت موصوف یہ بھی بتلاتے ہیں کہ "کالکی اوتار" انتہائی بہادر' بہترین شہسوار' تلوار کا دھنی اور ماہر تیر انداز ہوگا۔ پنڈت وید پرکاش نے اپنی گراں قدر تصنیف کو بھارت کے آٹھ نامور پنڈتوں اور معروف مذہبی محققین کے سامنے پیش کیا۔

سب نے ان کی تحقیقات کو درست تسلیم کیا ہے۔ اپنی ان مقدس ویدوں کے حوالہ سے پنڈت وید پرکاش صاف صاف طور پر بتلاتے ہیں کہ "کالکی اوتار" جزیرۃ العرب میں چودہ سو سال پہلے شمشیر و سناں کے ساتھ شہسوار' اسپ دوراں بن کر نمودار ہوئے اور اس دور میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں سے باطل کو مغلوب کیا۔ موجودہ صدی چونکہ تباہ کن کیمیکل اور ایٹمی ہتھیاروں اور میزائلوں سے مسلح ہے اور ان سے زیادہ مہلک ہتھیاروں کے ساتھ آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس لیے اب اور آنے والی کسی بھی صدی میں ویدوں کی پیشین گوئی والے "کالکی اوتار" کی آمد ممکن نہیں۔ للذا وہ ہندو دھرم کے ماننے والے اپنے ہم مذہبوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اسی "کالکی اوتار" پر ایمان لاکر دین اسلام قبول کرلیں جن کی بشارت وید مقدس نے جناب مسیحؑ کی آمد سے بہت پہلے دنیا کو دے دی تھی۔ وہی خاتم النبیین ہیں۔

☆ بدھ مت: بدھ مت کی کتابوں کے حوالے سے ایک بدھ راہب نے لکھا ہے کہ گوتم بدھ نے بھی حضور ختمی مرتبت ﷺ کی آمد کی خوشخبری دنیا کو دی تھی۔ گوتم بدھ 488 قبل مسیح فوت ہوئے۔ جب ان کے دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو اس وقت ان کے پاس ان کا عزیز شاگرد نندا بیٹھا تھا۔ اس نے گوتم بدھ سے پوچھا:۔ "آقا آپ کے جانے کے بعد دنیا کو تعلیم کون دے گا؟" گوتم نے جواب دیا۔ "نندا میں پہلا بدھ نہیں جو دنیا میں آیا اور نہ میں آخری بدھ ہوں۔ اپنے وقت پر ایک اور بدھ آئے گا۔" نندا نے پھر پوچھا "مالک ہم اسے کس طرح پہچانیں؟" بدھ نے کہا "وہ متریا کے نام سے موسوم ہوگا۔" بدھ کو اوتار یا پیغمبر کہا جاتا ہے اور متریا کے معنی رحمت کے ہیں۔ اس طرح گوتم بدھ کی پیش گوئی کے مطابق آپ ﷺ دنیا میں "رحمت للعالمین" بن کر تشریف لائے۔(11)

دشمنوں کی شہادت:

آپ کی سچائی اور صداقت کا اعتراف نہ صرف اہل کتاب' غیرمذاہب کے پیروکار' بت پرست' کافر بلکہ آپ کے جانی دشمن کرتے چلے آئے ہیں۔ عربی کا ایک حقیقت افروز مقولہ ہے۔ "الفضل ما شھدت الاعدا" فضیلت اور برتری تو دراصل وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیں۔

سرداران قریش میں ابوسفیان کا شمار قبول اسلام سے قبل بدترین دشمنان رسالت مآب ﷺ میں ہوتا تھا۔ شرف اسلام سے قبل یہ بزرگ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے عالمگیر مشن کو ختم کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ سرگرم عمل رہے اور ان کے ترکش کا ہر زہرناک تیر سینہ اسلام میں پیوست ہونے کے لیے بے تاب نظر آتا ہے۔ مشرکین مکہ سے صلح حدیبیہ کے اہم موقع پر ابوسفیان بیت المقدس کے نواح غزہ میں امیر قافلہ تجار کی حیثیت سے مقیم ہیں۔ ان ہی دنوں رومن امپائر کا شہنشاہ قیصر جس کی سلطنت مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہے۔ شہنشاہ ایران خسرو پرویز کو شکست فاش دینے کے بعد اپنے دارالحکومت سے پورے شکوہ و جلال کے ساتھ بیت المقدس آیا ہوا ہے۔ جس کا تفصیلی ذکر مشہور مؤرخ گبن کی معرکتہ الآرا تصنیف "عروج و زوال رومن امپائر" (Rise And Fall Of Roman Empire) میں موجود ہے۔ ایسے میں بارگاہ نبوی کے قاصد حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی مکتوب رسالت مآب ﷺ لے کر عظیم قیصر روم کے دربار میں پہنچتے ہیں۔ قیصر نے اس سلسلہ میں استفسار کے لیے حکم دیا کہ اس کے سامنے کسی دیگر اہل عرب کو پیش کیا جائے۔ چنانچہ تعمیل حکم میں ابو سفیان جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دربار قیصر میں پیش کیے جاتے ہیں۔ شہنشاہ روم اپنے پورے ہیبت و جلال حشم و خدم، امیر عساکر، عمائدین سلطنت کے ساتھ اپنے پرشکوہ دربار میں تخت شاہی پر فروکش ہے۔ حکم ہوا ترجمان (Interpreter) پیش خدمت عالی ہو۔ ترجمان سجدہ تعظیم بجالاتے ہوئے حاضر دربار ہوا۔ اس کے بعد قیصر روم اور ابوسفیان کے درمیان ترجمان کے ذریعے جو مکالمہ ہوا اسے تاریخ نے محفوظ کرلیا۔ جو حسب ذیل ہے۔

قیصر نے ابوسفیان کے ہمراہیوں کو فہمائش کرا دی تھی کہ وہ اپنے سردار کے پیچھے رہیں۔ اگر اس نے کسی سوال کے جواب میں جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو اشارے سے شہنشاہ کو مطلع کردیں۔

سوال: قیصر: مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے

جواب: ابو سفیان: شریف ہے۔

☆ قیصر: درست! پیغمبروں کا تعلق خانوادہ شرافت ہی سے ہوتا ہے۔

سوال: کیا اس خاندان میں پہلے بھی کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہے یا بادشاہت کی

ہے؟

جواب: جی نہیں۔

☆ قیصر: اگر یہ بات ہوتی تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی اثرات کا نتیجہ ہے یا ہوس حکمرانی ہے کہ باپ دادا کا تخت و تاج حاصل کرنا چاہتا ہے۔

سوال: اس کے پیروان مذہب صاحب اثر لوگ ہیں یا کمزور؟

جواب: کمزور لوگ ہیں۔

☆ قیصر: پیغمبروں کے پیرو ابتدا میں کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔

سوال: اچھا یہ بتلاؤ کہ اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں یا کم؟

جواب: ان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

☆ قیصر: یہی ایمان کی نشانی ہے۔

سوال: کیا ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس دین کو ترک کر چکے ہیں؟

جواب: نہیں۔

☆ قیصر: ایمان تو یہی ہے کہ وہ ایک بار دل میں اتر جائے تو نشاط روح بن جاتا ہے۔

سوال: اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے کیا تم نے کبھی اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟

جواب: نہیں! کبھی نہیں۔

سوال: کیا وہ کبھی اپنے قول و قرار سے پھرا ہے؟

جواب: ابھی تک تو نہیں لیکن اس مرتبہ اس سے جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں اس سے وہ پھرتا ہے یا نہیں۔

☆ قیصر: پیغمبر عہد شکنی نہیں کیا کرتے۔

سوال: اس کے ساتھ کبھی تمہاری جنگ بھی ہوئی ہے؟

جواب: حضور کئی بار ہو چکی ہے۔

سوال: پھر اس کا نتیجہ کیا رہا؟

جواب: کبھی ہم کامیاب ہوئے اور کبھی وہ۔

سوال: وہ تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے؟

جواب: وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

باپ دادا کے طور طریق چھوڑ دو اور کہتا ہے کہ نماز قائم کرو' سچ بولو' پاک دامنی اختیار کرو اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

☆ قیصر: جو کچھ تم نے کہا وہ سچ ہے تو دیکھ لینا ایک دن وہ ضرور اس جگہ کا مالک ہوگا جو اس وقت میرے زیر قدم ہے۔ یہ بات میرے علم میں تھی کہ عنقریب ایک پیغمبر کا ظہور ہوگا۔ لیکن مجھے گمان نہ تھا کہ وہ اہل عرب سے ہوگا۔ میری تمنا ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ان کے پاؤں دھوتا۔ اس کے بعد اس نے حضرت دحیہ کلبیؓ سے کہا کہ مکتوب رسالت سنایا جائے۔ (12)

ابوجہل کا ہدیہ نعت:

حضور ختمی مرتبت ﷺ کے انقلابی اعلان نبوت کے ساتھ ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا عرب ہی آپ ﷺ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا ہے۔ ابوسفیان کی طرح ابوجہل بھی اپنی اور قبائل عرب اور اپنے حمایتیوں کی پوری طاقت کے ساتھ آپ ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش ہے۔ لیکن اسے بھی آپ ﷺ کی تکذیب کی جرات نہ ہو سکی۔ وہ یہی کہتا تھا تمہاری سچائی سے مجھے انکار نہیں لیکن ہمارے خداؤں سے بغاوت کا جو اعلان تم نے کیا ہے میں اسے نہیں مانتا۔ اس لیے اسلام قبول کرنے سے وہ معذور رہا۔ حضور ﷺ کے بارے میں جو باتیں اس کے گفتار' کردار و عمل کی وجہ سے دنیا کے سامنے ہیں ان کو جاوید نامہ میں علامہ اقبالؒ نے ابوجہل کی زبانی' پیرایہ نعت میں یوں پیش کیا ہے:۔

باز گو اے سنگ اسود باز گو — آنچہ دیدیم از محمد باز گو
از ہلاک قیصر و کسریٰ سرود — نوجوانان راز دست ما ربود
تا بساط دین آباد در نورد — با خداوندان ما کرد آنچہ کرد
مذہب او قاطع ملک و نسب — از قریش و منکر از فضل عرب
در نگاہ او یکے بالا و پست — باغلام خویش بر یک خواں نشست
احمران با آسوداں آمیختند — آبروئے دود مانے ریختند
اعجمی را اصل عدنانی کجا است — گنگ را گفتار سجانی کجا است
چشم خاصان عرب را گر دیدہ کور — برنیائی اے زہیر از خاک گور
اے تو مارا اندریں صحرا دلیل — بشکن افسون نوائے جبریل

اے ہبل اے بندہ را پوزش پذیر   خانہ خود را زبے کیشاں بگیر
پاش پاش از ضربتش لات و منات   انتقام از وے بگیرائے کائنات

اس نعت کا آزاد ترجمہ کچھ اس طرح ہو گا:۔

بول اے سنگ اسود بول! میری آنکھوں نے جس طرح محمد ﷺ کو دیکھا ہے' اسے کھول کر بیان کر۔ قیصر و کسریٰ کی ہلاکت کا اس نے کچھ ایسا صور پھونکا ہے کہ نوجوان ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے۔ ہمارے باپ دادا کے دین کی اس نے بساط الٹ کر رکھ دی ہے۔ ہمارے خاندان و معبود کے ساتھ اس نے وہ کچھ کیا ہے جو بیان میں نہیں آ سکتا۔ اس کا مذہب بھی عجیب مذہب ہے۔ جس نے ملک اور حسب نسب کی جڑ کاٹ دی ہے جو دوسری قوموں پر عربوں اور قریش کی برتری سے انکار کرتا ہے۔ اس کی نگاہ میں ادنیٰ و اعلیٰ' آقا و غلام سب برابر ہیں اور غضب یہ ہے کہ وہ خود بھی اپنے غلام کے ساتھ بیٹھ کر ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھاتا ہے۔ اس نے کالے گورے' سرخ و سیاہ کا امتیاز ہی مٹا دیا۔ اس طرح ہمارے خاندان کا عز و وقار خاک میں مل گیا۔ اس نے عجم کے بے زبانوں کو فصیحان عرب کے ہم پایہ کر دیا۔ عوام کا کیا رونا! خاصان عرب بھی اندھے ہو گئے۔ اس لیے اے زہیر! خاک گور سے اٹھ اور آ کر اس نوائے جبریل کا فسوں توڑ دے۔ اے میرے معبود ہبل! ان تہی دستوں سے اپنا گھر واپس چھین لے۔ پھر وہ روح کائنات سے فریاد کرتے ہوئے کہتا ہے' اس کی ضرب کاری نے لات و منات کو بھی پاش پاش کر دیا۔ اس لیے اے کائنات تو ہی اس باغی سے ہمارا انتقام لے۔

ابو جہل دراصل اپنے دور جاہلیت کا نمائندہ شخص ہے۔ وہ حسب نسب' رنگ و نسل' ملک و قوم' مال و منال' کلچر اور زبان کی بنیاد پر انسان کو ادنیٰ و اعلیٰ' کمتر اور برتر قرار دے کر ان میں فرق و امتیاز پیدا کرتا ہے۔ تاکہ استحصالی قوت زندہ رہے۔ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے آکر ان امتیازات کو مٹا دیا۔ معلم انسانیت ﷺ کی تعلیمات کی روشنی جب اندلس اور قرطبہ کی یونیورسٹیوں کے ذریعہ یورپ پہنچی تو وہاں کے مفکرین نے بھی ان غیر انسانی امتیازات کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جس کے نتیجہ میں میگنا کارٹا' ژاں ژاک روسو کا معاہدہ عمرانی (Socio Contract) امریکہ کا دستور آزادی معرض وجود میں آئے۔ آخر کار اس دور جاہلیت جدید میں ان فتنوں نے دوبارہ سر اٹھایا تو عالمی ضمیر نے محسوس کیا کہ دنیا میں امن و سلامتی اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ

مصنوعی امتیازات ختم نہیں ہو جاتے۔ اس لیے سال 1948ء میں اقوام متحدہ نے بھی ان ہی اصولوں میں سے چند اصولوں کو اپنا منشور بنا لیا جو سرور عالم ﷺ کے خطبہ حجتہ الوداع کی صدائے بازگشت ہے۔ ماضی سے قطع نظر اس صدی کے تجربات نے بھی یہ ثابت کر دیا کہ سوائے خلافت راشدہ اور اسلام کے قائم کردہ اداروں کے' اقوام عالم اور اس عالمی ادارے نے اپنے بلند و بانگ دعووں کے باوجود ان بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری نہیں کی' جسے انہوں نے اپنی تہذیب و تمدن اور چارٹر کا لازمی حصہ ظاہر کیا ہوا ہے' جو پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے چودہ سو سال قبل دنیا کو عطا کئے تھے جو حقوق انسانی کا اولین چارٹر ہے۔

اغیار کی حمد و ستائش:

آپ ﷺ کی سچائی اور صداقت کا اعتراف صرف عرب تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ ساری دنیا کے وہ تمام عظیم دانشور اور مفکر جو پیروان دین اسلام نہیں وہ بھی محمد ﷺ سرور عالم ﷺ کی عظمت و رفعت کے برملا اعتراف اور آپ ﷺ کی حمد و ستائش پر مجبور ہیں۔

کارلائل:

تھامس کارلائل اپنے مذہبی مسیحی تعصب کے باوجود اپنی شاہ کار تصنیف جو شہرت اور بقائے دوام پانے والے مشاہیر کے بارے میں (Heroes And Hero Worship) کے نام سے مشہور ہے حضور اکرم ﷺ کو ایک عظیم ترین یگانہ روزگار ہستی اور پیغمبروں کے سردار کی صورت میں جلوہ گر دیکھتا ہے اور آپ ﷺ کی بارگاہ قدس میں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

> "اور ایک شعلہ نور نمودار ہوا اور وہ بھی ایک ایسی بنجر سرزمین میں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس پر انسانی آزادی کے پنپنے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ لیکن ایسی سرزمین کے ذرہ ریگ کو آپ ﷺ نے طلوع آفتاب دیا جس سے مشرق و مغرب ہی نہیں آسمانوں میں افق تا افق روشنی پھیلتی چلی گئی۔ میں محمد(ﷺ) سے محبت کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ﷺ کے مزاج میں نام، نمود اور ریا کا شائبہ تک نہ

تھا۔ ان پاکیزہ صفات کی وجہ سے ہم ان کی بارگاہ عالی میں ہدیہ خلوص و تہنیت پیش کرتے ہیں۔"

نپولین:

یورپ کا عظیم ترین جنرل اور فرانس کا مطلق العنان حکمران نپولین بھی یہ اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکا کہ محمد(ﷺ) ہی دراصل دنیا کے سردار ہیں جن کے بارے میں جناب مسیحؑ نے (جن کا خود نپولین پیروکار ہے) دنیا کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ میرے بعد وہ دونوں جہانوں کا سردار آتا ہے۔

والٹیر:

فرانس کا عظیم اور منفرد صاحب طرز طناز اور حقوق انسانی کا علم بردار ادیب اور فلسفی آپ ﷺ کے بارے میں اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے:۔

"محمد سے بڑا انسان' انسانیت نواز دنیا کبھی پیدا نہ کر سکے گی۔"

ژاں ژاک روسو:

جس کی معرکتہ الآرا تصنیف میثاق عمرانی (Socio Contract) کو انقلاب فرانس کی انجیل سمجھا جاتا ہے۔ آپ کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"آپ ﷺ ایک روشن دماغ اور بلند مرتبت سیاسی بصیرت رکھنے والے انسان تھے۔ اور جو سیاسی نظام آپ ﷺ نے دنیا کو دیا ہے وہ نہایت عظیم الشان ہے۔"

برنارڈ شا:

برنارڈ شا جیسے عالمی شہرت یافتہ خود پرست و خود نگر اہل قلم نے جس کے مقام و مرتبہ سے کون واقف نہیں' برطانیہ جیسی جمہوریت پسند سرزمین سے یہ نعرہ بلند کیا کہ اگر پیغمبر اسلام کو آج کی دنیا کا ڈکٹیٹر بنا دیا جائے تو ساری دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے۔

ایچ۔ جی۔ ویلز

ایچ۔ جی۔ ویلز جسے پیغمبر سائنس کہا جاتا ہے اپنی گراں قدر تصنیف

(Out Line Of History) میں آپ ﷺ کی صداقت اور سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ جو آپ ﷺ کو سب سے زیادہ قریب سے جانتے تھے وہی سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ نے آکر دنیا میں ایسے معاشرے کی تشکیل کی جس میں ظلم اور سفاکی پیوند خاک ہو کر رہ گئی۔

ٹالسٹائی:

روس کے کونٹ ٹالسٹائی نے، جو "جنگ اور امن" (War And Peace) جیسی مایہ ناز کتاب کا مصنف ہے، آپ ﷺ سے اظہار عقیدت کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"آپ ؑ امت کو نور حق کی طرف لے گئے اور اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ امن و سلامتی کی دل دادہ ہو جائے۔ زہد و پاکیزگی کی زندگی کو اپنائے۔ آپ ؑ نے آکر انسانی خونریزی بند کی اور دنیا میں حقیقی ترقی اور تمدن کی راہیں کھول دیں۔ ایسے محیر العقول کارنامے صرف ایسی ہی ہستی انجام دے سکتی ہے جس کے ساتھ کوئی پوشیدہ طاقت کام کر رہی ہو اور بلاشبہ ایسی ہی ہستی عظمت و احترام کی مستحق ہے۔"

گوئٹے:

جرمنی کے مایہ ناز فلسفی شاعر گوئٹے نے آنحضور ﷺ کی بارگاہ قدس میں "نغمہ محمد" کے عنوان سے آپ ﷺ کے ہمہ گیر انقلاب آفریں اور جاوداں پیغام زندگی کے بارے میں جو نظم کہی ہے اس کا گوئٹے ہی کے رمز شناس ہم پایہ شاعر علامہ اقبال ؒ نے "پیام مشرق" میں آزاد ترجمہ کیا ہے۔ جس کے چند بند نذر قارئین ہیں:۔

دریائے پر خروش ز بند و شکن گذشت
از تنگ نائے وادی و کوہ و دمن گذشت
یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را
از کاخ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت
در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت
زی بحر بے کراں چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

ان اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

اب یہ ندی' ندی نہیں رہی
بلکہ دریائے پر خروش بن کر سارے بند توڑ چکی ہے
اب یہ تنگ راستوں کو خیرباد کہہ چکی ہے
شاہوں کے محل اور غریبوں کی جھونپڑیاں
امراء کے باغ اور دہقانوں کے کھیت
سب اس کے مرہون منت ہیں
ہر نیا زمانہ اس میں نئی زندگی لاتا ہے
اور یہ بے تاب و تند و تیز اور جگر سوز بے قرار
بحر بیکراں کی جانب مستانہ وار بڑھتی چلی جاتی ہے!
اپنے اندر یگانہ اور باقی سب سے بیگانہ!

کارلائل اسی گوئٹے کے حوالے سے نبی امی ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"اسلام کا مطلب راضی بہ رضائے الٰہی رہنا' یہ سمجھنا کہ ہماری قوت اسی کی کامل اطاعت میں مضمر ہے۔ وہ ہماری دنیا اور آخرت کے لیے جو چاہے کرے جو کچھ ہمارے لیے بھیجے خواہ وہ موت یا موت سے بھی کرب انگیز کوئی اور چیز ہو' وہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔ ہم اپنے آپ کو اسی کے حوالہ کرتے ہیں اگر اسی کا نام اسلام ہے تو کیا ہم سب مسلمان نہیں؟" (13)

مسز اینی بیسنٹ:

"جو شخص کسی ایسے ملک میں پیدا ہوا جس کا میں نے تذکرہ کیا ہے۔ جس کا ایسے لوگوں سے پالا پڑا ہو جن کے ناگفتہ بہ حالات کا میں نے نقشہ کھینچا ہے اور جس نے ان کو مہذب ترین بنا دیا' یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا کا رسول نہ ہو۔" (14)

ایلس مارگولیوتھ:

"پیغمبر اسلام ﷺ کی درد مندی کا دائرہ انسانوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ جانوروں

پر ظلم و ستم کرنے سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔"

ڈاکٹر لین پول:

"اگر محمد ﷺ سچے نبی نہ تھے تو کوئی نبی دنیا میں برحق آیا ہی نہیں۔" (15)

ہزہائی نس مہاراجہ نرسنگھ گڈھ:

"حضرت محمد ﷺ کی زندگی سراپا عمل اور ایثار کا مرقع ہے۔ آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت میں دنیا کی اصلاح فرمائی اور اپنی ان تھک کوششوں سے اسے جگمگا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کا نام ساری دنیا میں روشن اور تاباں ہے۔" (16)

رائے بہادر پنڈت مٹھن لال صدر آریہ سماج:

"حضرت محمد ﷺ نے جس وقت خدائے تعالیٰ ایک ہے کی پکار بلند کی تو اس وقت ہندوستان، ایران، عرب و عجم میں بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ بلکہ خدا کی ہستی سے لوگ انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مادہ ہی مادہ ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ نے حضرت کو فرمایا کہ ثابت کر دو کہ خدائے تعالیٰ واقعی موجود ہے۔" (17)

فاضل چیلو نکر سیکرٹری ہندو مہاسبھا:

"پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت ایک ایسے آفتاب عالم تاب کا ظہور تھا جس کی ضو فگن شعاعوں نے تاریکیوں اور ظلمت کو چشم زدن میں ختم کیا اور کائنات کو منور کر دیا۔ رسول عربی ﷺ نے سب سے پہلے توحید کی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی۔" (18)

مانگ تونگ پیشوائے اعظم بدھ مت:

"حضرت محمد ﷺ کا ظہور بنی نوع انسان پر خدا کی رحمت تھا۔ لوگ کتنا ہی انکار کریں مگر آپ ﷺ کی عظیم اصلاحات سے چشم پوشی ممکن نہیں۔ ہم بدھ مت کے پیروکار حضرت محمد ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔" (19)

شری متی کملا دیوی:

"اے عرب کے مہا پرش (عظیم پیغمبر) آپ مہا سندر من موہن (بے انتہا حسین اور میرے دل کے محبوب) ہیں۔ جن کی سکشا (ہدایت) سے مورتی پوجا مٹ گئی اور ایشور

بھگتی (خدا پرستی) کا دھیان پیدا ہوا۔ یہ آپ ﷺ ہی کی کرپا تھی کہ عرب دیش کے ظالم ڈاکو اعلیٰ درجے کے مہنت اور سادھو بن گئے۔ اے مہا سندر رشی (بہت ہی خوبصورت نبی) میں آپ کے نام کی مالا جپتی ہوں کہ آپ ﷺ نے عورت کی مٹی ہوئی عزت کو بچا لیا' اس کو اس کے حق دلائے' بولو شری محمد کی جے۔" (20)

ہند کے ماہر تعلیم مسٹر بی ایس کشالپہ:

"مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ بلاشبہ محمد(ﷺ) ایک سچے پیغمبر تھے۔ اس سچے محمد ﷺ کے بارے میں اس سے پہلے میرے دل میں جس قدر بدگمانیاں تھیں' میں روح محمد(ﷺ) سے اس کی معافی چاہتا ہوں اور بلامبالغہ اور علی الاعلان کہتا ہوں کہ آج دنیا میں کسی شخص میں یہ طاقت نہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے کریکٹر پر ایک دھبہ بھی لگائے۔" (21)

پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق:

میں حضرت محمد(ﷺ) پیغمبر اسلام کی بعثت کو ان کی شخصیت اور ان کے کارنامہ ہائے زندگی کو تاریخ کا ایک معجزہ سمجھتا ہوں۔" (22)

فراق ہی کا ایک شعر ہے جو اس کی عقیدت کا مظہر ہے:۔

معلوم ہے کچھ تم کو محمد ﷺ کا مقام
وہ امت اسلام میں محدود نہیں

پنڈت امرناتھ زتشی دیال:

"سیرت نبوی ﷺ کو بغور دیکھنے سے یہ بات بہ آسانی ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ پیدائش سے لے کر وفات تک ہر حال میں آنحضرت(ﷺ) کو تائید غیبی حاصل رہی ہے جو لازمہ نبوت ہے۔" (23)

پنڈت ہردے پرشاد:

"اگر کوئی مجھ سے دریافت کرے کہ حضرت محمد ﷺ کون تھے' تو میں اس کے جواب میں برملا کہوں گا کہ آپ ﷺ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے بزرگ پیغمبر' توحید کے علمبردار' حقانیت کے طرفدار' سچائی کے دلدادہ اور ایشور کے پرستار تھے۔ آپ ﷺ

کی اصلاح قابل داد تھی اور تاقیامت یاد رہے گی۔" (24)

بھگت راؤ سینئر ایڈووکیٹ:

"شری رام چندر جی' بھگوان شری کرشن جی' گورو نانک دیو جی' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ یہ سب روحانی بادشاہ تھے اور میں کہتا ہوں ان میں ایک روحانی شہنشاہ بھی ہے جس کا مقدس نام محمد ﷺ ہے۔ جس کے معنی ہی "مہما" تعریف کیا گیا ہے اور جس کی پوتر لائف کے متعلق بہت کچھ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک ریفارمر نے آکر دنیا میں بہت کچھ کیا مگر حضرت محمد ﷺ نے دنیا پر اس قدر احسانات کئے ہیں' جن کی مثال نہیں مل سکتی۔" (25)

پروفیسر چمپو پتی:

مسلمانوں سے تعصب کے باوجود اسے بھی یہ تسلیم کرنا پڑا' "حضرت ﷺ کے دل کی آواز قرآن کی آیات ہیں۔ حضرت کی پاک اولو العزمیوں کا اندازہ لگانے کے لیے حضرت ﷺ کی کتاب کی شعلہ بیانیوں سے ان کے زندہ پیغام کو اخذ کرنا ضروری ہے۔" (26)

راج پال:

رسوائے زمانہ آریہ لیڈر راج پال اپنی زہرناکیوں اور فتنہ انگیزیوں کے باوجود حضور ﷺ کی عائلی زندگی کے بارے میں یہ کہنے پر مجبور تھا۔

"محمد ﷺ کا پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا۔ یہاں تو آریہ سماجیوں کو ماننا ہوگا کہ محمد ﷺ نے شاستر کے مطابق زندگی کا پہلا حصہ مجرد رہ کر گزارا۔ وہ برہمچاری تھے اور ان کا حق تھا کہ شادی کریں۔ معیار خانہ داری کے پچیس برس وہ ایک ہی بیوی پر قانع رہے اور وہ بھی دو خاوندوں کی بیوہ جو نکاح کے وقت چالیس برس کی اور انتقال کے وقت پینسٹھ برس کی تھیں۔ اس بوڑھی عورت سے اس جوان مرد نے نباہ کی۔ یہ بات محمد ﷺ کی پاکیزہ زندگی پر دلالت کرتی ہے۔" (27)

گاندھی جی:

ہندوستان کے چوٹی کے ہندو راہنما گاندھی جی کا پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ تھا، جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا:۔

"جب مغرب جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا تو آسمان مشرق سے ایک درخشاں اور روشن ستارہ طلوع ہوا جس نے ساری مضطرب دنیا کو راحت اور روشنی بخشی۔ بلاشبہ آپ ﷺ ساری دنیا کے روحانی پیشوا تھے اور آپ ﷺ ہی کی تعلیمات کو میں سب سے بہتر سمجھتا ہوں۔ کسی روحانی پیشوا نے خدا کی بادشاہت کا ایسا جامع اور مانع پیغام اس کے بندوں تک نہیں پہنچایا جو آپ ﷺ نے آ کر پہنچایا ہے۔" (28)

ریورینڈ جارج:

عیسائیوں کے مذہبی پیشوا بائبل کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

"حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ کی شان میں بڑی بات بائبل مقدس میں لکھی ہوئی ہے کہ اس قوم کی بزرگی ہے جس میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوں گے۔ حضرت اسحاقؑ کی نسل سے یسوع مسیحؑ پیدا ہوئے۔" (29)

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا:

جو یہودی اور عیسائی مصنفین و مفکرین کی عرق ریزی اور برس ہا برس کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے اس میں بھی غیر شعوری تعصب کے باوصف پیغمبر اسلام ﷺ ہی کو دنیا کے تمام پیغمبروں میں کامیاب ترین پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے۔

انگلش ڈکشنری آف آکسفورڈ اور انگریزی کی تمام ڈکشنریوں میں (The Prophet) "النبی" کے معنی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ کسی اور پیغمبر کے لیے یہ لفظ نہیں آیا۔

مائیکل۔ ایچ۔ ہارٹ:

اب ہم آخر میں امریکہ کے معروف اور ممتاز مصنف مائیکل۔ ایچ۔ ہارٹ کی مشہور زمانہ کتاب

"The Hundred, A Ranking Of Most Influential Persons' History"

(سو بلند ترین ہستیاں جنہوں نے تاریخ میں موثر کردار ادا کیا) جو دور حاضر کی تازہ ترین تصنیف ہے' کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں' جس میں اس قابل قدر کتاب کے لائق اور فاضل مصنف نے دنیا کی ان تمام منتخب روزگار شخصیتوں میں پیغمبر اسلام (علیہ الصلوۃ و السلام) کو دنیا کا عظیم ترین انسان قرار دیتے ہوئے ان سب میں آپ ﷺ کو سرفہرست رکھا ہے اور جناب مسیح کو جن کا وہ خود پیروکار ہے' تیسرے نمبر پر رکھتے ہوئے اس کی توجیہہ اس طرح کی ہے:۔

> "محمد(ﷺ) کو دنیا کے عظیم انسانوں میں سرفہرست رکھنے سے بعض قارئین کو یقیناً حیرت ہو گی اور بعض بلاشبہ ایسے بھی ہوں گے جنہیں اعتراض ہو گا لیکن عالمی تاریخ میں صرف محمد ﷺ ہی ایک ایسی شخصیت ہیں جو دینی اور دنیوی لحاظ سے کامیابی اور کامیابی کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔"

اگر دنیا کے غیر مسلم رہنماؤں' مفکروں' دانشوروں کے آپ ﷺ کے بارے میں افکار اور تذکار کو جنہیں تاریخ کے ہر دور نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے جمع کر لیا جائے تو وہ سب آپ ﷺ کے پرتو عظمت کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہو گی۔ ہم نے یہ چند اقتباسات اس لیے پیش کئے ہیں کہ آپ ﷺ کے انتہائی فضل و کمال اور بلند سیرت و کردار کی تعریف کے علاوہ آپ ﷺ کے اسم مبارک "محمد ﷺ" اور "احمد ﷺ" کی معنوی تصدیق آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے بعد سے آج تک ہر زمانہ میں صرف آپ ﷺ کے ماننے والوں ہی نے نہیں بلکہ اغیار اور آپ ﷺ کے دشمنوں تک نے کی ہے۔ یہ سلسلہ ابد تک جاری رہے گا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم

عظمت و شان رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

ثنا خواں پیمبر ﷺ شاعر شیریں سخن جناب جامیؒ نے جب یہ مصرعۂ گہربار "ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ" رقم کیا تھا' اس وقت ان کے پیش نظر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا وہ حسن کلام یقیناً موجود ہو گا جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بارے میں فرمایا تھا: "کان خلقه القرآن" آپ ﷺ کا حسن خلق ہی سراپا قرآن ہے جس کا ایک ایک حرف اس کی صداقت پر شب و روز گواہی دیتا چلا آ رہا ہے۔ دراصل یہی وہ آئینہ ہے جس میں آپ ﷺ کی ہمہ جہت' ابدی اور عالم گیر شخصیت اپنے پورے آب و تاب اور جمال و جلال کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ آپ کی فضیلت و مرتبت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو گا کہ خود کلام الٰہی آپ ﷺ کی ذات گرامی پر اتارا گیا جبکہ جناب موسیٰ علیہ السلام جو خود بھی صاحب کتاب و صاحب شریعت پیغمبر ہیں اور جن کی جلالت شان کا انبیائے بنی اسرائیل میں اور کوئی پیغمبر نظر نہیں آتا' انہیں بھی الواح ربانی حاصل کرنے کے لیے وادی سینا سے گزر کر کوہ طور کی چوٹیوں پر جانا پڑا لیکن حضور ختمی مرتبت ﷺ کی شان اور مقام ہی کچھ اور ہے۔ اگر آپ ﷺ شبستان حرا میں خلوت گزیں ہیں تو جبریل امین کلام الٰہی لے کر وہیں اتر رہے ہیں۔ آپ ﷺ سرزمین مکہ میں ہوں یا سواد مدینہ میں' قرآن مہبط وحی ﷺ تک خود وہیں پہنچ رہا ہے۔ اور آپ ﷺ کے ایک ایک لفظ اور آپ کے ہر ہر عمل کی تصدیق کرتا جا رہا ہے اور لاریب آج بھی کہہ رہا ہے:

وما ینطق عن الھوی ○ ان ھو الا وحی یوحیٰ ○

(سورہ النجم 3-4)

وہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے'
یہ تو ایک وحی ہے جو ان ﷺ پر نازل کی جاتی ہے۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ

(سورہ الانفال 18)

اور تم نے نہیں (مٹھی بھر ریت ہاتھ میں لیکر کفار کی طرف) پھینکی
تھی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔

اور پیغمبر کا ہاتھ دراصل ہمارا ہی دست قدرت ہے' جس کو مولانائے روم اور علامہ

اقبال نے زبان شعر میں یوں کہا ہے:

گفتہ او گفتہ اللہ بودہ   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
(رومیؒ)

اور

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشاو کو کارساز
(اقبالؒ)

ارتفاع ذکر:

ہم یہاں ان ہی آیات قرآن کو پیش کریں گے جن کا تعلق براہ راست حضور رسالت مآب ﷺ کی شان عظمت و جلال اور آپ ﷺ کے علو مرتبت اور آپ ﷺ کے ادب و احترام سے ہے۔

سورۃ الم نشرح میں آپ ﷺ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "ورفعنالك ذكرك"(1) "اور ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کے آوازۂ ذکر کو بلند کیا۔" اور یہ ذکر اتنا بلند ہوا کہ کون و مکان کی ساری رفعتیں اس کے سامنے پست ہو کر رہ گئیں۔ ارض و سموات میں اسی ذکر کا غلغلہ بلند ہوا۔ یہ فرش زمین سے بلند ہو کر عرش بریں اور عرش معلیٰ تک پہنچ گیا۔ لوح و قلم اسی ذکر کے لیے وقف کر دیے گئے۔ مقام محمود "عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا"(30) "احمد" و "محمد" علیہ الصلوۃ والسلام کی شان رفعت کا مظہر ٹھہرا۔ یہ رتبہ بلند کل کائنات میں سوائے آپ ﷺ کے نہ کسی اور کو نصیب ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ آپ کی رفعت ذکر کے بارے میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبریل امینؑ تشریف لائے اور فرمایا: "میرا اور آپ ﷺ کا رب پوچھتا ہے کہ اس نے کس طرح آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا۔" حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" اس پر جبریلؑ نے کہا، باری تعالیٰ نے فرمایا ہے: "جب میرا ذکر کیا جائے گا تو اس کے ساتھ ساتھ آپ کا بھی ذکر ہو گا۔" اس روشن حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اس کلمہ گیتی نورد "لا الہ" کی تکمیل ہی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ "اسم محمد ﷺ" اس میں

شامل نہ ہو۔ زبان و مکان کا وہ کونسا ایسا گوشہ' وہ کونسی ایسی ساعت اور وہ کون سا ایسا لمحہ ہے جو ذکر حضور ﷺ سے خالی ہے۔ اس عالم شش جہات کے گوشہ گوشہ میں گردش زمین کے ساتھ ساتھ ہر بانگ اذاں میں آپ ﷺ کا نام نامی بلند ہو رہا ہے۔ کوئی نماز آپ ﷺ پر سلام اور درود بھیجے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ ایک مسلمان کی پیدائش کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے ساتھ آپ ﷺ کی رسالت کی صدائے دل نواز بھی بانگ تکبیر کے ساتھ بلند ہو کر اس کے کانوں میں گونجتی اور اس کے دل و دماغ' رگ و پے اور اس کے شعور اور لاشعور میں اتر جاتی ہے۔ اس لیے مسلمان دنیا کے کسی خطہ میں' مشرق ہو یا مغرب' شمال ہو یا جنوب غرض کہ جہاں کہیں بھی اور جس جگہ بھی ہوں آپ ﷺ ہی کا کلمہ پڑھتے اور آپ ﷺ ہی پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

یہ کائنات دہر کیا اور اس کی بساط ہی کیا ہے۔ سارے عالم لاہوت و ملکوت اور فلک الافلاک بھی ذکر حبیب ﷺ میں مشغول ہیں۔ خود خالق کائنات اور اس کے تمام ملائکہ مقربین آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ سورۃ احزاب میں فرمایا:

ان اللہ وملئکۃ یصلون علی النبی۔ یاایھا الذین امنو صلوا علیہ و سلموا تسلیما۔" (سورہ احزاب:31)

"اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر رحمت و درود بھیجتے ہیں۔
اے اہل ایمان تم بھی ان ﷺ پر درود و سلام (کی سوغات) بھیجو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے سے انسان کمال کی اس انتہا کو پہنچ جاتا ہے جس کا ادراک بھی ذہن انسانی پوری طرح نہیں کر سکتا۔ انسان دائرہ بشریت سے آگے بڑھ کر نہ صرف ملائکہ کے دائرہ نور میں داخل ہو جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بلند تر ہو کر منتہائے کمال یعنی الوہیت اور حظیرۃ قدس کے اس دائرہ عمل میں اسے شرف باریابی حاصل ہوتا ہے' جہاں سے درود و صلوۃ اور انوار رحمت کی بارش ہو رہی ہے۔ اس طرح انسان نہ صرف ملائکہ مقربین اور روح الامین کا ہم زبان ہو جاتا ہے بلکہ اسے ذات حق کے ترجمان ہونے کا شرف بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی لائق توجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے لیے خالق کائنات نے اپنا اسم ذات استعمال کیا ہے' جس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ درود و سلام کا تعلق جلوہ گہ صفات سے بلند ہو کر براہ راست حریم ذات سے ہے۔

معراجِ نبوّت

نبوت بشریت کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور جب نبوت اپنے نقطہ عروج و کمال پر پہنچ جائے تو پھر یہ ذات مصطفوی ﷺ میں جلوہ گر ہوتی ہے' جس میں زمان و مکان اور لامکاں کی ساری وسعتیں سمٹ کر آ جاتی ہیں۔ یہی وہ مقام معراج نبوت ہے جس کے زیر قدم سدرۃ المنتہیٰ ہے' جہاں پر سارے حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں اور جہاں شب اسریٰ کے مہمان گرامی نے جمال الوہیت کو بے نقاب دیکھا' وہاں آپ ﷺ کو حق سبحانہ تعالیٰ سے براہ راست شرف ہم کلامی حاصل ہوا۔ اس ذکر جمیل کو سورۃ النجم کی آیات اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہیں۔

یہ وہ شرف ہے جو کسی اور پیغمبر کو نصیب نہ ہوا۔ جناب موسیٰؑ جیسے بلند مقام پیغمبر بھی جلوۂ صفات تک کی تاب نہ لا سکے۔ اس حقیقت کو ملا جمالی نے زبان شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

موسیٰؑ ز ہوش رفت بہ یک پرتو صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمے

یہ صاحب قاب قوسین ہی کا ظرف بے کراں ہے کہ تمام کائنات ارض و سما اور سارے عالم خلق و امر کے اسرار و رموز اور حقائق پنہاں کو بے حجاب دیکھتے ہوئے مقام کبریا تک پہنچ کر اس کی ساری فیوض و برکات کو اپنی ذات اور اپنے گھرانے تک محدود کرنے کی بجائے ان فیض بخشیوں کو سارے عالم بشریت کے گھر گھر پہنچانے کے لیے آپ ﷺ نے پھر اسی عالم آب و خاک میں مراجعت فرمائی۔ جس کی بدولت حیات و کائنات کی تقدیر بدل گئی اور انسانوں کو نہ صرف حیات و کائنات اور حریم ذات کے باہمی ربط و تعلق کا شعور نصیب ہوا بلکہ اس پر عروج و ارتقا کے درباز ہو گئے۔ تخلیق و تسخیر اور تصرف کائنات کے اختیارات سے ابن آدم سرفراز ہوا۔ اس لیے وہی ہستی جس کی بدولت انسان کو یہ سارے انعام و اکرام نصیب ہوئے' ہر فرد بشر کے عزت و تکریم کی سزاوار ہو سکتی تھی۔ اسی لیے تاجدار نبوت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انا ارسلنك شاهداً و مبشراً و نذيراًO لتومنوا بالله و رسوله و تعزروه وتوقروه و تسبحوه بكرة و اصيلاً

(سورۃ الفتح آیت 7، 8)

"اے نبی ﷺ! ہم نے آپ ﷺ کو شاہد و بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، اس کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اپنے رب کی پاکی بیان کرتے رہو۔"

آپ ﷺ کی شان رسالت میں تنذیر و تبشیر کو اس لیے یک جا کر دیا گیا کہ دونوں کی اصل ایسی شفقت و رحمت ہے جو ساری انسانیت کے دامن مراد کو ایمان کی دولت لازوال سے بھرنے کے لیے مضطرب اور بے قرار ہے اور جو ایمان لے آئیں ان کے لیے پیغمبر کا وجود سراپا رحمت و رافت ہے۔ اسی لیے فرمایا:

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رءوف رحیم○

(سورۃ توبہ: 128)

"تمہارے پاس اللہ کا رسول ﷺ آگیا ہے جو تمہیں میں سے ہے، تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کا خواہش مند ہے اور مومنوں کے لیے شفقت رکھنے والا اور رحمت والا ہے۔"

آداب دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وہ ہستی جو ساری انسانیت کے لیے واجب الاحترام ہے اس کے دربار رسالت میں جو تاابد قائم و دائم رہے گا۔ ادب و احترام، گفتگو اور تخاطب کے آداب بھی قرآن مجید نے اہل ایمان کو سکھلائے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی تو صریحاً کفر ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کسی قسم کے سوء ادبی بھی غارت گر اعمال اور اعلان کفر ہے۔

یاایھا الذین امنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون○

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئٹ الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ۔ لھم مغفرۃ واجر عظیم○

(سورۃ الحجرات، آیت 2، 3)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی آواز کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اونچی آواز کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال غارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔"

اس سے قبل یہ ارشاد فرمایا:

یاایھا الذین امنو لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم○

(الحجرات، آیت 1:)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے پیش قدمی نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

سورۃ الحجرات کا موضوع ہی اہل ایمان کو آداب دربار رسالت کی تعلیم دیتا ہے۔ سب سے پہلے مسلمانوں کو واضح طور پر یہ حکم دیا جارہا ہے کہ وہ تمام معاملات میں احکام الٰہی کی تعمیل اور اللہ کے رسول ﷺ کا مکمل طور پر اتباع کریں اور ان کو دل و جان سے اپنا رہنما بناکر ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کے پیچھے پیچھے چلیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اہل ایمان کو اطاعت رسول ﷺ کا پابند کر دیا اور اطاعت رسول ﷺ کو اطاعت الٰہی قرار دیا۔ اطاعت رسول ﷺ کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہر ہر قدم پر آپ ﷺ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا جائے۔ وگرنہ آپ ﷺ کی جناب میں کسی قسم کی بے ادبی بارگاہ الوہیت میں بے ادبی تصور ہوگی۔ جب کسی مسلمان سے ادب و احترام رسول ﷺ ختم ہو جائے تو اس کے بعد نہ اس کا ایمان باقی رہے گا اور نہ ہی اس کا عمل۔ اس طرح اس کے سارے اعمال غارت ہو کر رہ جائیں گے اور وہ سرحد کفر میں داخل ہو جائے گا۔

سورۃ الحجرات کی یہ آیات اہل ایمان کو دربار نبوت میں نرم دم گفتگو ہونے کی تعلیم دیتے ہوئے یہ وعید بھی سنا رہی ہیں کہ حضور رسالت مآب ﷺ سے ارتفاع صوت اور بلند کلامی کا انجام کار "حبوط اعمال" ہے، جو کفر اور شرک کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر یہ بتلایا گیا ہے کہ کفر اور شرک دراصل نتیجہ ہیں حبوط اعمال کا۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں فرمایا:

ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله وهو فی الاخرة من الخاسرین۔ (المائدہ: 5)

"اور جو کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا۔"

ولو اشر کو لحبط عنهم ما کانو یعملون۔

(الانعام: 88)

"لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔"

لئن اشرکت لیحبطن عملك۔

(الزمر: 65)

"اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا۔"

ان کے علاوہ متعدد آیات اور بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفر کی سزا سے اگر کوئی دنیا میں بچ بھی جائے تو آخری عدالت الٰہی میں اسے پوری پوری سزا مل کر رہے گی اور شرک تو خدا کے نزدیک ناقابل معافی جرم ہے۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب رسالت مآب ﷺ میں تیز اور بلند آواز سے گفتگو غیر شعوری طور پر بھی بے ادبی ہے جو غارت گر اعمال ہونے کے سبب کفر اور شرک ہے۔

اپنی معرکتہ الآراء تصنیف "الصارم المسلول" جو شاتم رسول ﷺ پر فی الواقع چمکتی ہوئی تلوار ہے، میں اسی آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"جب ایسی تکلیف و استخفاف جو بلا قصد ہونے کے باوجود سوء ادب اور کفر میں داخل ہے تو پھر جو استخفاف اور تکلیف جو عمداً اور بالقصد کی جائے تو اس کے صریحاً کفر ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے یہ تو بطریق اولیٰ کفر شمارہ ہو گا۔ (32)

اسی آیت "لا ترفعوا اصواتکم....." کی تفسیر کرتے ہوئے ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الجامع لاحکام القرآن" میں لکھتے ہیں:

"اس آیت میں جس بلند آواز سے منع کیا گیا ہے وہ ایسی بلند آواز نہیں جس کا مقصد آنحضور ﷺ کا استخفاف و اہانت ہو کیونکہ ایسی بلند آواز تو کفر ہے اور یہ خطاب بھی اہل ایمان سے ہے۔ جن کے لیے آپ ﷺ کی ذات گرامی اصل ایمان بلکہ عین ایمان ہے کیونکہ آپ ﷺ ہی سراپا دین ہیں۔ اسی لیے تو علامہ اقبال نے کہا ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

قاضی ابوبکر ابن العربی اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات اقدس وصال کے بعد بھی اسی طرح تحریم و تکریم کے لائق ہے جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کی تعظیم کی جاتی رہی ہے۔"

آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو آج بھی وہی حرمت و عظمت حاصل ہے جو انہیں آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں حاصل تھی۔ نطق پیغمبر چونکہ وحی الٰہی ہے اس لیے آپ ﷺ کا کلام بھی قرآن مجید کے کلام کی طرح قابل احترام ہے۔

اسی آیت کی روشنی میں علمائے تفسیر و حدیث ہمیں بتلاتے ہیں کہ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی آپ ﷺ کا کوئی حکم یا آپ ﷺ کی کوئی حدیث سنائی جائے اسے خاموشی اور احترام سے سنا جائے اور ایسی محفل میں تیز اور باآواز بلند گفتگو سے احتراز کیا جائے۔

سورہ الحجرات کی اگلی آیت "لا تجھروا لہ بالقول" کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسی اپنی مستند کتاب "روح المعانی" میں لکھتے ہیں:

> "یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ آنحضور ﷺ کو کسی قول یا فعل کے ذریعہ تکلیف پہنچانا کفر ہے، جس سے انسان کے تمام اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اعمال سے بھی منع فرمایا گیا جس سے آپ کو اذیت پہنچنے کا احتمال ہو۔" (33)

اس سے اگلی آیت میں ایسے اہل ایمان کا ذکر ہے جو بارگاہ رسالت ﷺ میں بات کرتے ہوئے ادب و احترام کے پیش نظر اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو امتحان اور آزمائش کے دشوار مراحل سے گزر کر معیار تقویٰ پر پورے اترے ہیں۔ نزول کتاب کا مقصود ہی اہل تقویٰ کی ہدایت اور رہنمائی ہے۔ اور اللہ کے نزدیک مستحق تکریم اور لائق عزو شرف صرف وہی شخص ہے جو صاحب تقویٰ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انسان کا معیار فضیلت یا معیار تقویٰ، ادب و احترام رسول ﷺ ہے۔ اور وہ لوگ جو ادب و احترام رسول ﷺ کو شعوری یا غیر شعوری طور پر ملحوظ نہیں رکھتے، وہ متاع ایمان و تقویٰ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے وہ پھر کسی عزت و تکریم کے مستحق نہیں ہوتے بلکہ بارگاہ خداوندی میں ذلیل اور رسوا ہوتے ہیں۔

سورۃ نور میں پیغمبر ﷺ کے حفظ مراتب اور آداب گفتگو کی تعلیم دیتے ہوئے حکم دیا گیا۔

لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا

"تم لوگ اپنے درمیان رسول ﷺ کے بلانے کو آپس میں ایک

دوسرے کو بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔"

تفسیر آیت: مسلمانو تم پر واجب ہے کہ تم پیغمبر ﷺ کی عزت و تکریم، تعظیم و توقیر کرو۔ آپ ﷺ کے حفظ و مراتب کا خیال رکھو اور آپ ﷺ کی موجودگی میں اپنی آوازوں کو پست رکھو اور آپ ﷺ کو نبی اور رسول اللہ جیسے الفاظ سے مخاطب کرو۔" (34)

اس حکم کی تعمیل سے انحراف کو بھی توہین نبوت اور کفر قرار دیا گیا ہے۔ ایمان لانے کا اقرار کرنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول اور آیات الٰہی سے استہزا کرنے والوں کو قرآن نے کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ توبہ کی 65 ویں آیت میں ان گستاخان نبوت سے پوچھا جا رہا ہے:

"کیا تم اللہ کے ساتھ اس کی آیتوں اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟ بہانے نہ بناؤ! حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایمان کے اقرار کے بعد پھر کفر کیا۔"

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اپنی اسی گراں مایہ تصنیف "الصارم المسلول" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس آیت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ، آیات الٰہی اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کفر ہے، تو پھر وہ سب و شتم جو حضور ﷺ کی شان میں قصداً ہو وہ تو کھلا کفر ہے اور یہ آیت اس امر پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے کہ جس کسی نے بھی جناب رسالت مآب ﷺ کی تنقیص و اہانت قصداً کی یا ہنسی مذاق میں کی، بہرصورت وہ کفر ہے۔" (35)

قاضی ابوبکر ابن العربی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"منافقین نے جو کچھ کہا اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو یہ (اہانت و تضحیک) بالقصد ہوگی یا پھر بطور استہزا۔ ہر دو حالتوں میں یہ کفر ہے کیونکہ کلمات کفر کے ساتھ تضحیک و استہزاء بھی کفر ہی ہے۔" (36)

باب اول

کتابیات

(۱) القرآن ۷: ۱۵۷

(۲) تورات استثناء باب: ۱۸

(۳) القرآن ۲: ۱۲۹

(۴) القرآن ۶۱: ۶

(۵) انجیل یوحنا باب ۱۴: ۲۵

(۶) انجیل یوحنا باب ۱۶: ۱۲

(۷) محمد بن اسحاق۔ سیرۃ الرسول ﷺ

(۸) سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ تفہیم القرآن ج۔ ۵) ص ۴۶۷

(۹) القرآن ۲: ۱۶۴

(۱۰) سید مناظر احسن گیلانی۔ النبی الخاتم ص: ۳۰

(۱۱) النبی الخاتم ص۔ ۲۷۔ ۲۸

(۱۲) صحیح البخاری۔ تاریخ الطبری

(۱۳) تا ۲۹۔ نقوش رسول نمبر ج۔ ۴، ص ۴۴۹۔ ۴۷۹

(۳۰) القرآن ۱۷: ۷۹

(۳۱) القرآن ۳۳: ۵۶

(۳۲) امام ابن تیمیہ، الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ ص۔ ۵۶

(۳۳) علامہ آلوسی البغدادی۔ روح المعانی۔ ج ۲۶، ص ۱۳۶

(۳۴) علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری۔ ج ۹، ص۔ ۴۱

(۳۵) الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص۔ ۶۰۔ ۷۱

(۳۶) قاضی ابوبکر ابن العربی ج ۲۔ ص ۹۶۵

باب دوم

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(قرآن کی روشنی میں)

وہ لوگ جو اس برگزیدہ' معصوم اور منزہ عن الخطا اور محبوب کبریا ہستی کو ذہنی یا جسمانی کسی قسم کی بھی اذیت پہنچائیں ان کے بارے میں قرآن مجید کا واضح حکم موجود ہے:

ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلھم عذابًا مھینا۔ (1)

"بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی طرف سے پھٹکار ہے اور ان کے لیے رواکن عذاب مہیا کر دیا گیا ہے۔" (4)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ اذیت رسول' اذیت الہٰی بھی ہے اور اس کے لیے رسوا کن عذاب کا اعلان ہے۔ عذاب الہٰی جو اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال کا مظہر ہے' کی کئی قسمیں ہیں اور قرآن مجید میں ہماری تحقیق کے مطابق 332 جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔ مجرد عذاب 111 مرتبہ' عذاب الیم 77 مرتبہ' عذاب شدید 26 مرتبہ اور عذاب مہین 14 مرتبہ' عذاب عظیم 14 مرتبہ' عذاب النار 9 مرتبہ' سوء العذاب 9 مرتبہ' عذاب جہنم 7 مرتبہ' عذاب اللہ 6 مرتبہ' عذاب حریق' عذاب مقیم' عذاب الخزی' پانچ پانچ مرتبہ' عذاب الاخرۃ 8' عذاب سعیر' عذاب غلیظ' عذاب یوم عظیم چار چار مرتبہ' عذاب الھون' عذاب الخلد' عذاب الغافین تین تین مرتبہ' عذاب قریب' عذاب اکبر' عذاب نکرہ دو دو مرتبہ اور عذاب العذاب' عذاب فی الحیاۃ' عذاب غیر مردود' عذاب ادنیٰ' عذاب حمیم' عذاب صعد' عذاب کبیر' عذاب المستقر اور عذاب السموم ایک ایک مرتبہ آیا ہے۔

عذاب :

مفردات امام راغب میں جو لغت القرآن پر انتہائی مستند کتاب سمجھی جاتی ہے' سخت دکھ اور تکلیف دینے کو عذاب کہا گیا ہے۔

عذاب "عذب" سے مشتق ہے۔ عذب شیریں پانی کو کہتے ہیں۔ تعذیب میں ازالۃ عذب ہے۔ اس لیے عذبتہ کے معنی ہیں' میں نے اسے زندگی کی لذت اور مسرتوں سے دور یعنی محروم کر دیا۔

قرآن مجید میں ہر اس تکلیف اور محرومی کو جو انسان کے مکافات عمل کا نتیجہ ہے اور ہر ایسی سزا کو جو فرد یا قوموں کو دنیا اور آخرت میں پاداش جرم میں دی جائے' عذاب کہا گیا ہے۔

مہین :

لسان العرب میں "مہین" حقارت' اختصار' ذلت و رسوائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ تفسیر "المراغی" میں واعدلھم عذابا مھینا کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

"ان کے لیے الم انگیز عذاب تیار کیا گیا ہے اور حقارت اور اہانت' ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہے۔"

اصل عربی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"ای ھبالھم عذابا بولھم و تجعلھم فی مقام الذ رایہ والاحتقار والخزی الھون۔"

رسوا کن عذاب کی ایک جھلک سورۃ "اللھب" میں دکھلائی گئی ہے' جو اس سورۃ کے نشان نزول کے تناظر میں اور بھی واضح نظر آتی ہے۔

سارے قرآن مجید میں یہی ایک ایسی سورۃ ہے' جس میں گستاخ رسول ﷺ کو اس کے نام سے پکارا گیا ہے اور پوری سورۃ غضب الہٰی کے جلال کی نمود ہے۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ ابولہب تھا تو رسول اکرم ﷺ کا چچا لیکن وہ اور اس کی بیوی ام جمیل ایسے بدبخت اور مردود تھے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ابولہب کا شمار اس وقت کے متمول اور سرمایہ دار لوگوں میں ہوتا تھا۔ اسے اپنے مال و دولت اور اولاد پر بڑا گھمنڈ اور غرور تھا اور سمجھتا تھا کہ یہی اس کے

دست و بازو ہیں۔ لیکن خاتم الانبیاء کی آمد آمد سے نہ صرف صنم کدے ویراں ہو گئے بلکہ زر اندوزی اور زر پرستی کا زور بھی ختم ہوتا جا رہا تھا' جس سے ابولہب بوکھلا اٹھا اور بروایت ابن زیدؒ ابولہب نے ایک دن حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو اسے کیا ملے گا' آپ ﷺ نے فرمایا: وہی جو اور مسلمانوں کو ملے گا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اسے دوسروں پر کوئی برتری حاصل نہیں ہو گی' تو وہ اس پر برافروختہ ہو کر چلایا:

تبا لهذا الدين تبا ان اكون وهولاء سواء

ناس ہو ایسے دین کا جس میں' میں اور دوسرے لوگ سب برابر کے ہوں۔ (ابن جریر)

اور دوسری روایت جو ابن عباسؓ سے منقول ہے' وہ اس طرح ہے کہ آنحضور ﷺ نے آیہ انداز "وانذر عشيرتك الاقربين" (الشعرا: 214) کے نازل ہونے پر حکم الہٰی کی تعمیل میں اپنے اقربا اور اہل قبیلہ کو خبردار کرنے کے لیے جانب بطحا روانہ ہوئے اور کوہ صفا کی چوٹی سے قبائل قریش کو ندائے "یاصباحاہ" کا انتباہ دے کر پکارا۔ اور جب صوت ہادی وادیوں میں گونجی اور تمام لوگ جمع ہو گئے' تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:

"بتاؤ! اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج تم پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے تو کیا تم اس بات کا یقین کرو گے؟"

سب نے بیک زبان کہا: یقیناً کیونکہ ہم نے کوئی جھوٹی بات آج تک تمہارے منہ سے نہیں سنی۔" جس پر آپ ﷺ نے انہیں خبردار کیا کہ اگر ان کے یہی لیل و نہار رہے تو ان پر ایک عذاب شدید آنے والا ہے۔ یہ سن کر ابولہب چیخ اٹھا: تبالك الهذا جمعتنا "برا ہو ترا کیا تو نے ہم کو اسی لیے جمع کیا تھا۔"

دونوں روایات میں اختلاف زمانی معلوم ہوتا ہے۔ دونوں واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں۔ اس لیے راویوں نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

اپنے حبیب ﷺ کے بارے میں اس بدبخت انسان کی یہ بات باری تعالیٰ کو اتنی ناگوار گزری کہ اس نامراد کا نام لے کر اس پر اپنی نفرت اور غضب کا اظہار فرمایا:

"تبت يدا ابی لهب و تب........ الخ"

"ٹوٹ گئے ہاتھ ابی لہب کے اور ہلاک ہوا وہ' اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کچھ کام نہ آیا۔ ضرور وہ آگ میں ڈالا جائے گا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی۔ لگائی بجھائی کرنے والی اور اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہو گی۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے مستقبل کی بات ماضی کی زبان میں بیان کر دی کیونکہ خالق عصر کے سامنے تو ماضی و حال و مستقبل سب برابر اور اسی کے پیدا کردہ ہیں اور یہ امروز و فردا تو ہمارے لیے ہیں اور دنیا نے دیکھ لیا ابولہب کا اور اس کی بیوی کا انجام بڑا ہی عبرت ناک ہوا اور اسی طرح ہوا جس کی قرآن مجید نے پیشین گوئی کی تھی۔

معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح یابی ابولہب کے لیے ناقابل برداشت صدمہ تھا اور بالآخر وہ طاعون جیسے موذی زہر ناک اور سوزش والے مرض میں مبتلا ہو گیا اور تڑپ تڑپ کر واصل جہنم ہوا۔ بیماری کے دوران اور مرنے کے بعد بھی اس کی اپنی اولاد اور عزیز و اقارب میں سے کوئی بھی اس کے قریب نہیں پھٹکا۔ اس طرح نہ اس کے کام مال آیا اور نہ اولاد۔ مرنے کے بعد جب اس کی لاش میں سڑنے کی وجہ سے سخت بدبو اور تعفن پیدا ہوا' تو لوگوں نے شور مچایا جس پر اس کے لڑکوں نے حبشی مزدوروں سے اس کی لاش کو اٹھوا کر ایک گڑھے میں پھینکوا دیا اور اوپر سے پتھر مٹی ڈال کر اسے بند کر دیا۔

آخرت میں اس کے اور اس کی بیوی کے بارے میں مفسرین ہمیں بتلاتے ہیں کہ وادی جہنم میں جہاں ابولہب جل رہا ہو گا وہاں اس کی بیوی بھی لکڑیاں ڈھو ڈھو کر لانے کے بعد' انہیں اس میں ڈال کر اپنے لیے اور اس کے لیے آتش جہنم کو اور بھی بھڑکاتی رہے گی۔

یہ تھا وہ عبرت ناک عذاب الیم' ابولہب کے لیے جو آپ ﷺ کا چچا ہونے کے باوجود گستاخ رسالت مآب ﷺ ہونے کی پاداش میں عذاب الٰہی کی گرفت سے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اپنے آپ کو اور اپنی بیوی کو بچا سکا۔

حضور رسالت ﷺ کے استہزاء اور گستاخی کی جو سزا آخرت میں ملے گی اس سے تو کوئی صاحب ایمان انکار کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس دنیا میں بھی اس کی سزا خود رب ذوالجلال نے مختلف طریقوں سے دے کر اپنے اس وعدہ "انا کفیناك المستھزین (سورۃ الحجر' آیت: 95 کو پورا فرمایا جو اس نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ سے کیا تھا: بلاشبہ ہم

تمہاری طرف سے ان استہزاء کرنے والوں اور مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں۔"

ابولہب اور اس کی بیوی کا حال تو آپ اوپر دیکھ چکے ہیں۔ اس کے بیٹے عتبہ نے بھی جب سورۃ "النجم" سن کر آپ ﷺ کا مذاق اڑایا تھا تو اسی دنیا میں اس لعین کو بھی اس گستاخی کی دردناک سزا ابولہب کی زندگی ہی میں دی گئی۔ اس کا ذکر علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "الخصائص الکبریٰ" میں اسی آیت' سورۃ الحجر کی تفسیر کرتے ہوئے کیا ہے' جو حسب ذیل ہے:

"ابولہب کے بیٹے عتبہ نے ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں گستاخی کی' جس پر حضور ﷺ زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے "اے اللہ اس پر اپنے کسی کتے کو مسلط کردے۔" ابولہب اپنے بیٹے کو سواد شام' کپڑے کی تجارت کے سلسلہ میں بھیجا کرتا تھا۔ جب اس نے یہ بات سنی تو کہا کرتا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے بیٹے کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا نہ لگ جائے۔ سیوطی نے بیہقی ہی کے حوالہ سے ایک اور روایت میں بتلایا ہے کہ عتبہ بھی یہ سن کر بہت خوف زدہ رہنے لگا تھا۔ چنانچہ جب شام کے سفر پر روانہ ہوا تو رات میں دوران سفر جہاں آرام کے لیے قیام کرتا' تو اس کے غلام اور مختار کار اسے درمیان میں سلاتے۔ دیوار کے ساتھ لٹاتے اور اس پر کپڑے ڈال دیتے' مگر ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ایک رات ایک درندہ آیا' جس نے اسے ہلاک کردیا۔ جب اس کی موت کی خبر ابولہب کو پہنچی تو بولا' "میں تم سے نہ کہتا تھا کہ میں اس کے بارے میں محمد ﷺ کی بددعا سے ڈرتا ہوں۔"

اسی آیت "انا کفینك المستهزء ین" کی تفسیر کرتے ہوئے ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: "ایک دن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے گزر رہے تھے تو مشرکین نے آپ ﷺ کو شرارتاً چھیڑا' جس پر اسی وقت جناب جبریلؑ وہاں پہنچے اور ان مشرکین کو چوکا مارا' جس کی وجہ سے ان کے جسم ایسے ہو گئے جیسے نیزے سے زخم خوردہ ہوں اور اسی سے وہ مرگئے۔ یہ لوگ مشرکین مکہ کے بڑے بڑے رؤسا میں سے تھے۔ (2)

اسی آیت کی تفسیر میں امام قرطبی نے ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے: "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف کررہے تھے۔ اسی اثناء جبریل علیہ السلام بھی بیت اللہ میں آپ ﷺ کے پاس آگئے۔ اتنے میں اسود بن عبد یغوث آپ ﷺ کے

پاس سے گزرا' تو جناب جبریلؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ اسے پیٹ کی بیماری ہو گئی اور وہ اسی میں مرا۔ پھر ولید بن مغیرہ وہاں سے گزرا' اس کی ایڑی ایک خزاعی شخص کے تیر کے پھل سے معمولی سی چھل گئی تھی اور اسے دو سال گزر چکے تھے۔ جبریلؑ نے اس کی طرف اشارہ کیا وہ پھول کر پک گئی' جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ پھر عاص بن وائل وہاں سے گزرا' اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ کچھ دنوں بعد یہ طائف جانے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہو کر چلا۔ راستہ میں گر پڑا اور تلوے میں کیل گھس گئی' جس نے اس کی جان لے لی۔ جناب جبریلؑ نے حارث کے سر کی طرف اشارہ کیا' اس سے خون بہنے لگا اور وہ اسی تکلیف سے مر گیا۔" ان سب موذیوں کا سرغنہ ولید بن مغیرہ تھا' جس نے ان سب کو آپ ﷺ کی ایذا رسانی کے لیے جمع کیا تھا۔ جنہیں اس دنیا میں خدائے ذوالجلال نے اس وقت یہ دردناک سزا دی جبکہ حکومت الہیہ قائم نہیں ہوئی تھی اور تکمیل دین کا کام ہو رہا تھا اور یہ مکی دور تھا' اس لیے یہ سورتیں بھی مکی دور کی ہیں۔ جب خلافت الہیہ قائم ہو گئی تو تنقیص' تضحیک اور اہانت رسول کی سزا اسلامی حکومت میں بطور حد سزائے موت قرار پائی اور تکمیل دین کے بعد ساری امت کی یہ ذمہ داری ٹھہری کہ وہ توہین رسالت ﷺ کا سدباب کرے۔ اور اگر اسلامی حکومت موجود نہ ہو تو ہر فرد کو یہ حق ہے کہ وہ گستاخ رسول ﷺ کو سزائے موت دے۔ (3)

مخالفت رسول ﷺ کی سزا:

اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے قتال کا حکم صادر فرمایا ہے:

"فاضربوا فوق الاعناق واضربو منهم كل بنان○ ذلك بانهم شاقو الله ورسوله و من يشاقق الله ورسوله فان الله شديد العقاب۔"

(سورۃ انفال: 8' 12' 13)

"پس تم ان کی گردنوں پہ اور جوڑ جوڑ پر ضرب لگاؤ (یہ حکم قتال) اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا تو یاد رکھو

اللہ (پاداش عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے۔"

یہ آیات سورۃ انفال کی ہیں جو 2ھ میں مدینہ منورہ میں اس وقت نازل ہوئیں جبکہ اسلامی ریاست معرض وجود میں آ رہی تھی اور دشمنان اسلام اللہ کے رسول کی مخالفت اور ایذارسانی پر کمربستہ ہو گئے تھے۔ اس پاداش جرم میں ان کے لیے یہ سزا تجویز ہوئی۔

سورۃ الاحزاب میں حق سبحانہ تعالیٰ ذات رسالت مآب ﷺ پر اپنی اور اپنے ملائکہ کی طرف سے درود و سلام کے ذکر جمیل کے ساتھ ہی اہل ایمان کو ان کی بارگاہ قدس میں درود و سلام کی سوغات بھیجنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

> "اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت دیتے ہیں' ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت بھیجی ہے اور ان کے لیے بے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔"

مفسرین کے ایک گروہ کی رائے میں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچانے کی سزا میں زندان لعنت میں گرفتار ہوں' وہ رحمت الٰہی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس لیے شریعت کی رو سے وہ "مباح الدم" یعنی واجب القتل قرار پائیں گے۔ اسی سورہ مبارکہ میں اس گروہ کی نشان دہی فرمائی جو اللہ کے رسول کو ایذائیں دیتا اور آپ پر زبان طعن دراز کرتا' آپ ﷺ کے اور پیروان حق کے خلاف اسلامی ریاست مدینہ میں افواہیں پھیلایا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں بتلا دیا کہ اس کا انجام کار کیا ہو گا:

> "اگر منافقین اور وہ لوگ جنکے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے' تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے آپ ﷺ کو اٹھا کھڑا کریں گے۔ پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے آپ ﷺ کے ساتھ رہ سکیں گے۔ ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہو گی۔ (پھر یہ لوگ) جہاں کہیں بھی مل جائیں اور پکڑے جائیں ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ یہ اللہ کی سنت (قانون) ہے' جو ایسے لوگوں کے معاملے میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی سنت (قانون) میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ (5)

اس میں یہ سزا ان لوگوں کے لیے تجویز کی گئی ہے جو اپنے آپ کو

مسلمان ظاہر کرتے ہیں لیکن دراصل پیروان طاغوت ہیں' جنہیں اسلامی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔

سورۃ توبہ میں اللہ کے رسول کو آزار پہنچانے والوں کو دردناک عذاب سے خبردار کیا گیا ہے۔ فرمایا:

ومنهم الذين يوذون النبى و يقولون هو اذن قل اذن خيرلكم يومن بالله ويومن للمومنين ورحمته للذين امنوا منكم۔ والذين يوذون رسول الله لهم عذاب اليم O

(سورۃ توبہ: 60'61)

اور ان ہی (منافقوں) میں (وہ لوگ بھی) ہیں جو اللہ کے نبی ﷺ کو (اپنی بدگوئی سے) اذیت پہنچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شخص تو بہت سننے والا (یعنی کان کا کچا ہے' اے پیغمبر ﷺ) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ ہاں وہ بہت سننے والا ہے مگر تمہاری بہتری کے لیے۔ وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور وہ مومنوں کی بات پر بھی یقین رکھتا ہے۔ (جن کی سچائی ہر طرح کے امتحانوں سے گزر کر کھری ثابت ہو چکی ہے) اور وہ ان کے لیے سرتا سر رحمت ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو آزار پہنچانا چاہتے ہیں' ان کے لیے عذاب ہے دردناک عذاب!!!

اس آیت کریمہ میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ حضور ﷺ کی مخالفت اور دشمنی میں آپ ﷺ کو کوئی جسمانی تکلیف یا اذیت نہیں پہنچائی جا رہی ہے بلکہ صرف کانوں کا کچا کہہ کر جو لوگ آپ ﷺ کو قلبی اور ذہنی اذیت پہنچاتے ہیں' وہ بھی گستاخی اور توہین رسالت کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے لیے بھی دردناک عذاب کی وعید ہے۔

پیروان اسلام پر تو حضور رسالت مآب ﷺ کا ادب و احترام فرض ہے لیکن منکرین رسالت ﷺ کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ بھی دربار رسالت ﷺ کے آداب کو ملحوظ رکھیں اور انہیں ایسے ذومعنی الفاظ کے استعمال سے بھی روک دیا گیا جس میں خیر کے علاوہ شر کا معنوی پہلو بھی پوشیدہ ہو۔ چنانچہ وہ بدبخت یہودی جو شرارتاً اور بدنیتی سے ذومعنی الفاظ استعمال کرتے تھے' ان کے لیے یہ سخت وعید نازل ہوئی۔

من الذین ھادو....... فلا یومنون الا قلیلاO

(سورۃ نساء: 45)

"(اے پیغمبر ﷺ) وہ لوگ جنہوں نے یہودیت اختیار کی ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو لفظوں کو ان کے اصل جگہ سے پھیر دیا کرتے ہیں اور جب تم سے ملتے ہیں تو اس خیال سے کہ دین حق کے خلاف طعن و تشنیع کریں۔ زبان مروڑ مروڑ کر لفظوں کو بگاڑ دیتے ہیں (چنانچہ) کہتے ہیں "سمعنا' عصینا" اور "واسمع غیر مسمع" اور "راعنا" اگر یہ لوگ (راست بازی سے محروم نہ ہوتے اور ان شرارت آمیز لفظوں کی جگہ) "سمعنا واطعنا" اور "اسمع" اور "انظرنا" کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا اور درستگی کی بات تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑ چکی ہے۔ پس ایک چھوٹے گروہ کے سوا سب ایمان سے محروم رہیں گے۔

تفسیر: جصاص اس آیہ مبارک کی تفسیر کرتے ہوئے بتلاتے ہیں۔

"ہر وہ لفظ جس میں خیر و شر دونوں معنوں کا احتمال ہو اس لفظ کا استعمال اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی ایسی حد یا قید نہ لگائی جائے جس سے خیر کا پہلو نمایاں ہو۔" (6)

تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازیؒ لفظ "راعنا" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگرچہ یہ لفظ صحیح المعنی ہے جس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ہم سے رعایت کریں یا ہماری طرف توجہ کریں لیکن عربی میں لفظ کو بطور استہزاء بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اس لفظ کو اگر صحیح معنی میں بھی استعمال کیا جائے تو اس سے برابری اور مساوات کا گمان ہوتا ہے' اس لیے اس کے استعمال ہی سے منع کر دیا گیا۔(7)

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں سورۃ بقرہ کی آیت 104 میں لفظ "راعنا" کی تفسیر یوں بیان کی ہے:

"یہودی جب آنخضرت ﷺ کی مجلس میں آتے تو اپنے سلام و کلام میں ہر ممکن طریقہ سے اپنے دل کا بخار نکالنے کی کوشش کرتے تھے۔ ذومعنی الفاظ بولتے' زور سے کچھ کہتے' زیر لب کچھ اور کہہ دیتے'

ظاہر میں ادب و آداب برقرار رکھتے ہوئے درپردہ آپ ﷺ کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ لفظ "راعنا" ایک ذو معنی لفظ ہے جب آنحضرت ﷺ کی گفتگو کے دوران یہودیوں کو کبھی یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی کہ ٹھہریئے ذرا ہمیں یہ بات سمجھ لینے دیجئے تو وہ "راعنا" کہتے۔ اس لفظ کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ ہماری رعایت کیجئے اور ہماری بات سن لیجئے۔ مگر اس میں کئی احتمالات اور بھی تھے' مثلاً عبرانی میں اس سے ملتا جلتا ایک لفظ تھا جس کے معنی تھے "سن تو بہرہ ہو جائے" گفتگو میں یہ ایسے موقع پر بولا جاتا تھا جب یہ کہنا ہو کہ تم ہماری سنو تو ہم تمہاری سنیں اور ذرا زبان لچکا کر "راعینا" بھی بنا لیا جاتا تھا جس کے معنی "اے ہمارے چرواہے" کے تھے۔" (8)

علامہ شوکانی فتح القدیر میں لفظ "راعنا" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "راعنا" اور ایسے تمام الفاظ جن سے توہین رسالت ﷺ کا احتمال ہو ان کا استعمال قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ (9)

اس لیے اہل ایمان کو براہ راست مخاطب کر کے یہ حکم دیا گیا کہ وہ ایسے ذو معنی الفاظ سے قطعاً احتراز کریں تاکہ شان رسالت مآب ﷺ میں کسی قسم کی پنہاں اور پوشیدہ گستاخی کا احتمال بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا:

یاایھا الذین امنوا لا تقولو رٰاعنا و قولوا انظرنا و اسمعوا وللکفرین عذاب الیم۔

(سورۃ بقرہ آیت: 104)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو راعنا نہ کہا کرو بلکہ "انظرنا" یعنی ہماری طرف التفات کیجئے کہا کرو اور توجہ سے بات سنو۔ یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں یہ بھی بتلا دیا گیا کہ ان کافروں کو اپنے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔ بعض صاحبان نظر نے اس آیت کے اسلوب بیان سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ حق تعالیٰ کو یہودیوں کے اس فتنہ پرور گروہ کا یہ گستاخانہ انداز تخاطب اتنا ناگوار گزرا کہ ذات الٰہی نے ایسے شریر یہودیوں سے خطاب کرنا بھی پسند نہیں فرمایا۔ حالانکہ قرآن مجید میں

اور دوسرے مواقع پر یہود و نصاریٰ کو جا بجا براہ راست مخاطب کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علامہ شوکانی "فتح القدیر" میں حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ کوئی شخص ایسا لفظ استعمال کرے جس میں توہین رسالت ﷺ کا احتمال ہو تو وہ واجب القتل ہے۔ اس کی توثیق اس حدیث سے ہو جاتی ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ ؓ کو یہ معلوم ہوا کہ یہودی لفظ "راعنا" رسول ﷺ کے بارے میں بطور طعن و تشنیع استعمال کرتے ہیں جس کی اوپر تشریح ہو چکی ہے تو آپ نے یہودیوں سے کہا:

> "اے یہودیو! تم پر اللہ کی لعنت ہو۔ آئندہ سے اگر میں نے تم میں سے کسی کو لفظ راعنا کہتے ہوئے سنا تو اس کی گردن اڑا دوں گا۔" (10)

سورۃ نساء میں ایمان اور کفر کا فرق واضح کرتے ہوئے بتلایا گیا کہ پیغمبر برحق کی ہر بات کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی عین ایمان ہے اور اس کے خلاف اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کرنا صریحاً کفر ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

> فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یحدوا فی انفسهم حرجًا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

(سورۃ نساء: 64)

> "پس (اے محمد ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی بھی مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو یہ اپنا حکم نہ بنا لیں اور پھر جو کچھ بھی فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے سر بسر تسلیم کر لیں۔"

شان نزول:

سورۃ نساء کی اس آیت مبارکہ کی شان نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک بظاہر مسلمان (جو اصل میں منافق تھا) اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملہ پر تنازعہ ہو گیا۔ دونوں اس سلسلہ میں آپ ﷺ کی خدمت اقدس

میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں صادر فرمایا' جس سے دوسرا فریق راضی نہ ہوا اور اس کے اصرار پر یہ دونوں معاملہ کو لے کر از سر نو فیصلہ کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے (جو ان دنوں آنحضور ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ میں تنازعات اور خصومات کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور مرکز میں رئیس القضاء (Chief Justice) کے عہدے پر مامور تھے)۔ آپؓ نے ان دونوں سے روئیداد مقدمہ سنی اور جب آپؓ کو معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ اس بارے میں یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرما چکے ہیں' تو آپؓ نے خود اس منافق سے اس کی تصدیق کر لی اور اس کے بعد اسی وقت تلوار سے اس منافق کا سر قلم کر دیا۔

اس کے بعد آپؓ نے فرمایا:

هكذا اقضی لمن لم یرض بقضاء الله ورسوله۔

"اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ سے راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے جو میں نے کیا ہے۔" (11)

مقتول کے ورثاء کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی عدالت میں پہنچے اور حضرت عمرؓ کے خلاف قتل کا دعویٰ کر دیا جس پر سورۃ نساء کی یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی اور آنحضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو "فاروق" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ (12)

حضرت عمرؓ کے اس فیصلے سے اور آیہ مبارکہ کی شان نزول کی روشنی میں یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنا بھی توہین اور گستاخی کا موجب ہے' جس کی تصدیق سورۃ نساء کی اس آیت مبارکہ نے کر دی۔

ان آیات قرآنی سے قانون الہٰی صاف طور پر اور کھل کر ہمارے سامنے آگیا ہے کہ اگر کوئی کافر یا منافق جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوئے توہین رسالت کا ارتکاب کرے تو اس کی سزا صرف سزائے موت ہے۔ ایک مسلمان جن کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان ہے' وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی گستاخی کا تصور ہی نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ آپ ﷺ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی یا سوء ادبی برداشت کر سکتا ہے۔

اسلام تو وہ مذہب ہے جو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ ایمان لانے کے بعد کوئی شخص کسی دوسرے کا مذاق اڑائے۔ اس کی

تضحیک یا استہزاء کرے' جو اس کی دل آزاری کا باعث ہو۔ کیونکہ یہی وہ بنیادی خرابی ہے جس سے معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: یا ایھا الذین امنو لا یسخر قوم من قوم...... ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان۔ ومن لم یتب فاولئك ھم الظلمونo

(سورہ الحجرات:11)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہوئے ہو۔ نہ مرد مردوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو۔ نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے اور جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔"

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودی "تفہیم القرآن" میں لکھتے ہیں:

"مذاق اڑانے سے مراد محض زبان ہی سے کسی کا مذاق اڑانا نہیں بلکہ کسی کی نقل اتارنا' اس کی طرف اشارے کرنا' اس کی بات پر یا اس کے کام یا اس کی صورت یا اس کے لباس پر ہنسنا' اس کے کسی نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ دوسرے اس پر ہنسیں۔ یہ سب بھی مذاق اڑانے میں داخل ہے۔ اصل ممانعت جس چیز کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کی کسی نہ کسی طور پر تضحیک کرے۔ کیونکہ اس تضحیک میں لازماً اپنی بڑائی اور دوسرے کی تذلیل اور تحقیر کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں جو اخلاقاً سخت معیوب ہیں۔ مزید برآں اس سے دوسرے شخص کی دل آزاری بھی ہوتی ہے جس سے معاشرے میں فساد رونما ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس فعل کو حرام کیا گیا ہے۔" (13)

احادیث کی روشنی میں

(احکام الحدیث)

قرآن نے شاتم رسول ﷺ کے بارے میں یہ واضح فیصلہ صادر کیا ہے کہ اس دنیا میں اس کے لیے سزائے موت مقرر ہے اور آخرت میں بھی اس کے لیے عذاب جہنم تیار ہے۔ ان احکام الٰہی کی تعمیل دور رسالت مآب ﷺ اور اس کے بعد کے ادوار میں جس طرح ہوتی رہی ہے' اس کا یہاں اجمالی تذکرہ کا ماخذ احادیث اور تاریخ اسلام ہے۔ اس کا آغاز ہم احکام الحدیث سے کریں گے۔

احادیث کی مستند کتاب سنن ابوداؤد جو صحاح ستہ میں شامل ہے' توہین رسالت ﷺ کے بارے میں احادیث "کتاب الحدود" میں درج کی گئی ہیں' جس سے ظاہر ہے کہ توہین رسالت ﷺ کی سزا' سزائے موت بطور حد مقرر ہے اور حد میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ اس مرحلہ پر ضروری ہے کہ حد کی متعین تعریف پیش نظر ہو۔ "حد" لغت میں کسی کام سے روک دینے کو کہتے ہیں' اس لیے دربان کو عربی میں "حدار" کہا جاتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں "حد" اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ العقوبته المقدرة حقا للہ تعالٰی" اس لیے حدود کو حقوق اللہ کہا گیا ہے۔

"حد" اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی وہ مقرر کردہ سزا ہے جس میں سوئی کی نوک کے برابر بھی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ اس کی تشریح امام رازیؒ نے "تفسیر کبیر" میں نسائی اور ابن ماجہ کی درج ذیل حدیث سے کی ہے۔

"یوتی بوال نقص من الحدسوطا......."

قیامت کے دن ایک حاکم پیش کیا جائے گا جس نے حد سے ایک کوڑا کم کر دیا تھا۔ استفسار ہو گا: "تو نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟"

عرض کرے گا: "پروردگار آپ کے بندوں پر رحم کھا کر۔"

ارشاد ہو گا: اچھا تو ان کے حق میں ہم سے زیادہ رحم کرنے والا تھا۔"

پھر حکم ہو گا: "لے جاؤ اسے دوزخ میں۔"

اسی طرح ایک اور حاکم حضور حق پیش کیا جائے گا' جس نے حد پر ایک کوڑے کا اضافہ کیا تھا۔ اس سے پوچھا جائے گا: "تو نے یہ کس لیے کیا تھا؟

عرض کرے گا: "تاکہ لوگ آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔"

ارشاد ہو گا: "اچھا تو ان کے معاملہ میں مجھ سے بھی زیادہ حکیم تھا۔"

پھر حکم ہو گا: "لے جاؤ اسے دوزخ میں۔" (14-الف)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مقرر کردہ حدود میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔ اس بارے میں سورۃ المجادلہ کی آیت "ذلك لتومنو باللہ ورسولہ و تلك حدود اللہ وللکفرین عذاب الیمO" کی تفسیر کرتے ہوئے ابن جریر طبری میں لکھتے ہیں' یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے: "جو اللہ کی حدود کے معاملہ میں اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ حدود کی جگہ دوسری حدیں تجویز کر لیتے ہیں" بیضاوی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: "اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مخاصمت اور جھگڑا کرتے ہیں یا ان کی مقرر کردہ حدود کے سوا دوسری حدیں مقرر کر لیتے ہیں۔" صاحب روح المعانی آلوسی نے شیخ الاسلام سعد اللہ چلپیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے: "آیت مذکور میں ان حکمرانوں اور حکام سوء کے لیے سخت وعید ہے جنہوں نے شریعت کی مقرر کردہ حدود کے خلاف بہت سے احکام وضع کر لیے ہیں اور ان کا نام قانون رکھا ہے۔" (14-ب)

حضور رسالت مآب ﷺ نے "حدود اللہ" کو جاری کرنے میں کسی بھی رو رعایت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ چنانچہ بنی مخزوم کی ایک صاحب ثروت فاطمہ بنت قیس نامی عورت چوری کے مقدمہ میں عدالت نبوی ﷺ میں لائی گئی اور اس کی سفارش کے لیے آپ ﷺ کے محبوب غلام زادے جناب اسامہؓ کو آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ تو اس پر حضور ختمی مرتبت نے جو الفاظ فرمائے وہ حدود اللہ کی پاسبانی کی آخری حد ہے۔ جب آپ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ سے بھی یہ جرم سرزد ہوتا تو میں اس کے ہاتھ قلم کر دیتا اور سب یہ جانتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین صاجزادی تھیں۔

حضور رسالت مآب ﷺ کو سارے جہانوں کے لیے "رحمتہ للعالمین" بنا کر بھیجا گیا تھا، اس لیے رحمت و جمال کا تقاضا تھا کہ اس جہان خاک و آب میں بھی کائنات خلقت کی طرح میزان عدل قائم کی جائے، جس کے لیے ضروری تھا کہ یہاں "حدود الٰہی" جاری و ساری ہوں۔ سو نبی رحمت ﷺ نے اپنی مخالفت اور توہین کرنے والوں کو جو دراصل اللہ کی اور اللہ کے قانون فطرت کی مخالفت تھی، جو سزائے موت دی، اس کا مقصد شریعت الیہ کا نفاذ تھا۔ اس سلسلہ میں علامہ اقبالؒ نے اس واقعہ کا مولانا گرامی کے نام اپنے ایک مکتوب میں بطور خاص ذکر کیا ہے۔ جب نظیر نامی ایک گستاخ رسول ﷺ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کر دیا گیا، تو اس کی بیٹی اس کی لاش پر نوحہ کناں آئی اور اس نے اپنے باپ کی موت پر نہایت درد انگیز مرثیہ پڑھا جس پر حضور ﷺ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔ جب نبی رحمت ﷺ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ "میں نے بحیثیت "محمد رسول اللہ" اس کے قتل کا حکم دیا تھا اور اب بحیثیت "محمد ﷺ ابن عبداللہ" میرے آنسو نکل آئے ہیں۔" جن کی آب و تاب گوہر نایاب کے نصیب میں بھی نہیں۔" (15)

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

شریعت اور رحمت کا ایسا امتزاج دنیا نے اس سے پہلے کہاں دیکھا تھا!

دربار نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے

سنن ابو داود میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص کی ایک ام ولد تھی جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کیا کرتی تھی اور منع کرنے پر بھی باز نہ آتی تھی۔ ایک رات اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو شروع کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برائی کرنے لگی۔ جس پر اس نابینا صحابی نے چھرا اس کے پیٹ میں گھونپ دیا جس سے وہ مرگئی۔ جب صبح ہوئی تو اس کے قتل کا مقدمہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری روئیداد سننے کے بعد تمام لوگوں کو حاضر عدالت ہونے کا حکم دیا اور جب سب جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم دے کر فرمایا' جس شخص نے بھی یہ جرم کیا ہے وہ کھڑا ہو جائے (یعنی اقبال جرم کرے) جس پر وہ نابینا شخص مجمع کو پھاندتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آگیا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں اس کا قاتل ہوں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہتی تھی۔ میری زجرو توبیخ اور منع کرنے پر بھی باز نہ آتی تھی۔ اس کے بطن سے میرے موتیوں کی مانند دو بیٹے ہیں اور وہ میری رفیق حیات بھی تھی' لیکن کل رات جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کی' تو میں نے اس کے پیٹ میں چھرا گھونپ کر اس کو مار دیا ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس کی کوئی تردید پیش نہیں ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلی عدالت میں فرمایا:

> دیکھو! گواہ رہو! "ان دمها هدر" "اس کا خون رائیگاں گیا۔"
>
> (یعنی اس کے خون کے بدلے قصاص یا دیت کا مطالبہ باقی نہیں رہا کیونکہ وہ واجب القتل ہو گئی تھی۔ (16)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ جو مدینہ میں پیش آیا تھا' جس کا ذکر سورۃ نساء کی آیت "فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم....." کی تفسیر میں قبل ازیں کر دیا گیا ہے کہ جب ایک منافق نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے بعد حضرت عمرؓ سے دوبارہ فیصلہ کی درخواست کی تو اسے بھی اہانت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جرم میں قتل کر دیا گیا اور اس کا دعویٰ عدالت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش ہوا تو اس کی سماعت کے بعد اس آیت کے نزول سے نہ صرف حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی عدالت الٰہی سے توثیق ہوئی بلکہ انہیں

"فاروق" (یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا) کے عالی مرتبت خطاب سے بھی سرفراز فرمایا گیا۔

قتل کعب بن اشرف:

جناب جابر بن عبداللہ ؓ انصاری سے روایت ہے کہ سرکار رسالت مآب ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: "تم میں سے کون کعب بن اشرف کی خبر لے گا' اس نے اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔" یہ سن کر محمد بن مسلمہ انصاری ؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: "یارسول اللہ کیا آپ ﷺ کو منظور ہے کہ میں اسے ختم کر دوں۔" فرمایا: "ہاں"۔ جس پر انہوں نے کہا: "تو پھر مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسے نبٹنے کے لیے جس طرح مناسب سمجھوں معاملہ کروں۔" فرمایا: "اجازت ہے۔" اس کے بعد محمد بن مسلمہ ؓ کعب کے پاس پہنچے اور کہا "دیکھو یہ شخص (یعنی پیغمبر علیہ التحیتہ والسلام) ہم سے زکوٰۃ مانگتا ہے جبکہ ہمارے پاس خود کھانے کو نہیں۔ عجیب مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ ہمارے لیے کچھ قرض کا انتظام کرا دو۔" کعب نے کہا: "ابھی کیا ہے۔ خدا کی قسم آگے چل کر تمہیں اور بھی بہت تکلیفیں اٹھانا پڑیں گی۔" محمد بن مسلمہ ؓ نے کہا: "بات یہ ہے کہ ہم ایک بار اس کی پیروی کر چکے ہیں' اب یہ اچھا نہیں لگتا کہ ایک دم اس کو چھوڑ دیں مگر دیکھ رہے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ خیر ہم اس غرض سے آئے ہیں کہ ایک وسق یا دو وسق (غلہ یا کھجور) ہم کو قرض دلوا دو۔" کعب نے کہا: "اچھا اس کا انتظام ہو جائے گا مگر اس کے بدلہ تمہیں رہن رکھنا ہو گا۔" انہوں نے کہا: "کیا چیز ہم بطور رہن رکھیں۔" کعب نے کہا: "اپنی عورتوں کو بطور رہن ہمارے پاس رکھو۔" جس پر ان لوگوں نے کہا: "یہ بھی خوب! سارے عرب میں تم خوبصورت لوگ ہو بھلا ہم کس طرح اپنی عورتوں کو تمہارے پاس گرو کر دیں۔" اس نے کہا: "اچھا اپنے بیٹوں کو ہمارے پاس گرو کرو۔" انہوں نے کہا: "بیٹوں کو گرو کریں گے تو لوگ ساری عمر طعنہ دیں گے وسق یا دو وسق پر یہ گروی ہوئے تھے' جو بڑے شرم کی بات ہے۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس بطور رہن رکھ سکتے ہیں۔" اس گفتگو کے بعد محمد بن مسلمہ ؓ رات کو پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔ جب رات کو آئے تو ابو نائلہ کو' جو کعب کا رضاعی بھائی تھا' ساتھ لائے۔ کعب نے ان کو قلعہ کے پاس بلا لیا اور خود قلعہ سے اتر کر

نیچے ان سے آکر ملا۔ جب وہ قلعہ سے اترنے لگا تو اس کی بیوی کہنے لگی: "اتنی رات گئے کہاں جا رہے ہو!" کعب نے کہا: "محمد بن مسلمہ ؓ اور میرا بھائی ابو نائلہ ؓ مجھے بلا رہے ہیں۔" سفیان کہتے ہیں' عمرو بن دینار کے سوا اور لوگوں نے یہ بات بھی کہی ہے کہ اس کی بیوی نے یہ بھی کہا: "میں نے جو آواز سنی ہے اس سے خون ٹپک رہا ہے۔"

جب کعب سر سے چادر اوڑھے ہوئے اترا (اس خیال سے کہ مسلمانوں کا اسلحہ اس کے پاس گرد ہو جائے گا) تو اس کے بدن سے خوشبو کی مہک آ رہی تھی۔ محمد بن مسلمہ ؓ نے کہا: "میں نے تو آج تک ایسی عطر بیز خوشبو نہیں سونگھی تھی۔" عمرو کے سوا اور دوسرے راویوں نے یوں بیان کیا ہے کہ کعب نے اس کے جواب میں کہا: "میرے پاس عرب کی ایسی عورت ہے جو سب سے زیادہ معطر رہتی ہے اور حسن و جمال میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔" عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ محمد بن مسلمہ ؓ نے کعب سے کہا: "کیا میں تمہارا سر سونگھ لوں۔" کعب نے کہا: "ہاں سونگھ لو۔" محمد بن مسلمہ ؓ نے اس کا سر خود بھی سونگھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی سونگھایا۔ پھر کہا: "ایک مرتبہ اور۔" اس نے کہا: "اچھا"۔ اس مرتبہ محمد بن مسلمہ ؓ نے کعب کا سر زور سے تھام لیا اور ساتھیوں سے کہا' ہاں اس کا سر لے لو اور انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ کو اس کی خبر دی۔" (17)

کعب بن اشرف یہودی سردار تھا اور اسلام اور حضور ﷺ کا بدترین دشمن تھا۔ غزوۂ بدر میں جب کفار مکہ کو شکست ہوئی تو اس نے کہا: "آج زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے۔" اس کا قتل ہجرت کے پچیسویں مہینے 14 ربیع الاول کو ہوا جبکہ اسلامی ریاست مدینہ میں قائم ہو چکی تھی۔ بدبخت کعب حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ ؓ کی ہجو کرتا تھا اور آپ ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا میں دوستی اور بھائی کا رشتہ بھی مانع نہیں آتا۔

صحیح بخاری میں "کتاب المغازی" کے علاوہ "طبقات ابن سعد" میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات موجود ہیں۔

عبدالرزاق بن ہمام ؒ کے مقام اور مرتبہ سے اہل علم واقف ہیں۔ یہ امام بخاری ؒ کے جلیل القدر استاد اور تبع تابعی ہیں۔ ان کا دور دوسری صدی ہجری کے آغاز کا دور ہے۔ ان کے مجموعہ احادیث کا نام "المصنف" ہے' جس میں انہوں نے "سب النبی" کا

علیحدہ باب قائم کیا ہے۔ یہ احادیث 9704 سے شروع ہو کر 9708 پر ختم ہوتی ہیں۔

حدیث 9704 : ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کے بارے میں دشنام طرازی کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو ہمارے اس دشمن کی خبر لے گا۔" اس پر جناب زبیر ؓ نے کہا' میں حاضر ہوں۔" پھر حضرت زبیر ؓ نے جا کر اس گستاخ رسول ﷺ کو واصل جہنم کیا۔

حدیث 9705 : ایک بدبخت عورت حضور ﷺ کو گالیاں دیتی رہتی تھی۔ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت خالد بن ولید ؓ نے اس کا منہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

حدیث 9706 : ایک نصرانی شخص کے قتل کے بارے میں ہے جس نے حضور ﷺ کو گالیاں دیں تھیں جس پر اس کو قتل کر دیا گیا تھا۔ (اس کی تفصیل اگلے باب میں آئے گی چونکہ یہ واقعہ حضور ﷺ کے یا دور خلافت راشدہ کا نہیں ہے۔)

حدیث 9707 : سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی تکذیب کی۔ حضور ﷺ نے حضرت علی ﷺ اور حضرت زبیر ؓ سے فرمایا: "جاؤ اور اگر وہ مل جائے تو اسے قتل کر دو۔"

حدیث 9708 : حضرت علی ؓ نے حکم دیا جس نے سرکار رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام کی تکذیب کی اس کی گردن مار دی جائے۔ امیرالمومنین ؓ کا یہ فرمان ابن التیمی کے والد نے سنا جسے ابن التیمی نے صاحب "المصنف" عبدالرزاق بن ہمام سے بیان کیا۔

سنن ابو داؤد میں حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودیہ' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتی اور آپ ﷺ کی ہجو کرتی تھی۔ ایک شخص نے ہمیشہ کے لیے اس کا منہ بند کر دیا۔ (یعنی اسے مار دیا گیا) جب حضور ﷺ کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہوا تو آپ ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دیا۔ (اس کے ورثا کو قصاص یا دیت کا حق دار نہیں سمجھا گیا۔)

قاضی عیاض ؒ نے کتاب "الشفاء" میں حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کی ہے کہ قبیلہ خطمہ کی ایک عورت نے حضور ﷺ کی ہجو کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا' "کون ہے جو میرے لیے اس کو ٹھکانے لگائے گا۔" اسی قبیلہ کا ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا' یا رسول اللہ یہ کام میں سرانجام دوں گا۔" چنانچہ وہ گیا اور اس نے جا کر اس عورت کو قتل کر دیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا' "اس کو خون مباح ہے۔"

کتاب "الشفاء" میں ابن مانع سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا' "یارسول اللہ (صلی اللہ علیک) میں نے اپنے والد کو آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے سنا تو یہ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا' اس لیے اسے میں نے قتل کر دیا۔" آپ ﷺ نے اس سے بازپرس نہیں فرمائی۔

دورِ خلافت میں

عہد صدیقؓ

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اسلام اور ختم نبوت ﷺ کے خلاف اٹھنے والی شورشوں اور خاص طور پر فتنہ ارتداد کا جس طرح سدباب کیا اور خلافت کو علی منہاج النبوۃ قائم کیا' وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ انتہائی حلیم الطبع اور نرم خو ہونے کے باوجود دین کے معاملہ میں کسی قسم کی مداہنت برداشت نہیں کرتے تھے۔ ہم یہاں ان کے عہد خلافت کے ان دو واقعات کا ذکر کریں گے جو توہین رسالت ﷺ سے متعلق ہیں۔

مہاجر بن امیہ جو حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں صوبائی عدلیہ کے سربراہ تھے' کی عدالت میں دو گانے والی عورتوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ ایک کے خلاف الزام تھا کہ اس نے سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں۔ دوسری عورت پر الزام تھا کہ اس نے اپنے گیتوں میں مسلمانوں کی ہجو اور توہین کی ہے۔ دونوں کے خلاف شہادت سے جرم ثابت ہونے پر انہیں یہ سزا دی گئی کہ دونوں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے اور ان کے دانت توڑ دیئے گئے کہ آئندہ ایسی بد آموزی سے وہ باز رہیں۔ ان دونوں مقدمات کی روئیداد جناب صدیق اکبرؓ کے سامنے پیش ہوئی تو آپؓ نے ان دونوں سزاؤں سے اختلاف کرتے ہوئے مہاجر بن امیہ کو تحریر فرمایا:

"اس مغنیہ کے خلاف جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے' تم نے جو کارروائی کی اس کا مجھے علم ہوا۔ اگر تم یہ کارروائی نہ کرچکے ہوتے تو میں تمہیں حکم دیتا کہ اسے سزائے موت دی جائے۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے خلاف ارتکاب جرم کی سزا عام جرائم کی سزا کے برابر نہیں ہوتی اور تم نے دوسری مغنیہ کو' جس نے مسلمانوں کی ہجو اور دشنام طرازی کی ہے' جو سزا دی ہے وہ بھی درست نہیں۔ اس لیے آپؓ نے حاکم عدالت کو ہدایت کی کہ وہ آئندہ محتاط رہے اور ایسی سنگین سزا کے اجرا سے اجتناب کرے۔"

توہین رسالت کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک اور واقعہ سے ان کی ژرف نگاہی، حلم و تدبر اور صحیح قوت فیصلہ کا اندازہ ہوتا ہے' جس میں ان کی ذاتی دشمنی' اشتعال انگیزی اور غم و غصہ کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابوبرزہؓ فرماتے ہیں:

"ایک دن میں حضرت ابوبکرؓ کی مجلس میں موجود تھا۔ ایک شخص نے آپؓ سے گستاخی کی جس پر آنجنابؓ اس شخص سے ناراض ہوئے۔ خلیفہ وقت کی شان میں گستاخی پر مجھے غصہ آگیا اور میں بھی اس وقت مشتعل ہو گیا۔

ابوبرزہؓ "اے خلیفہ رسول اگر آپ اجازت دیں تو میں اس نامعقول گستاخ کی گردن اڑا دوں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے اور خاموشی سے اندر کمرے میں چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد مجھے اندر بلا بھیجا۔

حضرت ابوبکرؓ: (ابوبرزہؓ) تم نے ابھی مجھ سے کیا کہا تھا؟

ابوبرزہؓ: "یہی کہ آپ اگر اجازت دیں تو میں اس کا سر اڑا دوں۔"

حضرت ابوبکرؓ: "اچھا اگر میں تمہیں اجازت دیتا تو کیا تم واقعی اسے مار دیتے۔؟"

ابوبرزہ: "یقیناً میں اس کو زندہ نہ چھوڑتا۔"

حضرت ابوبکرؓ: رب ذوالجلال کی قسم یہ مرتبہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کو حاصل نہیں (کہ اس سے گستاخی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ خلیفہ وقت ہی کیوں نہ ہو) (18)

حضرت ابوبکر صدیقؓ مزاج شناس نبوت تھے۔ انہوں نے اپنی ذات سے بلند ہو کر یہ اعلان حق کیا اور عام حکمرانوں یا بادشاہوں کی طرح ذاتی اور شخصی حملہ پر مشتعل ہو کر اس گستاخ اور زبان دراز کو جان سے مار دینے کا حکم نہیں دیا۔ امت مسلمہ کے خلاف طعن و تشنیع اور دشنام طرازی پر بھی وہ کسی سنگین سزا کا مطالبہ نہیں کرتے' لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی ان کے لیے ناقابل برداشت ہے اور اس سلسلہ میں وہ کسی کم تر سزا کو پسند نہیں فرماتے' بلکہ گستاخ رسول ﷺ کو سزائے موت کا حکم دیتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفۃ الرسولؐ منتخب ہونے کے بعد جو سب سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس میں سٹیٹ پالیسی کا اعلان کیا گیا کہ "اگر میں احکام الٰہی اور سنت

رسول ﷺ سے انحراف کروں تو مجھے معزول کر دیا جائے۔" اس کی روشنی میں یہ نتیجہ باآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ شاتم رسول کے قتل کا حکم' احکام الہٰی اور سنت نبوی ﷺ کے منشاء کے عین مطابق تھا اور اس بارے میں کسی صحابی نے اعتراض نہیں کیا۔ اس لیے علمائے امت اس کو "اجماع سکوتی" سے تعبیر کرتے ہیں۔

دور فاروقی:

حضرت عمرؓ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں گستاخ رسول کی سزائے موت دے کر بارگاہ الہٰی سے "فاروق" کے لقب سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔

ابن وہب نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک راہب نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شان میں دشنام طرازی کی۔ جب حضرت ابن عمرؓ نے یہ بات سنی تو ان لوگوں سے جنہوں نے یہ واقعہ سنایا فرمایا: "تم نے اسے قتل کیوں نہیں کر دیا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو اسے زندہ نہ چھوڑتا۔" (19)

ابن مسعودؓ کا فیصلہ:

طحاوی کے باب "استتابۃ المرتد" میں حضرت عبداللہ ابن مسعود جو فقہ حنفی کے "امام المنتہی" ہیں اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں کوفہ کے چیف جسٹس تھے' کا ایک اہم فیصلہ درج ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی عدالت میں پیروان مسیلمہ کذاب کو ارتداد کے جرم میں گرفتار کر کے پیش کیا گیا۔ جنہوں نے توبہ کرتے ہوئے معافی کی درخواست کی۔ ان میں سے ایک شخص عبداللہ ابن النواحہ کو آپ نے باوجود توبہ سزائے موت دی۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ایک ہی جرم کی دو مختلف سزاؤں کا کیا جواز ہے؟ جس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: ابن النواحہ وہ آدمی ہے جو حضور ﷺ کی خدمت میں حجر بن وثال کے ساتھ مسیلمہ کا سفیر بن کر آیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دونوں نے کہا' کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔ (جو صریحاً آپ ﷺ کی شان میں گستاخی تھی) جس پر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر سفارت کاروں کا قتل جائز ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ اب چونکہ ابن النواحہ گرفتار ہو کر آیا ہے اس لیے اس کو یہ سزائے موت دی گئی ہے۔" (20)

خلافت حضرت عثمانؓ کا کوئی ایسا واقعہ میری نظروں سے نہیں گزرا جس میں شاتم رسول ﷺ کو سزائے موت دی گئی۔

دور حیدری:

حضرت علی المرتضیٰ پیغمبر اعظم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں شاتم رسول ﷺ کو سزائے موت دینے کے لیے اس کی تلاش میں حضرت زبیرؓ کے ہمراہ روانہ ہوئے تھے اور اپنے عہد خلافت میں شاتم رسول ﷺ کے لیے سزائے موت کا حکم دیا تھا۔ ان واقعات کا تفصیلی ذکر گزشتہ باب میں آچکا ہے۔

خاندان نبوت ﷺ اور شاتم رسول:

حضرت امام باقرؓ سے روایت ہے کہ ایک ھذیلی حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "کون ہے جو اس کی خبر لے گا"۔ اس پر انصار میں سے دو صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ" ہم یہ فرض انجام دیں گے" چنانچہ وہ دونوں اس کی تلاش میں چل پڑے۔ جب وہ انہیں مل گیا اور انہوں نے پوری طرح اس کی شناخت کر لی تو اس کو قتل کر دیا۔

جناب امام جعفر صادق نے اپنے والد گرامی کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان کی ذات پاک پر سب و شتم کرنے والا واجب القتل ہے۔" (21)

دور امیہ اور عباسیہ:

دور ملوکیت میں عرب حکمرانوں کا طرز بود و باش اگرچہ سلاطین عجم کی طرح غیر اسلامی ہوتا جا رہا تھا' لیکن ملک کا قانون عام شریعت ہی کے تابع تھا۔ اس ضمن میں ہم ایک واقعہ "صاحب المصنف" ہی کے حوالہ سے یہاں نقل کر رہے ہیں' جو اس طرح بیان ہوا ہے۔

ایوب بن یحییٰ (جو عبدالملک کے دور حکومت میں حاکم عدن مقرر ہوئے تھے) جب عدن پہنچے تو ان کے سامنے ایک نصرانی کو لایا گیا' جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی۔ ایوب نے اس کے بارے میں عبدالرحمٰن صنعانی سے مشورہ کیا'

جنہوں نے اس جرم کی پاداش میں اس کے قتل کا فتویٰ دیا تو اسے قتل کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن صنعانی وہ بزرگ ہیں، جنہوں نے حضرت عمرؓ سے اکتساب علم کیا اور ان کے تربیت یافتہ ہیں۔ پھر ایوب نے اس بارے میں عبدالملک کو اس کی اطلاع دی جس نے جواب میں کہا کہ تم نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔

امام ابن حزم نے اپنی معرکتہ الارا تصنیف "المحلیٰ" میں ابن عبدالملک سے متعلق شاتم رسول کے بارے میں ایک اور واقعہ کا ذکر علی بن المدینی کے حوالہ سے اس طرح کیا ہے۔

"علی بن المدینی ایک مرتبہ خلیفہ ابن عبدالملک کے پاس آئے تو اس نے ان سے پوچھا، کیا تم کو کوئی ایسی حدیث معلوم ہے جو شاتم رسول ﷺ کے بارے میں مستند ہو۔ علی نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے عبدالرزاق بن ھمام صاحب المصنف کی وہ حدیث سنائی جس میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضور ﷺ کی حکم پر شاتم رسول کو قتل کیا تھا۔ جس پر خلیفہ نے علی بن المدینی کو خوش ہو کر ایک ہزار دینار بطور انعام دیئے۔" (22-الف)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں خلافت راشدہ کے اسلامی اقدار کی تجدید ہوئی اور قانون شریعت پھر سے، حکمران اور رعایا دونوں پر یکساں لاگو ہو گیا اور ساری اسلامی قلمرو میں یہ احکام جاری ہو گئے کہ عدل و انصاف قرآن و سنت کے مطابق کیا جائے اور کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہونے پائے۔ چنانچہ کسی حاکم صوبہ کو یہ جرات نہ تھی کہ وہ کوئی کام خلاف شریعت کرے۔ اس لیے کوفہ کے گورنر نے امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں مکتوب بھیج کر ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ یا انہیں گالی دی ہے۔ کیا وہ واجب القتل ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے لکھا کہ اس کی سزا موت نہیں کیونکہ صرف شاتم رسول ﷺ ہی شریعت کی رو سے واجب القتل ہے۔ (22-ب)

عباسی دور حکومت میں:

خلیفہ ہارون رشید نے چند فقہاء عراق کے حوالہ سے امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ

جو شخص سرکار رسالت مآب ﷺ کو گالی دے' اسے کیا سزا دی جائے۔ اس پر امام غضبناک ہوئے اور فرمایا اس امت کا کیا ٹھکانا جو نبی کریم ﷺ کی شان میں سب و شتم پر خاموش رہے' ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے اور جو صحابہؓ کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔ (23)

شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ائمہ فقہ کی نظر میں

شاتم رسول اور ائمہ فقہ:

تمام ائمہ فقہ، امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام داؤدؒ، امام ابن حزم، امام ابن تیمیہؒ (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور ان کے سارے صاحب علم و فضل شاگرد اس بات پر متفق ہیں کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجب القتل ہے اور یہ سزا اسے بطور حد دی جائے گی۔

فقہ حنفی:

"فتاویٰ بزازیہ" اور "تنبیہہ الولاۃ" جو فقہ حنفی کی معروف کتابیں ہیں، ان کی رو سے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سزائے موت بطور حد دی جائے گی۔ اس کی سند میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وہ فرمان ہے: جب آپؓ نے اپنے گستاخ کے قتل سے ابو برزہؓ کو منع کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ حق سوائے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کسی اور کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ امام ابو حنیفہؒ اور اہل کوفہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے اور یہی مذہب مشہور اور مذہب جمہور ہے۔ امام خیرالدین ربانی (حنفی) فتاویٰ خیریہ میں شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حداً واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ صدر الشہید حنفی کا "البحرالرائق" میں یہی فتوی ہے کہ شاتم رسول کو حداً قتل کیا جائے گا۔ امام ابو نصر حنفی اور علامہ ابو الیث سمرقندی حنفی بھی اسی کے قائل ہیں کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سزائے موت بطور حد دی جائے گی۔ البتہ چند فقہائے حنفیہ کا اگر کچھ اختلاف ہے تو وہ اس بات پر ہے کہ اگر شاتم رسول قبل الاخذ یعنی گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے تو یہ حد ساقط ہو جائے گی اور وہ سزائے موت سے بچ جائے گا۔ اس بارے میں بھی علمائے احناف کی اکثریت کا فتویٰ ہے کہ قبل الاخذ توبہ سے حد ساقط نہیں ہو گی اور شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستوجب سزائے موت ہو گا۔ بعد الاخذ یعنی گرفتاری کے بعد معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کچھ علمائے احناف کو اس مسئلہ پر جو اشتباہ پیدا ہوا ہے وہ ایک قول ہے جو امام ابو حنیفہؒ سے منسوب ہے۔ جس کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ آیا وہ قول امام صاحبؒ کا ہے بھی یا نہیں؟ خود

ان کے فاضل شاگرد امام ابو محمدؒ تو بلا استفسار قتل مرتد کو بھی مباح قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ مرتد اور شاتم رسول ﷺ میں واضح فرق موجود ہے۔ کیونکہ توہین رسالت کا جرم ارتداد سے بھی سنگین تر ہے۔ (24)

فقہ حنفی کے ایک اور مستند امام ابن عابدین کا ردالمحتار حاشیہ درمختار میں حسب ذیل فتویٰ درج ہے۔

"کافر کو سب و شتم النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ حد توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔" (25)

ابن الہمام فتح القدیر کی شرح میں لکھتے ہیں:

"جس نے رسول اللہ ﷺ سے دل میں بھی بغض رکھا' وہ مرتد ہو گیا اور شاتم رسول ﷺ تو اس سے بھی بدتر ہے۔ ہمارے نزدیک وہ واجب القتل ہے اور اس کی توبہ سے سزائے موت موقوف نہیں ہو گی اور یہ مذہب اہل کوفہ اور امام مالکؒ کا بھی ہے اور یہ حکم حضرت ابوبکرؓ سے منقول ہے۔ صدر الشہید حنفیؒ ' امام خیرالدین رملیؒ ' ابواللیث سمرقندی' امام نصرؒ کے علاوہ اکثر فقہائے احناف کا اس پر اتفاق ہے۔ (26)

نعمان عبدالرزاق السامری نے اپنے کتاب "احکام المرتد فی الشریعۃ الاسلامیہ" میں فقہ حنفی کے ایک بہت بڑے عالم علامہ محی الدین کی کتاب "السیف المشہور علی الزندیق اصحاب الرسول ﷺ " میں شاتم رسول ﷺ کے بارے میں علمائے احناف کی تحقیق کا مکمل اقتباس درج کیا ہے۔ جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"جہاں تک احناف کا تعلق ہے وہ مرتد کی توبہ کے قائل نہیں۔ اسی طرح وہ گستاخ رسول ﷺ کی توبہ کو بھی رد کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک توہین رسالت ﷺ ارتداد سے بھی سنگین جرم ہے۔ اس سلسلہ میں وہ علامہ محی الدین کی تحریر کو من و عن نقل کرتے ہوئے اسے بطور سند پیش کرتے ہیں۔"

"شاتم رسول کے بارے میں فتاویٰ بزازیہ سے واضح ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا انبیاء میں سے کسی کی شان میں گستاخی کرے اور انہیں برا بھلا کہے تو ایسے شخص کو بطور حد سزائے موت دی جائے گی اور وہ کسی صورت میں بھی اس کی توبہ قابل قبول نہیں" خواہ وہ گرفتار کر کے عدالت میں لایا جائے یا وہ خود توبہ کر کے عدالت میں پیش ہو جائے۔ کیونکہ حد اس پر واجب ہو چکی ہے۔ اس لیے توبہ سے وہ ساقط نہیں ہو گی۔

اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی شخص اس کے خلاف رائے دے گا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا حق ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ بندہ سے بھی متعلق ہے۔ بایں وجہ وہ توبہ سے زائل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ تمام حقوق العباد کا معاملہ ہے۔ قذف کی حد توبہ سے ساقط نہیں ہو جاتی۔ یہی مذہب ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا اور اسی کی روشنی میں علمائے روم آج تک فتوے دیتے آئے ہیں۔ آل عثمان سے قبل بھی اسی فتویٰ پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ اس فتویٰ کی علت سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی ہے۔ یہ دراصل انسانی حق ہے اور اس کی بدولت ایک نظام کی حفاظت ہوتی ہے اور یہ سزا ارتداد سے بھی روکتی ہے" (27)

فقہ حنفی کی ایک اور مستند کتاب "فتاوی قاضی خان" میں جو امام الحسن بن المنصور الاوزجندی کی تالیف ہے' ان باتوں کا صراحتاً ذکر ہے جن سے اہانت رسول ﷺ ہوتی ہے۔

ہندوستان کے درویش صفت' پابند شریعت اور غازی حکمران اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں جو فقہ مدون ہوئی تھی "فتویٰ عالمگیریہ" کے نام سے آج بھی موجود ہے اور برٹش راج سے قبل برصغیر ہند میں قانون ملکی کے طور پر نافذ رہی ہے۔ اس نیں بھی وہ جزیات تفصیلاً بیان کر دی گئی ہیں جن سے توہین رسالت ﷺ کا ارتکاب ہوتا ہے اور اس کا مرتکب تکفیر کی زد میں آتا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے (معاذ اللہ) یہ کہا محمد درویشک بود یا جامہ پیغمبر ریمناک بود یعنی۔ محمد (علیہ الصلوۃ والسلام) ایک حقیر درویش تھے یا ان کے کپڑے پیپ بھرے ہوئے تھے' تو بعض فقہاء کے نزدیک مطلقاً اس کی تکفیر کی جائے گی۔ یعنی اتنا کہہ دینے سے وہ مستوجب سزا ہو جائے گا مگر بعض فقہاء تکفیر کے لیے نیت کی شرط لازمی قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مثال سے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے جس کا نام "محمد" یا "احمد" ہے' اسے کوئی یہی نام لے کر گالی دے اس کی نیت اور اس کا مقصود توہین رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو تو ایسے شخص کی تکفیر کی جائے گی۔ اس کے لیے محیط کا حوالہ دیا گیا ہے۔ البتہ اکراہ یعنی جبر کی صورت میں کسی نے حضور ﷺ کو برا بھلا کہا تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ کسی شخص کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور اس نے اس جبر و اکراہ کی وجہ سے کہا ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ (28)

برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم دین علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے "اکفا الملحدین" میں لکھا ہے "شاتم رسول ﷺ کافر و مرتد قرار دیا جائے گا اور اس کا قتل واجب ہے اسے کوئی معافی نہیں دی جائے گی اور علماء کا اس پر اتفاق ہے اور جو شخص گستاخ نبوت کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی سرحد کفر میں داخل ہو جائے گا۔" اسی سلسلہ میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنے گستاخ کو معاف فرما دیں یا قتل کر دیں۔ چنانچہ یہ دونوں باتیں واقع ہوئی ہیں۔ لیکن امت پر شاتم رسول کا قتل واجب ہے اور شاتم رسول ﷺ کی توبہ قابل قبول نہیں ہے۔" (29)

اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے ممتاز عالم دین مولانا حسین احمد مدنیؒ شاگرد شیخ الہند حضرت محمود الحسنؒ نے گستاخ رسول ﷺ کے بارے میں قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ (30)

حضرت شیخ محمد محدث تھانوی کا فتوی ہے کہ ہر وہ شخص جو حضور ﷺ سے کوئی عیب منسوب کرے یا یہ کہے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جاننے والا ہوں، یا کسی اور کو حضور ﷺ پر فضیلت دے تو ایسا شخص تمام فقہاء کی نظر میں کافر ہے اور ایسے شخص کو قتل کیا جائے گا۔ (31)

فقہ مالکی:

ابو مصعب اور ابن ابی اویس نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ "جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا برا بھلا کہے، آپ ﷺ پر عیب لگائے یا آپ ﷺ میں کوئی نقص نکالے، اسے قتل کیا جائے گا۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔" امام احمد بن ابراہیم اس روایت میں اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ "حضور ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی کو گالی دینے والا بھی واجب القتل ہے۔" (32)

الشفا میں اصبغ کا یہ قول بھی درج ہے کہ شاتم رسول ہر صورت میں قتل کیا جائے گا چاہے وہ علانیہ گالی دے یا خفیہ طور پر اور اس کی توبہ قابل قبول نہیں۔ کیونکہ اس کی توبہ کا حال معلوم نہیں کہ وہ درست ہے یا صرف جان بچانے کی خاطر کی ہے۔ (33)

ابو سلیمان خطابی نے لکھا ہے "میں مسلمان علماء میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے کو قتل کرنے کا قائل نہ ہو جب کہ

وہ مسلمان ہو۔" (34)

ابن القاسم نے ابن سحنون کی کتاب کے حوالہ سے امام مالکؒ سے روایت کی ہے کہ "جو مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرے اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ یہی روایت مبسوط اور عتبیہ میں درج ہے۔ (35)

ابن سحنون مالکی کا فتویٰ تو یہ ہے:

"قال ابن سحنون المالکی اجمع المسلمون ان شاتمه کافر و حکمه القتل و من شك فی عذابه و کفره کفر۔"

"تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم رسول ﷺ کافر ہے اور وہ واجب القتل ہے۔ اور جو شخص اس کے کفر کے بارے میں یا اس کی سزا کے بارے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔"

ابوبکر بن منذر نے کہا ہے "اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو اسے قتل کر دینا چاہیے۔ یہ فتویٰ امام مالکؒ، لیث، امام احمدؒ، اسحاق وغیرہم کا بھی ہے اور یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔" (36)

ابراہیم بن حسین بن خالد الفقیہ اسی بات کے قائل ہیں کہ شاتم الرسول ﷺ کی سزا سزائے موت ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ عمل صحابہؓ سے ثابت ہے۔ چنانچہ اس بارے میں وہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے واقعہ کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو اس لیے قتل کیا تھا کہ اس نے خالدؓ سے گفتگو کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے ساتھی کہا تھا۔

مالکی مسلک کے مقتدر فقیہہ اور قرطبہ کی عدالت عالیہ کے نامور جج قاضی ابوالفضل عیاضؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "الشفاء" میں توہین رسالت ﷺ کے تمام پہلوؤں پر شرح و بسط سے گفتگو کرتے ہوئے شاتم رسول ﷺ کے جرم کو ناقابل معافی قرار دیا ہے۔ کتاب الشفا کے متعلقہ باب کو شامل کتاب ہذا کیا گیا ہے۔

مبسوط کے حوالہ سے انہوں نے لکھا ہے کہ جو شخص مسلمان ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے، وہ واجب القتل ہے یا اسے زندہ سولی دی جائے یا اس کی گردن مار دی جائے۔" (37)

مسلک شافعیؒ:

ابوبکر بن منذر کے حوالہ سے یہ بات ہم بیان کر چکے ہیں کہ شاتم رسول ﷺ کے بارے میں امام شافعیؒ کا مسلک بھی وہی ہے جو امام مالکؒ اور دوسرے ائمہ فقہ کا ہے۔ البتہ اختلاف صرف توبہ کے بارے میں ہے کہ کیا توبہ سے حد ساقط ہو جائے گی اور شاتم رسول ﷺ کی سزا معاف ہو جائے گی۔ کیونکہ کچھ فقہائے مذہب شافعی اور کچھ علمائے احناف کی رائے میں یہ توبہ قبل از گرفتاری ہے جو لائق معافی ہے۔ لیکن سب کا اس پر اتفاق ہے کہ مقدمہ دائر ہونے کے بعد توبہ قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ حضور ﷺ کی عدالت میں جب سرقہ کا مقدمہ دائر ہوا تو آپ ﷺ نے حد شرعی کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا تھا اور معافی کی درخواست پر اظہار ناراضگی فرمایا۔" (38)

امام ابوبکر الفارسیؒ، جن کا شافعی مسلک سے تعلق ہے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو واجب القتل قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اس اجماع سے ان کی مراد صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا اجماع ہے۔" (39)

امام محمدؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے امام مالکؒ کے شاگردوں سے سنا ہے کہ "جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے یا آپ کے علاوہ اور کسی نبی کی شان میں چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

اس کی سند میں ابن عمرؓ کی وہ روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے عیسائی راہب کی دشنام طرازی کے بارے میں سن کر فرمایا تھا کہ تم نے اسے قتل کیوں نہیں کر دیا۔

فقہ حنبلی:

عبداللہ نے امام احمد بن حنبلؒ نے دریافت کیا کہ شاتم رسول ﷺ کی توبہ کے بارے میں ان کا کیا فتویٰ ہے؟ جس پر امام نے فرمایا کہ اس پر قتل واجب ہو چکا ہے اور اس کی توبہ قابل قبول نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی، زبان درازی اور تنقیص کرنے والے کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ اس پر حد واجب ہو جاتی ہے اور یہ حد کافر اور مسلمان ہر ایک پر لاگو ہو گی۔ (40)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے جن کے پایہ کا فقہ حنبلی میں کوئی مجتہد نہیں اور جو

مجدد کے مقام و مرتبہ پر فائز ہیں شاتم رسول کے بارے میں ایک نہایت اہم اور معرکتہ الارا کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" لکھی ہے' جو اس مسئلہ پر مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس میں امام موصوف نے قرآن و سنت' تعامل صحابہ ؓ و تابعین اور دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ شاتم رسول ﷺ کو حداً سزائے موت دی جائے گی اور اس سلسلہ میں توبہ قبل الاخذ اور بعد الاخذ یعنی گرفتاری سے قبل یا گرفتاری کے بعد قبول نہیں کی جائے گی۔ انہوں نے صرف اس فتویٰ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب انہیں معلوم ہوا کہ ایک نصرانی نے رسول کریم ﷺ کی شان میں دشنام طرازی کی ہے تو وہ اسی وقت اپنی مجلس درس و تدریس سے اٹھے اور اپنے سینکڑوں پیروکاروں کے ساتھ حاکم دمشق کے پاس پہنچے اور جرم ثابت ہونے پر اس کے قتل کا مطالبہ کیا۔ اس وقت ان کے ہمراہ شیخ الحدیث علامہ زین الدین عبداللہ بن مروان الفارقی بھی تھے۔ وہ عیسائی' عوام کے غیض و غضب کے ڈر سے ایک بدوی کے گھر روپوش تھا۔ نائب السلطنت نے اس نصرانی اور اسے پناہ دینے والے بدوی کو اپنی عدالت میں طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس نے وہاں موجود شہریوں کے ساتھ تلخ کلامی کی' جس پر مجمع مشتعل ہو گیا اور انہوں نے وہیں پر سنگ باری شروع کر دی۔ جس پر نقص امن کی بنا پر حاکم دمشق نے امام ابن تیمیہ اور شیخ الحدیث دونوں کو گرفتار کر لیا اور ان پر تشدد کیا' جسے ان دونوں بزرگوں نے نہایت صبر و استقامت سے برداشت کیا۔ مقدمہ میں جب اس نصرانی نے صفائی پیش کی اور بری ہو گیا تو ان دونوں حضرات کو رہائی نصیب ہوئی۔ نائب السلطنت نے اپنے اس بے جا اور ناروا سلوک پر ان دونوں سے معذرت طلب کر لی۔" (41)

توہین رسالت ﷺ کے بارے میں ایک مقالہ مولانا عبدالقادر آزاد خطیب شاہی مسجد کا' اس کتاب میں شامل ہے۔ اس مقالہ میں انہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ امام موصوف نے چونکہ اس نصرانی کو قتل کر دیا تھا' اس لیے انہوں نے شاتم رسول کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ لیکن یہ بات تاریخی لحاظ سے درست نہیں۔ جس کی تائید مشہور مصری مورخ محمد ابو زہرہ کی کتاب حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے ہوتی ہے اس واقعہ کا ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ کی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" کا اقتباس بھی شامل کتاب ہذا ہے۔

عبدالرحمٰن الجزیری کی معروف کتاب "کتاب الفقہ" جو چاروں ائمہ فقہ کے

مذاہب کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے' اس کے جز پنجم میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبوت ایک اکتسابی شے ہے اور ریاضت سے اسے حاصل کیا جا سکتا ہے تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ اس نے نبی کریم ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی اور نبی کے آنے کا امکان ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے نبی کو گالی دینا جس کی نبوت پر تمام ملت اسلامیہ کا اتفاق ہو تو یہ بھی کلمہ کفر ہو گا۔ اسی طرح کسی نبی میں کسی قسم کا کوئی نقص نکالنا' خواہ وہ جسمانی عیب ہو۔ مثلاً انہیں لنگڑا' لولا کہنا یا ان کے علم کو ناقص بتلانا یا ان کے اخلاق پر طعنہ زنی کرنا' سب کفر کی تعریف میں آتے ہیں۔ کیونکہ ہر نبی
لحاظ سے بھی سب انسانوں پر افضل ہوتا ہے اور تمام انبیاء کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم پر جسمانی عیب سے پاک اور علم و اخلاق کے لحاظ سے سارے جہاں میں سب سے افضل' برتر و اعلیٰ ہیں۔ اس لیے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی صریحاً کفر و ارتداد ہے۔" (42)

باب دوم

کتابیات

(۱) القرآن ۳۳۔ ۵۷

(۲) ابن کثیر۔ تفسیر القرآن العظیم۔ ج ۳، ص ۱۱۲۔ ۱۱۳

(۳) امام ابو عبداللہ القرطبی الجامع الاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۴۱۔ ۴۲

(۴) القرآن ۳۳۔ ۵۶۔ ۵۷

(۵) القرآن ۳۳۔ ۶۱۔ ۶۲

(۶) امام ابوبکر جصاص الحنفی احکام القرآن ج ۱، ص ۶۶

(۷) امام فخرالدین رازی۔ تفسیر کبیر ج ۳، ص ۲۲۳

(۸) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن ج ۱ تفسیر سورہ بقرہ

۹ تا ۱۰ امام الشوکانی۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۲۴۔ ۱۲۵

(۱۱) علامہ آلوسی البغدادی۔ روح المعانی ج ۵، ص ۲۷۔ ۳۷

(۱۲) امام ابن تیمیہؒ۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۳۷۔ ۴۰

(۱۳) تفہیم القرآن ج ۵، ص ۸۴۔ ۸۵

(۱۴) الف۔ تفسیر کبیر ج ۶، ص ۲۲۵

(ب) بحوالہ تفہیم القرآن۔ ج۔ ۵، ص ۳۵۶

(۱۵) نقوش۔ اقبال نمبر ص ۵۴۔

(۱۶) سنن ابوداؤد۔ مترجمہ علامہ وحید الزمان ج۔ ۳، ص ۳۵۵

(۱۷) صحیح البخاری، کتاب المغازی ج۔ ۴ ص ۱۴۸۲

(۱۸) طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۳۷۴۔ ۳۷۵

(۱۸) الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص۔ ۶۱

(۲۰) امام طحاوی۔ طحاوی باب استباۃ المرتد

(۲۱) وسائل الشیعہ ج ۱۸۰، ص ۴۶۰
(۲۲)۔(الف، ب) امام ابن حزم المحلی ج ۱۱ ص ۴۰۹۔
(۲۳) ابوالفصل۔ قاضی عیاض اندلسی۔الشفا بتعریف حقوق المصطفی ج۔ ۲، ص ۲۰۵
(۲۴) امام مالک بن انس۔ الموطا مترجم علامہ وحید الزمان۔
(۲۵) ردالمختار حاشیہ در مختار۔ ج ۳، ص ۲۹۹
(۲۶) امام ابن ہمام۔ شرح فتح القدیر ج ۴، ص ۴۰۷ احکام المرتد فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۱۰۷
(۲۸) فتاویٰ عالمگیریۃ ج ۳۔ ص ۴۶۰
(۲۹) علامہ انور شاہ کاشمیری اکفاء الملحدین ص ۴۱، ۵۰، ۵۱
(۳۰) علامہ شبیر احمد عثمانی۔ الشہاب الثاقب ص۔ ۵۰
(۳۱) سنن نسائی۔ کتاب الحدود ج۔ ۲، ص ۱۵۳۔
(۳۲ تا ۳۷) الشفاء۔
(۳۸) فتاوی شامی ج ۳، ص ۳۱۸
(۳۹) السراج المنیر ج ۳، ص ۳۶۳
(۴۰) الصارم المسلول علی شاتم الرسول ص ۳۲۰۔ ۳۴۰
(۴۱) محمد ابو زہرہ۔ حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ترجمہ رئیس جعفری احمد
(۴۲) عبدالرحمن الجزیری۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ص ۸۰۵۔

باب سوم

توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم .... جرم و سزا

ابوالفضل قاضی عیاضؒ چیف جسٹس اندلس

ابوالفضل قاضی عیاضؒ کا متقدمین علمائے اندلس میں نہایت ممتاز مقام ہے آپ کی ولادت مراکش کے شہر سبتہ میں سال 496 ہجری میں ہوئی پھر سال 509 ہجری میں اعلیٰ تعلیم کے لیے اندلس چلے آئے' جو ان دنوں یورپ میں علوم و فنون کا مرکز تھا۔ اندلس میں آپ نے اساتذہ وقت سے علم حدیث کے علاوہ فن تفسیر' فقہ' ادب' نحو' انساب اور دیگر علوم متداولہ میں مہارت حاصل کر لی۔ آپ کا تعلق مالکی مکتب فقہ سے تھا مگر آپ نہایت وسیع النظر عالم وقت تھے۔ اس کے علاوہ آپ عربی کے بلند پایہ شاعر' خطیب اور ادیب بھی تھے اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ جذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار تھے اور آپ کی معرکتہ الآرا تصنیف "الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ" اسی عشق و عقیدت' احترام و محبت کا مظہر ہے اس کے باوجود آپ نے تحقیق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ آپ عدل و قضا کے منصب پر فائز رہے ہیں۔ سال 531 ہجری میں آپ اندلس کے عروس البلاد غرناطہ کے چیف جسٹس ہو گئے۔ متاخرین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نگاری اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و مرتبہ' احترام و فضیلت اور گستاخی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آپ کی اسی کتاب سے خوشہ چینی کی ہے اور یہ ابواب بھی ابوالفضل قاضی عیاضؒ کی کتاب الشفاء کے ابواب توہین رسالت کا ترجمہ ہیں جو مولانا سید متین ہاشمی مرحوم نے کیا ہے' جن کے اقتباسات نذر قارئین ہیں۔ ان اقتباسات میں اصل کتاب بھی مصنف کے پیش نظر رہی ہے اس لیے ترجمہ کو عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا کے بارے میں احکام

ابوالفضل قاضی عیاضؒ

"جان لو! (اللہ ہمیں اور تمہیں نیک توفیق دے)

جو شخص حضور ﷺ کو گالی دے۔ (العیاذ باللہ) یا آپ ﷺ پر عیب لگائے یا کسی نقص کی نسبت آپ ﷺ کی ذات یا نسب یا دین یا آپ ﷺ کی عادات میں سے کسی عادت کی طرف کرے یا آپ ﷺ کو بطریق گستاخی کسی چیز سے تشبیہ دے یا آپ کو ناقص کہے یا آپ کی شان کو کم کرے یا آپ ﷺ پر یا آپ ﷺ کی کسی بات پر عیب لگائے' تو گویا وہ شاتم النبی (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والا) ہے"۔ اس کے بارے میں وہی حکم ہے جو صراحتاً آپ ﷺ کو گالی دینے والے کا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا۔

اسی طرح جو شخص (العیاذ باللہ) آپ ﷺ پر لعنت کرے یا آپ ﷺ کے حق میں بددعا کرے یا آپ ﷺ کے لیے کسی ضرر کی آرزو کرے یا آپ ﷺ کی طرف ایسی شے کی نسبت کرے جو آپ ﷺ کی شان کے لائق نہ ہو اور اس کا مقصد آپ ﷺ کی برائی یا آپ ﷺ پر عیب لگانا ہو یا آپ ﷺ کی شان میں بیہودہ کلام کرے' آپ کو برا کہے یا بری بات بکے' یا جھوٹ کہے یا آپ ﷺ پر جو سختیاں یا مصیبتیں آئیں ان کی بناء پر عار دلائے یا بشریت کی وجہ سے عادتاً جو عارضے (از قسم بیماری' بھوک' وفات) آپ ﷺ کو لاحق ہوئے ان کی بناء پر آپ ﷺ کی قدر کو کم کرے' یہ سب ناجائز اور حرام ہیں اس پر علماء کرام اور صحابہ کرام سے لے کر آج تک جتنے فتویٰ دینے والے امام ہو کر گزرے ہیں' سب کا اتفاق واجماع ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا بھی تقاضا یہی ہے (کہ اسے قتل کر دیا جائے) اور تمام علماء کے نزدیک ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی نیز سفیان ثوریؒ اہل کوفہ اور اوزاعیؒ کا بھی یہی خیال ہے۔ البتہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ "یہ عمل ارتداد ہے۔" (یعنی آپ کی شان میں گستاخی کرنے والا مرتد کے حکم میں ہے) ولید بن مسلم نے امام مالکؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب سے بھی یہی روایت ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات

میں نقص نکالے یا آپ سے برأت کا اظہار کرے یا آپ ﷺ کی تکذیب کرے' بقول سحنون وہ آپ ﷺ کو گالی دینے والوں میں شمار کیا جائے گا اور یہ سارے کام ارتداد اور زندقہ کے ہیں۔ اسی بناء پر ایسے شخص سے توبہ کرانے اور اس کی تکفیر کرنے کے مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا اس کو قتل کر دینا حد شرعی ہے یا محض تکفیر ہی کافی ہے۔ لیکن اس معاملے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایسا شخص مباح الدم (جس کو مار ڈالنا جائز ہو) ہے۔ سلف امت اور تمام دیار وامصار کے علماء اس بات پر متفق ہیں' بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کے قتل و تکفیر پر اجماع ہے' بعض اہل ظواہر نے کہا ہے اور وہ ابو محمد علی بن احمد الفارسی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی تکفیر میں انہیں اختلاف ہے۔ لیکن مشہور بات وہی ہے جو محمد بن سحنون کے حوالے سے میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ "تمام علمائے امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شاتم النبی یا وہ شخص جو آپ ﷺ میں نقص نکالے' کافر اور مستوجب وعید عذاب ہے اور پوری امت کے نزدیک واجب القتل ہے۔ جو شخص ایسے شخص کے کافر اور مستحق عذاب ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔"

ابن القاسم نے عتبیہ میں لکھا ہے کہ "جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا آپ ﷺ پر عیب لگائے یا آپ ﷺ میں نقص نکالے' اسے قتل کیا جائے اور ساری امت کے نزدیک اس کو قتل کرنے کا حکم اسی طرح ہے جس طرح زندیق کو قتل کرنے کا' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کو فرض قرار دیا ہے۔"

امام احمد بن ابراہیم کی کتاب میں ہے کہ امام مالک ؒ نے فرمایا کہ "جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کسی اور نبی کو گالی دے اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے گی چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر۔"

عبداللہ بن عبدالحکم سے روایت ہے کہ "جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے' اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ نہ قبول کی جائے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔"

اشہب نے امام مالک ؒ سے اور امام مالک ؒ نے وھب سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر یا آپ ﷺ کی قمیض گندی میلی ہے اور اس سے اس کا ارادہ آپ ﷺ کی تحقیر کا ہو تو اسے قتل کیا جائے۔

ہمارے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ "جس شخص نے انبیاء

علیہم السلام میں سے کسی نبی کے لئے ویل (عذاب) یا برے امر کی بد دعا کی تو اسے بغیر توبہ کرائے قتل کرنا چاہیے۔"

ابو الحسن قابسی نے اس شخص کے بارے میں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہا کہ "آپ ﷺ حمال (1) (بوجھ ڈھونے والے) یا ابوطالب کے یتیم تھے۔" فتویٰ یہی ہے کہ اسے قتل کیا جائے (کیونکہ یہ کہہ کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا چاہتا ہے۔)

ابو محمد بن زید القیروانی نے اس شخص کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا جس نے کچھ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کے بارے میں گفتگو کرتے سنا تھا۔ عین اسی وقت ایک بدشکل اور بدہیئت آدمی وہاں سے گزرا تو اس نے کہا کہ "تم لوگ ان کا حلیہ معلوم کرنا چاہتے ہو؟" لوگوں نے کہا "ہاں۔" تو اس نے اس قبیح المنظر اور بدہیئت داڑھی والے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "وہ ایسے ہی تھے۔" ابو محمد بن زید نے کہا کہ اس کمبخت کی توبہ نہ قبول کی جائے' اس پر خدا کی لعنت ہو اس لیے کہ اس نے جو کچھ کہا' جھوٹ کہا اور یہ بات کسی ایسے آدمی کی زبان سے نہیں نکل سکتی جس کا ایمان سلامت ہو۔

احمد بن ابی سلیمان صاحب سحنون کہتے ہیں کہ "جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سیاہ تھا اسے قتل کیا جائے۔" انہوں نے اس شخص کے بارے میں (بھی قتل کا فتویٰ دیا) جس سے کہا گیا تھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔" تو اس نے جواباً کہا' "(العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا کرے۔" اور بہت بری بری باتیں کہیں۔ ابن ابی سلیمان نے اس آدمی سے جو اس سے مخاطب تھا کہا کہ میں تمہارا ساتھی اور گواہ ہوں۔ وہ اسے قتل کرنا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس کار ثواب میں حصہ لیں۔

حبیب بن الربیع کہتے ہیں (وہ یہ کہہ کر اپنی گستاخی کی تاویل کرنا چاہتا تھا) حالانکہ جس مقام پر کوئی واضح اور صریح لفظ استعمال کیا جائے' وہاں کسی تاویل کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور چونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کو ملحوظ نہیں رکھا اس لیے وہ مباح الدم تھا۔

ابو عبداللہ بن عتاب نے اس عشار کے بارے میں قتل کا فتویٰ دیا تھا جس نے عشر

وصول کرتے وقت ایک ایسے شخص سے کہا کہ "عشر تو پہلے ادا کردو' اس کے بعد شکایت کرنی ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دینا۔ میں نے اگر عشر طلب کیا ہے تو اس لیے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب کیا اگر میں جاہل ہوں تو (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاہل تھے اور انہوں نے بھی عشر طلب کیا تھا۔"

فقہائے اندلس نے بالاتفاق ابن حاتم طلیطلی کے قتل اور سولی دینے کا فتویٰ دیا تھا جس نے ایک مناظرے کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپ ﷺ کو یتیم اور علی کا خسر کہا تھا اور اس خیال کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ کا زہد اختیاری نہیں تھا بلکہ اگر آپ ﷺ کو دنیوی نعمتیں میسر ہوتیں' تو آپ ﷺ ان کو استعمال کرتے۔

قیروان کے فقہاء اور سحنون کے شاگردوں نے ابراہیم فزاری کے قتل کا فتویٰ دیا تھا۔ ابراہیم بہت سے علوم میں مہارت رکھنے والا شاعر تھا اور قاضی ابوالعباس بن طالب کی مجالس مناظرہ میں اکثر حاضر ہوا کرتا۔ اس پر یہ الزام عائد ہوا کہ اس نے اپنے بہت سے اشعار میں اللہ تعالیٰ' انبیاء علیہم السلام اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اسے قاضی یحییٰ بن عمر کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس وقت عدالت میں دوسرے بہت سے نامور فقہاء تھے' قاضی نے اس کی پھانسی اور قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب پھانسی کی لکڑی ہٹائی گئی تو وہ لکڑی خود بخود چکر کھانے لگی۔ جب اس کا چہرہ قبلہ کی طرف سے پھر گیا تو لکڑی ٹھہر گئی لوگوں نے اس واقعہ کو اللہ کی ایک نشانی سمجھ کر بلند آواز سے تکبیر کہی۔ اس کے بعد ایک کتا آیا اور ابراہیم کا خون پی گیا۔ یحییٰ بن عمر نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح ارشاد فرمایا ہے کہ "کتا مسلمان کا خون نہیں پیتا۔""

قاضی عبداللہ بن مرابط نے کہا ہے کہ "جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ سے فرار ہو گئے اس سے توبہ کرائی جائے اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ایک قسم کا عیب لگاتا ہے اور آپ ﷺ اس طرح کے عیوب سے مبرا تھے۔ آپ ﷺ کا ہر اقدام بصیرت کی بنیاد پر ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معصوم بنایا تھا۔"

حبیب بن ربیع فروی نے کہا ہے اور یہی امام مالکؒ اور ان کے شاگردوں کا مسلک

ہے کہ "جو شخص بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی قسم کا نقص نکالے اسے توبہ کرائے بغیر قتل کر دینا چاہیے۔"

ابن عتابؒ نے کہا ہے کہ "یہ بات قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچائے یا آپ ﷺ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ' صراحتاً یا کنایتاً کسی قسم کا نقص لگائے' چاہے وہ معمولی سا نقص ہی کیوں نہ ہو اس کا قتل واجب ہے۔" کیونکہ اس طرح کی تمام باتوں کو علماء نے "سب النبی" (حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دشنام طرازی) میں شمار کیا ہے متقدمین ومتاخرین علماء کے نزدیک بالاتفاق ایسا شخص واجب القتل ہے۔ البتہ قتل کا حکم عائد کرنے کے مسئلہ میں علماء نے اختلاف کیا ہے جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔

ایسے ہی میں کہتا ہوں کہ جو "شخص آپ ﷺ کو حقیر جانے یا آپ ﷺ کو بکریوں کے چرانے' سہو ونسیان اور جادو کے حملے یا آپ ﷺ کو زخم لگنے یا آپ ﷺ کے لشکر کی شکست یا دشمنوں کی ایذا رسانی یا آپ ﷺ پر مصائب وشدائد کے نزول یا عورتوں کی طرف آپ ﷺ کے میلان کے حوالے سے آپ ﷺ کو عار دلائے یا ہدف تنقید بنائے' تو ان سب باتوں کا حکم یہ ہے کہ جو شخص ان باتوں سے آپ ﷺ میں نقص نکالنے کا ارادہ کرے' وہ قتل کیا جائے۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ قابل قبول نہیں

امام مالکؒ ان کے ساتھیوں اور سلف کے علماء کا فرمانا یہ ہے کہ ایسے بدزبان اور اہانت کرنے والے کو' جو آنحضور ﷺ پر سب وشتم کرے اس کے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ سزا کے طور پر اس پر حد جاری کی جائے اور اس کو قتل کیا جائے' باوجودیکہ اس نے توبہ بھی کر لی ہو کیونکہ ایسے معاملات میں نہ تو اس کی توبہ قابل قبول ہو گی اور نہ اس کا رجوع اس کے لیے نفع بخش ہو گا۔

عدم قبولیت توبہ کی ایک اور دلیل

جناب محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ اس (نام نہاد) مسلمان کی توبہ' سزائے قتل کو باطل نہیں کرتی جس نے بارگاہ رسالت میں گستاخی کی ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس شاتم نے ایک دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار نہیں کیا۔ البتہ اس نے وہ جرم کیا ہے جس

کی سزا اسلامی معاشرے میں قتل ہے اور اس میں کسی معافی کی گنجائش نہیں۔

قاضی ابو محمد بن نصر کی رائے

اس شخص کی توبہ ساقط الاعتبار ہونے کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ بارگاہ احدیت اور بارگاہ رسالت میں گستاخ کے درمیان فرق مشہور قول کی بناء پر' توبہ کا قبول کرنا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم علیہ السلام نوع بشر سے ہیں اور بشریت کا خاصہ ولازمہ نقص ہے۔ ماسوا ان نفوس قدسیہ کے جنہیں اللہ رب العالمین نے منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہو اور اللہ تعالیٰ تمام عیوب ونقائص سے منزہ ومبرا ہیں اور اس کا تعلق قسم وجنس سے نہیں' جس کو جنسیت کے سبب نقص لاحق ہو۔ البتہ بارگاہ رسالت میں گستاخی اور ارتداد کی طرح سے نہیں کیونکہ مرتد ارتداد کے معنی میں منفرد ہوتا ہے اور اس میں کسی اور شخص کا حق متعلق نہیں ہوتا' لہٰذا اس کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔

لیکن سرکار دو عالم علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والے کا معاملہ دوسرا ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کا حق بھی متعلق ہو گیا اور یہ بات اسی طرح سمجھی جائے گی کہ جس طرح کسی نے اپنے ارتداد کے وقت کسی کو قتل کیا ہو یا کسی کو تہمت لگائی ہو۔ اس طرح اس کی توبہ اس مرتکب جرم سے حد قتل اور تہمت کو ساقط نہیں کر سکتی۔

توبہ کی عدم قبولیت کی ایک اور دلیل

یہاں یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ مرتد کی توبہ کی قبولیت کی وجہ سے اس کے جرائم کی وجہ سے جو حدود شرعیہ چوری' زنا وغیرہ اس پر قائم کی جانے والی ہوں' تو وہ اس سے ساقط نہیں ہوتیں اور یہاں اس مسئلہ میں جو حد گستاخ و شاتم پر قائم کی جا رہی ہے' وہ اس کے کفر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ حد قائم کیے جانے کی وجہ سے ہے کہ اس نے عظمت وحرمت نبوی کو کم کرنے کی کوشش کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ توبہ اس حد کو ختم نہیں کرتی۔

اگر اس قائل کی مراد یہ ہو کہ اس کے گستاخی کے کلمات ادا کرنا' کفریہ کلمات نہ تھے بلکہ اس کا یہ فعل تحقیر وتنقیص کی بناء پر تھا یا اس کے توبہ ورجوع کا اظہار اس کے ظاہری کفریہ کلمات کے ازالہ کے لیے تھا لیکن اللہ رب العالمین دلوں کے حال سے واقف ہے۔ اب (رجوع انابت اور توبہ کے بعد) گستاخی کا گناہ اور اس پر حکم شرعی

بجنسہ باقی رہے گا۔

ابو عمران قابس نے فرمایا ہے کہ جس نے سرکار دو عالم علیہ السلام کی بارگاہ میں گستاخی کی' بعد میں اس کی توبہ گرفتاری اور اس کے کفریہ اقوال پر شہادتیں گزرنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو یا وہ گرفتاری کے بعد بظاہر یا دل میں توبہ کرتا ہوا آئے تو اس کی توبہ حد کو ساقط نہیں کرتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حد واجب ہے اور دوسری حدوں کی طرح اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

شاتم کی وجہ قتل

شیخ ابوالحسن قابسی نے فرمایا کہ جب گستاخ شاتم اپنے جرم کا اعتراف کر کے اس سے رجوع کرے اور توبہ بھی ظاہر ہو جائے' جب بھی ارتکاب جرم کی وجہ سے اس کو قتل کی سزا دی جائے گی' کیونکہ اس جرم کی سزا قتل ہے۔ البتہ ابو محمد بن زید نے فرمایا کہ سزا کے بارے میں تو شک وشبہ کی بات نہیں ہے' البتہ اس کی توبہ وانابت کا معاملہ چونکہ اللہ اور اس کی درمیان ہے' اس لیے اس کی توبہ نفع بخش ہو جائے گی۔ (2)

موحد کی گستاخی کی سزا

ابن سحنون نے فرمایا ہے کہ اگر کسی موحد نے بارگاہ رسالت ﷺ میں گستاخی کی اور اس نے اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار بھی کر لیا' جب بھی اس کو سزائے قتل دی جائے گی اور اس کی توبہ اس کی سزا سے نہیں بچا سکتی۔

اس معاملہ میں یہ بات مدنظر رکھی جائے گی کہ توبہ انابت کے بعد اس کا علماء سے رجوع اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس کو اپنے فعل پر ندامت ہے اور اس طرح ہم اس کے دل کے حال سے واقف ہو گئے۔ برخلاف اس کے کہ جس پر دلائل وبراہین قائم ہوتے ہوں۔ وہ دائرہ اسلام سے بھی خارج ہو گیا' تو اس کی سزا قتل ہے اور اب اس کی توبہ بھی قبول نہ ہو گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو گالی دینا اس کے حقوق کی پامالی ہے اور اس گالی دینے والے کے ارتداد سے کسی دوسرے کا حق باطل نہیں ہوتا۔
اس جزیہ کی بناء پر ہمارے مشائخ کا فرمانا یہ ہے کہ اس قائل کو حد کی بناء پر قتل کیا جائے گا' ارتداد کی بناء پر نہیں۔

جو حضرت اس قائل کے ارتداد کو محل نظر قرار دیتے ہیں تو بصورت دیگر وہ حد

کے ظہور پر اس کی سزائے قتل کے قائل ہوں گے اور ہم دونوں حالتوں میں اس گستاخ کے قتل کا حکم کرتے ہیں۔

اگر وہ قائل ارتکاب جرم کا منکر ہے اور اس پر شہادت شرعی قائم ہو چکی ہے یا وہ توبہ و انابت کا اظہار کرتا ہے تو ہم حد شرعی کے طور پر اس کے قتل کا فتویٰ دیں گے کیونکہ اس کے خلاف کلمہ کفر کا کہنا ثابت ہو چکا ہے اور اس نے سرکار دو عالم ﷺ کے اس حق کی تحقیر کی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اعظم قرار دیا ہے۔

ایک اور اعتراض:

یہاں اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ آپ اس قائل کو کافر کہہ کر اس کے کفر پر شہادت لیتے ہیں لیکن توبہ کی قبولیت اور اس کے لوازم کے مسئلہ میں خاموشی اختیار کرتے ہیں اور کوئی حکم نہیں لگاتے اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب اعتراض:

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس کی وجہ قتل کفر کو قرار دیا ہے لیکن اس سے ہم اس کے توحید و رسالت کے اقرار کو، جس کا وہ اقراری ہے، قطع نہیں کرتے، باوجودیکہ وہ قائل اس کی شہادت کا جو اس کے لئے لازمی ہے منکر اور اس بات کا مدعی ہے کہ یہ کلمات اس سے غلطی اور معصیت کی وجہ سے صادر ہوئے ہیں اور وہ ان کلمات سے منحرف ہی نہیں بلکہ نادم بھی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ بعض اشخاص پر کفریہ کلمات اور ان کے احکام کو ثابت کرنا۔ اس بات کو مانع نہیں کہ اس کی دوسری خصوصیات کو بھی ثابت نہیں کیا جا رہا ہے۔ نہ تارک صلوٰۃ کا قتل لیکن جس شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے گستاخی کے کلمات اس اعتقاد سے کئے ہیں کہ معاذاللہ سرکار دو عالم ﷺ کو گالی دینا اور ان کی بارگاہ میں گستاخی کا ارتکاب جائز ہے لہٰذا اس اعتقاد کی بناء پر اس کے قتل کے حکم میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

شاتم رسول کافر ہے:

اس کلیہ کی بناء پر یہ کہنا درست اور ناقابل تردید ہے کہ (معاذاللہ) حضور ﷺ کو گالی دینا اور اسی طرح کفر ہے جس طرح کہ آپ ﷺ کی تکذیب کرنا یا آپ ﷺ کی

شخصیت کا انکار اور اسی طرح کے دوسرے امور۔ اب یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ اس قائل کلمات توہین کو حد کے طور پر قتل کیا جائے گا۔ باوجودیکہ کہ اس نے اپنے قول سے رجوع کیا ہو اور توبہ کی ہو کیونکہ ایسے کلمات کہنے والے کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اور توبہ کے بعد بھی اس کو اس کے ساتھ قول کی بناء پر اور سابقہ کفریہ کلمات کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔ رہا اس کی توبہ کا معاملہ تو وہ مشیت الٰہی پر منحصر ہے جو دلوں کے حال سے واقف ہے' خواہ وہ اس توبہ کو قبول فرمائے یا رد فرمائے۔

اب رہا اس شخص کا معاملہ جس نے توبہ کا اظہار نہیں کیا اور جس سلسلہ میں اس کے بارے میں شہادت پیش ہوئی' اس کا معترف بھی ہے اور اس پر قائم بھی رہا تو یہ شخص اپنے قول کی بناء پر کہ اللہ اور اس کے رسول کی حرمت کو حلال جان کر توہین کا ارتکاب کیا ہے' کفراً قتل کیا جائے گا۔

اس کی تفصیلی بحث کے بعد جناب مصنف فرماتے ہیں کہ اے عزیز گرامی آپ کے لئے لازم یہ ہے کہ علماء اسلام کے فرمودات کو اس کی تفاصیل کے ساتھ قبول کریں اور وہ مختلف عبارتیں جو استدلال میں بیان کی گئی ہیں' ان کو اختیار کریں۔ اس طرح انشاء اللہ صحیح مقصد تک رسائی حاصل ہو جائے گی۔(3)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ کی ذات گرامی اہل علم کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ وہ علوم معارف' دعوت و عزیمت اور تجدید و احیائے دین کے اس بلند ترین مقام پر فائز ہیں کہ سات صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک ان کا کوئی ہم پایہ اور ہمسر دنیائے اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔

علامہ شبلی نعمانی ؒ شیخ الاسلام ؒ کی ہمہ گیر شخصیت کے بارے میں بلامبالغہ بجا طور پر لکھتے ہیں:

"اسلام میں سینکڑوں' ہزاروں بلکہ لاکھوں علماء فضلاء' مجتہدین' ائمہ فن اور مدبرین گزرے لیکن مجدد بہت کم پیدا ہوئے۔"

مجدد کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں:

(1) مذہب' علم یا سیاست میں کوئی مفید انقلاب برپا کر دے۔
(2) جو خیال اس کے دل میں آیا ہو وہ کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہادی ہو۔
(3) جسمانی مصیبتیں اٹھائی ہوں' جان پر کھیلا ہو' سرفروشی کی ہو۔

تیسری شرط اگر ضروری قرار نہ دی جائے تو امام ابو حنیفہ ؒ' امام غزالی ؒ' امام رازی ؒ شاہ ولی اللہ ؒ اس دائرے میں آ سکتے ہیں لیکن جو شخص ریفارمر (مجدد) کا اصلی مصداق ہو سکتا ہے وہ علامہ ابن تیمیہ ؒ ہیں۔

"مجددیت کی اصلی خصوصیتیں جس قدر علامہ کی ذات میں پائی جاتی ہیں' اس کی نظیر بہت کم مل سکتی ہے۔"

امام ابن تیمیہ ؒ عشق رسول ﷺ میں ایسے سرشار تھے کہ گستاخ رسالت کی سرکوبی کے لئے انہوں نے نہ صرف شمشیر و قلم کو اپنی پوری قوت کے ساتھ استعمال کیا بلکہ جسم و جان کی ساری توانائیوں کو انہوں نے اس کے لئے کھپا دیا۔ "الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ' امام موصوف کی گراں مایہ تصنیف ہے جس کے ہر ہر حرف سے عشق رسول ﷺ کی چنگاری نکل رہی ہے' جو شکوک و شبہات کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ کتاب کا ترجمہ غلام احمد حریری نے کر کے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا جواز

شیخ الاسلام ابن تیمیہ

امام ابن تیمیہؒ کی کتاب کے اس باب کا ترجمہ پروفیسر جناب ضیاء المصطفیٰ نے بڑے ہی خوبصورت اور دلنشین انداز میں کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جتنے انبیاء و رسل بھیجے' وہ ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہیں اور تمام انبیاء میں حضور ختمی مرتبت جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و مرتبہ بلند تر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء اور کائنات کے ذرے ذرے کے رسول ہیں۔ کوئی شخص ان کی رسالت کا اقرار کرے نہ کرے ان کی رسالت سے باہر نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں' مکرم ہیں' معظم ہیں۔ تمام اوصاف حمیدہ اور شمائل طیبہ کے مجسم و پیکر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں کسی طرح کی معمولی سے معمولی بے ادبی سے انسان صرف دائرہ اسلام سے ہی نہیں خارج ہوتا بلکہ وہ انسانیت کے دائرے سے بھی باہر ہو جاتا ہے اور خالق کائنات جل و علا کو زمین پر اس کا وجود بھی گوارا نہیں۔ اس نے ایسوں پر لعنت کی بوچھاڑ کی ہے اور عذاب الیم ان کا مقدر ہے۔

ذیل میں وہ آیات و احادیث اور واقعات دیئے جا رہے ہیں' جن کو شیخ الاسلام امام تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام المعروف ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)" میں ذکر کیا ہے:

سورۃ توبہ آیت 61-63' سورۃ الاحزاب آیت نمبر 7۔ ان آیات سے یہ بات عیاں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت ہے۔ کیونکہ [illegible] ذا کا ذکر مخالفت کا متقاضی ہے۔ تو امر لازم ہے کہ مخالفت ایذا میں داخل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کلام کو اس طرح نہ لایا جاتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایذا اور محادہ (مخالفت) کفر ہے کیونکہ [illegible] کو دائمی رسواکن عذاب کی خبر دی گئی ہے' یہاں یہ نہیں فرمایا کہ اس کی [illegible] ہے۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے بلکہ المحادہ دشمنی ہے' کفر بھی ہے اور لڑائی [illegible]۔ یہ مجرد کفر سے زیادہ شدید ہے' زیادہ سخت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینا [illegible] کفر ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن اور ان سے جنگ اور لڑائی کرنے والا ہے۔

حدیث شریف میں ہے' ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سب و شتم سے کام لیتا تو آپ ﷺ فرماتے: من یکفینی عدوی۔ "میرے دشمن کو میرے لئے کون کافی ہو گا؟" (یعنی میرے دشمن کا خاتمہ کون کرے گا؟)

یہاں بھی عیاں' اوپر بھی بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں گستاخی کا مرتکب کافر ہے اور اس کا قتل کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان الذین یحادون اللہ و رسولہ اولئك فی الاذلین O

(المجادلہ:20)

"بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں' وہ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں۔"

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں زبان دراز اگرچہ مسلمان ہو' کافر ہو' بغیر کسی اختلاف کے قتل کیا جائے گا اور یہی ائمہ اربعہ وغیرہم کا مذہب ہے۔

امام احمد بن حنبل ؒ کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں زبان درازی کی یا تنقیص کا مرتکب ہوا مسلمان ہو یا کافر' اس کا قتل کرنا ضروری اور واجب ہو گا۔

(مصنف ابن تیمیہ ؒ) کہتے ہیں کہ اعتقاد یہ ہے کہ ایسے شخص کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

عبداللہ اور ابوطالب کی روایت میں ہے۔ حضور ﷺ کے بارے میں زبان درازی کرنے والے کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا کہ اسے قتل کیا جائے گا۔ ان سے کہا گیا کہ اس بارے میں احادیث ہیں' تو انہوں نے کہا۔ ہاں' اس بارے میں احادیث وارد ہیں۔ ان میں سے ایک نابینا کی حدیث ہے جس نے ایک عورت کو قتل کر دیا تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ میں نے اس عورت کو جناب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں زبان درازی کرتے سنا تھا۔

اور حصین سے مروی حدیث میں ہے کہ عبداللہ ابن عمر ؓ کہتے ہیں جس نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں زبان درازی کی تو اسے قتل کیا جائے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے' ایسے شخص کو قتل کیا جائے گا' اس لئے کہ جو نبی کریم ﷺ کے بارے میں زبان درازی کرتا ہے' وہ مرتد ہے' اسلام سے خارج ہے اور مسلمان حضور ﷺ کی شان میں کبھی بے ادبی نہیں کرتا۔ عبداللہ کہتے ہیں' میں نے اپنے والد سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو حضور ﷺ کی شان میں بے ادبی کرتا ہے' آیا اس کو توبہ قبول کرنے کے لئے کہا جائے گا؟ فرمایا' اس کا قتل واجب ہے اور توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ.........

حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک ایسے آدمی کو تہ تیغ کر دیا تھا جس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی اور انہوں نے اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت حضور نبی کریم ﷺ کو گالی دیا کرتی تھی۔ ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ حضور ﷺ نے اس کے خون کو رائیگاں فرمایا۔

مصنف کہتے ہیں کہ یہ حدیث شاتم رسول اللہ ﷺ کے قتل کے جواز پر نص ہے۔

حدیث ابو برزہؓ کے حوالہ سے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی توہین پر کسی کو قتل کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اگر کوئی زبان درازی کرتا ہے تو اسے آپ ﷺ کی خاطر قتل کیا جا سکتا ہے۔ آپ ایسے شخص کے قتل کا حکم کہاں فرماتے ہیں' جس کے قتل کی وجہ لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ لوگوں پر آپ ﷺ کی اس بارے میں اطاعت فرض ہے کیونکہ آپ ﷺ وہی حکم فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ جس نے رسول پاک ﷺ کی اطاعت کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

یہ حدیث حضور نبی کریم ﷺ کی دو خصوصیات کو واضح کرتی ہے:

(1) قتل کے سلسلے میں آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے۔

(2) یہ کہ اس آدمی کو قتل کیا جائے جس نے آپ ﷺ کی شان میں زبان درازی کی ہے۔

حدیث کا دوسرا مفہوم آپ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی

باقی ہے۔ جس نے بھی آپ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی' اس کا قتل جائز ہے بلکہ آپ کے اس دنیا میں تشریف لے جانے کے بعد اور زیادہ ضروری ہے کیونکہ آپ ﷺ کی حرمت اکمل ہے اور آپ ﷺ کی عزت کی خاطر کسی قسم کا تساہل ناممکن ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے بھی آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کی' اس کا قتل جائز ہے۔ اس حدیث کے عموم سے مسلمان اور کافر دونوں کے قتل کا استدلال کیا جائے گا۔

شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں سزائے موت کا مستحق ہے؟

الصارم المسلول کے اس باب کا فاضلانہ ترجمہ مولانا غلام احمد حریری نے کیا ہے' جس میں امام ابن تیمیہؒ نے درایت سے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزائے موت پر استدلال کیا ہے۔ یہاں بھی ان کی فقیہانہ اور اجتہادی شان نمایاں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا بصورت قتل متعین ہوئی۔ جیسا کہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے۔"

پہلی وجہ:

وہ آیات جو طاعن فی الدین (ایسا شخص جو دین پر طعنہ زنی کرے) کے قتل کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

دوسری وجہ:

اس شخص کا واقعہ جس نے عہد رسالت میں ایک یہودی عورت کو قتل کیا تھا اور اس عورت کے خون کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ھدر (رائیگاں) قرار دیا تھا۔ یہ حدیث بروایت حضرت علیؓ و ابن عباسؓ بیان کی گئی ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے سے صرف عہد ٹوٹتا اور اس کا قتل واجب نہ ہوتا تو یہ عورت بمنزلہ ایک کافر اور قیدی کے ہوتی۔ نیز یہ اس کافر عورت کی طرح ہوتی جو دارالاسلام میں داخل ہو اور اس نے عہد نہ کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی عورت کا قتل جائز نہیں۔

عورتوں کے لئے سب و شتم کی سزا:

صحیحین میں ہے' حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض غزوات میں ایک عورت کی لاش ملی' تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔ حضرت رباح بن ربیعؓ سے مروی ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک جنگ میں گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ مقدمتہ الجیش کے افسر تھے۔ حضرت رباح اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک عورت کی لاش پر ہوا جس کو مقدمتہ الجیش والوں نے قتل کیا تھا۔ وہ کھڑے ہو کر دیکھنے اور اس پر اظہار حیرت کرنے لگے۔ اندریں اثناء رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے آئے جو اپنی ناقہ پر سوار تھے۔ لوگ راستہ چھوڑ کر الگ ہو

گئے۔ رسول کریم ﷺ اس کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ "یہ عورت لڑتی تو نہ تھی۔" پھر ایک صحابی سے کہا۔ "خالد کے پاس جاؤ اور کہو: بچوں اور خادموں کو قتل نہ کرو۔" اس کو امام احمدؒ' ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے۔

ابن کعب بن مالک اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب اپنا لشکر خیبر میں ابن ابی الحقیق کے پاس بھیجا تو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔ اس مسئلہ میں احادیث مشہورہ منقول ہیں۔

اور یہ ان مسائل میں سے جس کو امت دین سلف سے نقل کرتی چلی آئی ہے۔ اس لئے کہ جنگ کا مقصد اعلاء کلمتہ اللہ ہے اور یہ کہ پورا دین اللہ کے لئے ہو جائے اور کوئی فتنہ باقی نہ رہے یعنی کوئی شخص دوسرے کو اللہ کے دین سے برگشتہ نہ کر سکے۔ ہم صرف اس شخص سے لڑتے ہیں جو اس میں رکاوٹ ڈالتا ہو اور وہ جنگجو آدمی ہو سکتا ہے۔ مگر جو شخص جنگ نہ کرتا ہو تو اس کو قتل کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مثلاً عورت' نہایت بوڑھا شخص اور راہب (تارک الدنیا) اور اس قسم کے دیگر اشخاص۔ البتہ عورت اگر لڑتی ہو تو بالاتفاق اسے قتل کرنا جائز ہے' کیونکہ اس میں وہ وصف موجود ہے جس کے نہ ہونے کی وجہ سے شارع نے اس کو قتل کرنے سے منع کیا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا: "یہ لڑتی تو نہ تھی۔"

مگر سوال یہ ہے کہ آیا عورت کو مرد کی طرح قصداً قتل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اسے روکنا اور ہٹانا مقصود ہے جس طرح قصداً حملہ آور کو دور ہٹایا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں متنازع فیہ ہے۔ جب عورت کے بارے میں ایسا حکم دیا گیا ہے اور دوسری عورت' رسول کریم ﷺ نے ایک ذمی عورت کے خون کو اس کے لئے ہدر ٹھہرایا تھا کہ وہ رسول کریم کو گالیاں دیتی تھی' حالانکہ اگر اس کو قتل کرنا حرام ہوتا تو آپ ﷺ اس کو برا بتلاتے' آپ ﷺ نے بعض غزوات میں مقتول پایا تھا' اگرچہ اس کی دیت یا کفارہ ادا نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے کہ رسول کریم ﷺ ایک برے فعل کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کا خاموش رہنا اس فعل کے جواز اور اباحت کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ دشنام دہندہ عورت قیدی اور کافر عورت کی مانند نہیں ہے کیونکہ ان کو قتل کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ گالی دینا بذات خود اس کو قتل کرنے کا موجب ہوا' جس طرح رہزنی کر کے کسی کو قتل کرنے کی صورت میں اس کو

قتل کرنا اجماعاً واجب ہے۔ زنا کرنے کی صورت میں بھی اسے قتل کرنا واجب ہے۔ نیز مرتد ہونے کی صورت میں اس کو قتل کرنا جمہور علماء کے نزدیک واجب ہے۔

ایک سوال:

اگر معترض کہے یہ ممکن ہے اس عورت کا نبی کریم ﷺ کو گالی دینا اس کے جنگ کرنے کے مساوی ہو۔ ایک معاہدہ عورت اگر جنگ کرے تو اس کا عہد اسی طرح ٹوٹ جاتا ہے' جیسے جنگجو مرد کا عہد لڑنے سے قائم نہیں رہتا۔ اندریں صورت وہ اس عورت کی مانند ہوگی جو جنگ میں عملی طور پر حصہ لیتی ہو اور اسے قیدی بنا لیا جائے تو حاکم کو اس کے بارے میں چار باتوں کا اختیار ہوتا ہے۔ جس طرح یہ اختیار حاکم کو اس آدمی کے بارے میں ہوتا ہے' جو لڑتا ہے اور اسے قیدی بنا لیا جائے۔

گالی دینے والی عورت کے قتل کا جواز:

اس سوال کا جواب کئی طرح سے دیا جاتا ہے:

پہلا جواب:

اس عورت سے صرف یہ قصور سرزد ہوا کہ اس نے اپنے مسلم آقا کی موجودگی میں رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیں' جب کہ مشرکین میں سے کوئی بھی جنگ کرنے کے لئے موجود نہ تھا۔ نہ ہی اس عورت نے کسی طرح مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص نہ اپنے ہاتھ سے جنگ کرے نہ زبان سے اس میں حصہ لے' اس کو مقاتل نہیں کہا جا سکتا۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ جس کو قتل کرنا جائز نہیں مثلاً راہب' اندھا' شیخ فانی' اپاہج اور اس قسم کے لوگ جو لڑائی کے بارے میں رائے دے سکتے ہوں اور زبان سے مسلمانوں کے خلاف مدد دے سکتے ہوں تو ان کو مقاتل تصور کیا جائے گا۔ مگر مسلمانوں کی ایک جماعت کے نزدیک ایک عورت کا صرف رسول کریم ﷺ کو گالی دینا اس ذیل میں نہیں آتا بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا رسانی ہے جو بعض وجوہ سے بھی بلیغ تر ہے۔ اگرچہ قتل کی سزاوار نہیں تو کافرہ عورت کو مقاتلہ ہونے کی وجہ سے کیا جاتا' حالانکہ اس نے جنگ نہیں کی اور یہ ناروا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینا اگرچہ قتال نہیں' تاہم قتل کا موجب ضرور ہے۔ جب کوئی شخص کفار کو

مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کر ان سے لڑائی کرنے پر آمادہ کر رہا ہو تو یہ بھی ایک طرح کا قتال ہے' اگرچہ اس کو قتال معروف شمار نہیں کیا جاتا۔

دوسرا جواب:

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا بعض وجوہ کے پیش نظر مسلمانوں کے خلاف جنگ پیمائی کے مترادف ہے' جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے لکھا تھا کہ انبیاءؑ کی حد شرعی عام حدود کی طرح نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلم انبیاء کرام کو گالی دے تو وہ مرتد ہے اور اگر معاہدہ گالی نکالے تو وہ محارب اور عہد شکنی کرنے والی ہے' بلکہ یہ حرب و ضرب کی شدید ترین قسم ہے۔

تیسرا جواب:

گالی دینے کے فساد کا ازالہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔ اس لئے کہ اگر اسے زندہ رہنے دیا گیا تو وہ اور اس جیسی دیگر عورتیں گالی دینے میں دلچسپی لینے لگیں گی' جو عظیم ترین فساد فی الارض اور رہزنی کرنے والے کے برابر ہے۔ برخلاف جنگجو عورت کے' جسے قید کر لیا جائے کہ اس کی جنگ آزمائی کا فساد اس کو قید کرنے سے زائل ہو گیا۔ غلامی کی حالت میں لڑنا اس کے لئے ممکن نہیں' البتہ وہ سب و شتم کا اظہار کر سکتی ہے۔ بدیں وجہ اس کا گالی دینا ایسے جرائم میں سے ہے جو سزا کے موجب ہیں اور اس کی خرابی اسی صورت میں دور ہو سکتی ہے کہ اس کو شرعی سزا دی جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ذمی عورت رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتی ہے' اس حربی عورت کی مانند نہیں جو قید کئے جانے کی صورت میں لڑتی ہو' بلکہ یہ اس ذمی عورت کی طرح ہے جو رہزنی اور بدکاری کا ارتکاب کرتی ہو۔

چوتھا جواب:

اس حدیث میں ایک حکم کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ قتل ہے جس کا سبب گالی دینا ہے۔ لہٰذا حکم کی نسبت سبب کی طرف واجب ہے اور اصل چیز حکم کو ایجاد کرنا ہے۔ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ سبب کوئی اور حکم ہے' وہ دلیل کا محتاج ہے اور اس کو قیدی عورت پر قیاس کرنا درست نہیں' جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

پانچواں جواب:

اگر وہ قیدی عورت کی مانند ہوتی تو اس کا اختیار حاکم وقت کو دیا جاتا اور معیت کے کسی فرد کو امور چہار گانہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار نہ ہوتا اور جو بھی اس عورت کو قتل کرتا تو اس کی قیمت ضمان کے طور پر مسلمانوں کو ادا کرنا پڑتا اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس عورت کی حیثیت "فے" (وہ مال جو لڑے بغیر کفار سے حاصل ہو) کی ہو اور اگر اس کی حیثیت مال غنیمت کی ہو تو اس کی قیمت مجاہدین کو ادا کی جائے گی۔ اس سے مستفاد ہوا کہ اس کو قتل کرنا ایک طے شدہ بات ہے۔(5)

وجوب قتل کے دلائل شرعیہ:

(الف) رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی اس لئے دعوت دی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ستایا کرتا تھا۔ اسی طرح جو شخص بھی آپ ﷺ کو گالی دیتا یا آپ ﷺ کی ہجو کہتا آپ ﷺ اس کو قتل کرنے کا حکم دیا کرتے تھے' ماسوا اس شخص کے جس پر قابو پانے کے بعد آپ ﷺ اسے معاف کر دیں اور رسول کریم ﷺ جس بات کا حکم دیں اس کی تکمیل واجب ہوتی ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ دشنام دہندہ کو قتل کرنا واجب ہے۔ اگرچہ دیگر محاربین کا قتل واجب نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت و حیات سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے کسی گالی دینے والے کو قابو پا کر معاف کر دیا' ماسوا اس کے جو توبہ کر لے یا منافقین میں سے ہو۔ امر بالجہاد اور اقامت حدود کی تعمیل کے لئے یہ بات مناسب بھی ہے' اسی لئے یہ واجب ہے۔ اس کی مؤید یہ بات ہے کہ اس کو قتل نہ کرنے سے اللہ و رسول ﷺ کی نصرت کا ترک لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔

(ب) اقوال صحابہ جو کہ تعین قتل کے سلسلہ میں نص کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً جناب فاروق اعظمؓ کا یہ قول کہ:

"جس نے اللہ کو یا اس کے کسی نبی کو گالی دی اسے قتل کر دو۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ نے بطور خاص اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباسؓ

فرماتے ہیں:

"جو معاہدہ عناد رکھتا ہو اور اللہ یا اس کے کسی نبی کو گالیاں دے یا علانیہ ایسا کرے تو اس نے عہد توڑ دیا اسے قتل کر دو۔"

تو گویا حضرت ابن عباسؓ نے گالی دینے کی صورت میں معاہد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے المہاجر کو اس عورت کے بارے میں لکھا تھا جس نے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دی تھیں۔ فرماتے ہیں:

"اگر وہ بات نہ ہوتی جو پہلے تم اس عورت کے بارے میں کر چکے ہو تو میں تجھے اس کے قتل کا حکم دیتا' اس لئے کہ انبیاء کی وجہ سے جو حد لگائی جاتی ہے وہ عام حدود کی طرح نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مسلم ایسا کرے تو وہ مرتد ہو گا اور اگر معاہد اس کا مرتکب ہو تو وہ محارب اور عہد شکن ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا "اس عورت کو قتل کرنا بطور خاص واجب تھا بشرطیکہ یہ موقع چلا نہ گیا ہوتا۔" اس میں حاکم وقت کو کوئی اختیار نہیں دیا گیا۔ خصوصاً جب کہ دشنام دہندہ عورت ہو۔ یہ واقعہ تنہا اس کی دلیل بن سکتا ہے' جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے اس راہب کے بارے میں کہا تھا کہ جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔

"اگر میں اس کی بات سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا۔"

اور اگر وہ راہب اس قیدی کی طرح نہ ہوتا جس کے بارے میں حاکم کو اختیار ہے تو ابن عمرؓ کے لئے اس کو قتل کرنا جائز نہ ہو گا اور یہ دلیل واضح ہے۔

(ج) جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر عہد شکنی کرتا ہے' تو اس کا حال اصل حربی کافر سے شدید تر ہے اور وہ شخص دین کو ہدف طعن بنا کر اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دے کر ہمارے عہد سے نکل جائے' اسے عبرت خیز سزا دینا واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

ان شر الدواب عنداللّٰہ الذین کفروا فھم لا یومنون۔

(الانفال:55)

(اللہ کے نزدیک جو لوگ کافر ہو گئے چوپایوں کی مانند ہیں' وہ ایمان نہیں لائیں گے۔)

اس قسم کی آیات میں اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اگر تم جنگ میں ان لوگوں کو پاؤ تو (اتنی عبرتناک سزا دیجئے) کہ ان کے پچھلے بھی بھاگ جائیں ممکن ہے کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یعنی ایسا سلوک کیا جائے کہ دوسرے لوگوں کا شیرازہ ہی اس کو معلوم کر کے بکھر جائے۔

قرآن میں فرمایا:

"تم اس قوم سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ دیا اور رسول ﷺ کو نکال دینے کا ارادہ کیا اور انہوں نے ہی پہلی مرتبہ اس کا آغاز کیا تھا۔" (سورۃ توبہ:13)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے لڑنے کا حکم دیا جو اپنی قسموں کو توڑنے اور رسول کریم ﷺ کو یہاں سے نکال دینے کا ارادہ کرتے ہیں اور انہوں نے ہی نقض عہد کا ارادہ کیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہے' وہ رسول ﷺ کو نکالنے کا ارادہ کرنے اور پہلی مرتبہ اس کا آغاز کرنے سے بھی عظیم تر جرم ہے۔ قرآن میں مزید فرمایا:

"ان سے لڑائی کیجئے' اللہ ان کو تمہارے ہاتھ سے سزا دے گا' انہیں رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ عطا کرے گا اور اہل ایمان کے سینوں کو شفا دے گا اور تمہارے دلوں کے غصے کو دور کرے گا۔ (التوبہ:14-15)

اور یہی حال ہے ان کفار کو عبرتناک سزا دینے کا جو گالی دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ مقصد اسی صورت میں پوری طرح حاصل ہوتا ہے' جو شخص ایک طاقتور گروہ کے اندر رہ کر عہد شکنی کرے اور ہم ان میں سے کسی ایک کو گرفتار کرلیں تو وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ ان کے خلاف لڑنے اور ان پر غلبہ پانے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ناقض عہد کے خلاف قتل و قتال ازبس ناگریز ہے' اس لئے کہ مقصد اسی طرح حاصل ہوتا ہے۔ اس طریقہ میں اگرچہ ہر ناقض عہد شامل ہے جو ایذا دے کر اپنا عہد توڑتا ہے' مگر یہاں اس کا ذکر خصوصی دلالت کی وجہ سے کیا جاتا ہے'

اس لئے کہ یہ دلالت عام بھی ہے اور خاص بھی۔

جب ذمی یا معاہد نبی کریم ﷺ کو گالی دے گا تو اس سے دو امر ظاہر ہوں گے:

(1) ہمارے اور اس کے درمیان جو عہد ہے وہ ٹوٹ جائے گا۔

(2) وہ رسول کریم ﷺ کی بے حرمتی کی جسارت کر کے اللہ' اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کو ایذا دیتا اور دین کو ہدف طعن بناتا ہے اور یہ بات اس کے کافر ہونے اور محض عہد توڑنے سے بڑھ کر ہے۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ وہ مسلم عورت کے ساتھ زنا کر کے' رہزنی اور قتل کر کے' مسلمانوں کا مال لے کر اور ان کو قتل کر کے عہد شکنی کا مرتکب ہو۔ اندریں صورت اس کا فعل عہد شکنی کے علاوہ ایک اور جرم پر بھی متضمن ہے۔ اس لئے کہ زنا' رہزنی اور قتل بذات خود ایک جرم ہے' مگر نقض عہد ایک جداگانہ جرم بھی ہے۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ کی دشنام طرازی بذات خود' نقض عہد سے ایک الگ جرم ہے۔ اس کی ایک جداگانہ سزا ہے جو دنیا و آخرت میں دی جاتی ہے۔ یہ سزا رسول کریم ﷺ کی نبوت کی تکذیب کی سزا سے ایک الگ سزا ہے۔ اس کی دلیل مندرجہ ذیل آیات ہیں:

"بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتے ہیں' اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار ہے۔" (الاحزاب:57)

اس آیت میں دنیا اور آخرت کی لعنت اور رسوا کن عذاب کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایذا کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ایذا رسانی ہی اس کی موجب ہے۔

قرآن میں مزید فرمایا:

"اگر عہد باندھنے کے بعد اس کو توڑ ڈالیں اور دین پر طعنہ زن ہوں تو بڑے بڑے کافروں کو قتل کر دو' ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں ہو سکتا کہ وہ باز آئیں۔" (التوبہ:12)

مندرجہ صدر آیات کی توضیح پیچھے گزر چکی ہے۔

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ رسول کریم ﷺ جب مکہ میں داخل

ہوئے تو ان لوگوں کو امان دی جو قبل ازیں آپ ﷺ سے برسرپیکار رہا کرتے تھے اور جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑ کر خیانت کا ارتکاب کیا تھا' ماسوا چند لوگوں کے جن کو آپ ﷺ نے امان نہیں دی تھی۔ ان میں سے دو لونڈیاں تھیں جو آپ ﷺ کی ہجو پر مشتمل گیت گایا کرتی تھیں۔ ایک عورت سارہ تھی جو بنی عبدالمطلب کی آزاد کردہ لونڈی تھی اور مکہ میں آپ ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھی۔ اندریں اثناء آپ ﷺ نے ہجو گوئی کرنے والی عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا' حالانکہ عورت کو قتل کرنا اس وقت جائز ہے جب وہ مصروف حرب و پیکار رہی ہو۔

رسول کریم ﷺ نے سب اہل مکہ کو امان دی۔ حتیٰ کہ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے جنگ لڑی اور عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ ایسا کرنے والے مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجو گوئی ایک ایسا جرم ہے جو تنہا حرب و قتال سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ دو متماثل امور میں تفریق رسول کریم ﷺ کا شیوہ نہیں ہو سکتا' جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ اس نے ایک مسلم کو قتل کیا تھا۔ علاوہ بریں وہ مرتد تھا اور آپ ﷺ کی ہجو گوئی کیا کرتا تھا اور قتل' ارتداد اور ہجو گوئی میں سے ہر جرم ایسا ہے کہ وہ کفر اور جنگ لڑنے سے بھی بدتر جرم ہے۔ اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ان آدمیوں کے قتل کا حکم دیا تھا جو فتح مکہ کے بعد بھی آپ ﷺ کو ستایا کرتے تھے۔ مثلاً ابن الزبعری' کعب بن زہیر' حویرث بن نقید' ابن خطل و دیگر اشخاص۔ حالانکہ آپ ﷺ نے سب شہر والوں کو امان دے دی تھی۔

رسول اکرم ﷺ نے ابوسفیان بن حارث کے خون کو ھدر قرار دیا تھا اور ابوسفیان اور عبداللہ بن امیہ کو شرف باریابی حاصل کرنے سے اس لئے منع کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی توہین کیا کرتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ان قیدیوں میں سے صرف ابن ابی معیط اور النضر بن الحارث کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ دوسرے قیدیوں کے بارے میں یہ حکم نہیں دیا تھا اور جو جو شخص ایسے اشخاص کو قتل کرنے میں اپنی جان دے دے' اسے آپ ﷺ اللہ اور اس کے رسول کا حامی و ناصر قرار دیتے تھے۔ اپنے ایذا دینے والے کو آپ ﷺ نے قتل کروا دیا۔ فرمایا کرتے تھے:

کون ہے جو مجھے میرے دشمن سے بچائے۔"

آپ ﷺ کے صحابہؓ بھی ایسے موذی کو قتل کرنے میں تیزی سے کام لیا کرتے تھے' چاہے وہ ان کا باپ ہو یا کوئی اور (قرابت دار) ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اس قسم کے لوگوں پر جب قابو پاتے تو ان کو قتل کرنے کی منتیں مانتے۔

ظاہر ہے کہ ایسے لوگ اگر عام غیر معاہد کفار کی طرح ہوتے تو آپ ﷺ انہیں قتل نہ کرتے اور نہ ان کو قتل کرنے کا حکم دیتے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ آپ نے سب لوگوں کو امان دے دی تھی اور ان جیسے لوگوں سے اپنا ہاتھ روک لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینا کفر سے بڑھ کر جرم ہے۔ قبل ازیں اس پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ایک دانا آدمی مطمئن ہو جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ایک ایسا جرم ہے' جو تمام جرائم کی نسبت زیادہ گھناؤنا اور قبیح ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والا ایک ایسی سزا کا مستحق ہوتا ہے کہ دیگر جرائم پیشہ لوگ اس کا استحقاق نہیں رکھتے۔ وہ ایسا حربی کافر ہی کیوں نہ ہو' جو مسلمانوں کے ساتھ نبرد آزمائی میں مبالغہ کی حد تک منہمک ہو۔ نیز ایسے شخص سے انتقام گیری کی دین میں سخت تاکید کی گئی ہے۔ اس کا خون بہانا افضل الاعمال میں سے ہے اور اس لائق ہے کہ اس میں ممکنہ سرعت و عجلت کر کے رضائے خداوندی حاصل کی جائے۔ یہ بلیغ ترین جہاد ہے' جس کو اللہ نے اپنے بندوں پر لکھ رکھا اور اسے فرض قرار دیا ہے۔

گالی دینا ایک جداگانہ جرم ہے' وہ یہ ہے کہ اگر ذمی اہل اسلام یا معاہدین میں سے کسی کو گالی دے اور عہد کو توڑ ڈالے تو گالی دینے کی وجہ سے وہ اس سزا کا مستحق ہو گا' جس کا مستحق وہ محض نقض عہد کی وجہ سے نہیں ہو گا۔ پس رسول کریم ﷺ کو گالی دینا عام آدمی کو گالی دینے سے مختلف فعل ہو گا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ دشنام دہندہ کی گالی اور ہجو سے رسول کریم ﷺ کو اسی طرح الم رنج ہوتا ہے جس طرح اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ آپ ﷺ کے خون اور مال میں تصرف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے غیبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیه میتا فکرهتموه

"کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے جب کہ وہ مر چکا ہے۔ پس تم اسے ناپسند کرو گے۔" (الحجرات:12)

اس آیت کریمہ میں غیبت کو' جو کہ صحیح معنے میں ایک کلام ہے اس شخص کا گوشت کھانے کے برابر دیا گیا ہے جس کی چغلی کھائی گئی' جب کہ وہ مرا پڑا ہو۔

جب غیبت کا یہ حال ہے تو پھر بہتان طرازی کی کیا کیفیت ہو گی؟ ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا بہتان طرازی کے سوا اور کیا ہے؟ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں رسول کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی طرح ہے۔"

گالی دینے سے دوسرے لوگوں کو بھی دکھ پہنچاتا ہے اور جس طرح اس سے تمام مومنوں کو الم و رنج پہنچتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کو بھی دکھ پہنچتا ہے۔ کفر و محاربہ سے کسی انسان کو اتنی اذیت نہیں پہنتی جتنی اس صورت میں پہنچتی ہے جب کہ اس کے ساتھ جنگ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے عزتی بھی کی جائے۔

اگر معترض کہے کہ جو شخص عہد شکنی کر کے رسول کریم ﷺ کی بے عزتی کرے وہ اس شخص کی مانند ہے جو عہد شکنی کا مرتکب ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ رسول کریم ﷺ کی بے عزتی کرنا اور آپ کو ایذا دینا ایک ایسا جرم ہے' جس کا رسول کریم ﷺ کی خصوصیت اور آپ ﷺ کی ایذا رسانی کی خصوصیت کے اعتبار سے کوئی بدلہ موجود ہی نہیں۔ گویا یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص کسی نبی کو قتل کر دے تو اس کے قتل کی سزا اتنی شدید ہے کہ وہ کفر و محاربہ سے بھی شدید تر ہے۔ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے۔ اس لئے کہ انبیاء کا خون اور ان کی ناموس مومنین کے خون اور ناموس سے اولیٰ و افضل ہے۔

حقوق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دشنام طرازی

اس کی توضیح یہ ہے کہ متعدد حقوق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشنام طرازی کے ساتھ وابستہ ہیں:

(1) ایک تو اللہ کا حق اس سے وابستہ ہے۔ اس لئے کہ گالی دینے والے نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا اور اس کے افضل ترین دوست سے اظہار عداوت کیا۔ نیز اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ کیا۔

(2) اس نے اللہ کی کتاب اور اس کے دین پر طعن کیا اس لئے کہ دین اسلام اور کتاب اللہ کی صحت کا انحصار رسالت کی صحت پر ہے۔

(3) اس نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو ہدف طعن بنایا۔ اس لئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدف طعن بنانا اس کو بھیجنے والے پر طعن ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب اور اس کی رسالت کا انکار اس کو بھیجنے والے کی تکذیب اور انکار ہے۔ یہ انکار کلام الٰہی' اس کے اوامر و اخبار اور اس کی صفات سب کے انکار پر مشتمل ہے۔

(4) اس کے ساتھ اس امت اور دیگر امم کے ساتھ تمام مومنین کا حق شامل ہے۔ اس لئے کہ تمام اہل ایمان اس پر ایمان رکھتے ہیں خصوصاً اس کی امت کے مومنین' کیونکہ ان کے دین و دنیا اور آخرت کے جملہ امور اس سے وابستہ ہیں۔ بلکہ یوں کہیے کہ دنیا اور آخرت میں ان تک جو بھلائی پہنچتی ہے ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وساطت اور شفاعت کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا ان کی اپنی ذات کو گالی دینے' ان کے آباء و ابناء اور جمیع الناس کو گالی دینے سے شدید تر جرم ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے نزدیک ان کے نفوس' ان کی اولاد' ان کے آباء اور سب لوگوں کی نسبت محبوب تر ہیں۔

(5) نیز اس کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے اعتبار سے بھی متعلق ہے۔ اس لئے کہ کسی شخص کو جتنا دکھ اپنی بے حرمتی سے ہوتا ہے' کسی کا اس کا مال لینے سے یا مار پیٹ سے اتنا الم و رنج نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات کسی کے زخمی کرنے سے اتنا دکھ نہیں ہوتا۔ خصوصاً اس شخص کے لئے جس پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال عز و شرف اور علو مرتبت کا اظہار وجوب کا درجہ رکھتا

ہو اور یہ وجوب اس لئے ہے تاکہ لوگ دنیا و آخرت میں اس سے مستفید ہوں۔ نبی کی بے آبروئی بعض اوقات اس کے نزدیک اس کو قتل کرنے سے بھی عظیم تر (جرم) ہوتا ہے کیونکہ کسی نبی ﷺ کو قتل کرنے سے اس کی نبوت و رسالت اور اس کی علومرتبت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح نبی ﷺ کی وفات سے اس کے درجات میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ برخلاف بے آبروئی کے کہ اس سے بعض لوگوں کے نفوس میں اس کے خلاف نفرت اور بدگمانی کے احساسات کروٹ لیتے ہیں' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے ایمان میں فساد رونما ہو کر ان کے لئے دنیا و آخرت کے خسارے کا موجب ہوتا ہے۔ پھر یہ کیونکر درست ہے کہ ایک دانش مند آدمی یہ سمجھے کہ یہ جرم اسی نوعیت کا ہے جیسے کوئی ذمی دارالاسلام میں سکونت گزیں ہو اور پھر وہ دارالحرب کو وطن بنا لے۔ حالانکہ دارالحرب میں چلے جانا بطور خاص نہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق ہے اور نہ کسی مسلم کا۔ زیادہ سے زیادہ (اس سے جو جرم سرزد ہوا وہ یہ ہے کہ) وہ شخص ہماری پناہ میں تھا اور اس نے اس تحفظ کو کھو دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسا کر کے اس نے خود اپنی ذات کو نقصان پہنچایا ہے کسی اور کو نہیں۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ گالی دینے سے اذیت اللہ' اس کے رسول ﷺ اور اس کے مومن بندوں کو ہوتی ہے وہ کفر و محاربہ سے نہیں ہوتی اور یہ بات محتاج بیان نہیں۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ دشنام کا جرم ہے' جس کی سزا قتل ہے۔ جیسا کہ رسول کریم ﷺ کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> کعب بن اشرف کا کون ذمہ دار ہے' کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دی اس کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔ نیز جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے اس عورت کے خون کو رائیگاں قرار دیا تھا' جو گالیاں دیا کرتی تھی' حالانکہ نقض عہد کی وجہ سے عورت کو قتل نہیں کیا جاتا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ نے گالیاں دینے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا اور جو شخص اسی طرح کا بے دین تھا

اس سے کچھ تعرض نہ کیا۔ لوگوں کو اس کی دعوت دی اور اس میں عجلت سے کام لینے والوں کی تعریف کی۔ مزید برآں یہ حدیث مرفوع اور اقوال صحابہ پہلے گزر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جو کسی نبی کو گالی دے اسے قتل کیا جائے اور جو غیر نبی کو سب وشتم کرے اسے کوڑے مارے جائیں۔"

پہلی وجہ:

اگر معاملہ یوں ہوتا تو ذمی جب رسول کریم ﷺ کو گالیاں دے کر عہد توڑتا تو چاہیے تھا کہ اسے کوڑے مارے جاتے' اس لئے کہ یہ ایک انسان کا حق ہے پھر کافر حربی کی طرح اسے کفر کی وجہ سے قتل کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات سنت اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ وہ سب اس کو قتل کرنے پر متفق ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر دو جرائم کی سزا قتل ہے اور قتل میں تعدد ممکن نہیں ہے۔ اس طرح چاہئے تھا کہ مرتد کو رسول کریم ﷺ کے حق کی وجہ سے کوڑے مارے جاتے' پھر ارتداد کی وجہ سے اسے قتل کیا جاتا۔ جس طرح وہ مرتد جو کسی مسلمان کو گالی دے تو اس سے آدمی کا حق وصول کیا جاتا ہے' پھر اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ سرقہ کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے' جو اللہ کا حق ہے اور چرایا ہوا مال جو اس کے پاس ہوتا ہے بالاتفاق واپس کر دیا جاتا ہے اور اگر تلف ہو گیا ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس کا تاوان ادا کیا جاتا ہے اور انسانوں کے حقوق' حقوق اللہ میں داخل نہیں ہوتے بشرطیکہ سبب ایک ہو۔

دوسری وجہ:

اگر اس کی سزا قتل نہ ہو بلکہ اس کو مرتد ہونے کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہو تو رسول کریم ﷺ کے لئے اسے معاف کرنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ مرتد پر حد لگانا بالاتفاق واجب ہے' اسے معاف کرنا جائز نہیں۔ جب ایک جرم میں رسول کریم ﷺ نے اسے معاف کر دیا تو معلوم ہوا کہ گالی رسول کریم ﷺ کا حق ہونے کی وجہ سے قتل کی موجب ہے اور اس میں اللہ کا حق داخل ہے۔ رسول کریم ﷺ کو گالی دینے والا اور آپ ﷺ پر بہتان لگانے والا کسی اور کو گالی دینے والے اور بہتان لگانے والے کی مانند ہو گا۔ آپ ﷺ کو گالی دینے میں دو حق جمع ہو گئے۔ ایک اللہ کا حق دوسرا آدمی کا حق۔ جس کو گالی

دی گئی اور جس پہ بہتان لگایا گیا' اگر اپنا حق معاف بھی کر دے گا تو گالی دہندہ اور قاذف کو اللہ کے حق کی وجہ سے سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ بھی معافی میں داخل ہے۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ اگر اپنی گالی کو معاف کر دیں تو اللہ کا حق بھی معاف ہو جائے گا اور کفر کی وجہ سے اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح کسی اور کو گالی دینے والے کو معصیت کی وجہ سے سزا دی جاتی ہے حالانکہ جو معصیت حقوق العباد سے خالی ہو تعزیز کی موجب ہے۔

اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ ﷺ گالی دینے والے کو قتل کرنے کے مجاز تھے' جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی روایت میں ہے اور جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ پر جھوٹ باندھا تھا اور آپ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا نیز جیسا کہ شعبی کی روایت میں خارجی کو قتل کرنے کا ذکر ہے۔

مزید بر آں حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ ابو سعید الخدری ؓ' جابر ؓ اور دیگر صحابہ ؓ کی روایات سے بھی اسی طرح ثابت ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا قتل کا موجب ہے' جس طرح دوسروں کو گالی دینا اللہ کی نافرمانی کا موجب ہے۔

بدیں طور کفر اور قتال کی دو قسمیں ہوں گی:

(1) ایک تو وہ جو خالص اللہ کا حق ہے۔

(2) دوسرا وہ جس میں حق اللہ اور حق الانسان دونوں شامل ہیں۔

اسی طرح معصیت کی بھی دو قسمیں ہیں:

(1) ایک قسم کی معصیت وہ ہے جو خالص اللہ کا حق ہے۔

(2) دوسری وہ جو اللہ کا حق بھی ہے اور انسان کا بھی۔ کفر و قتال کی یہ نوع اس ضمن میں ان انواع کی مانند ہے کہ ان کا فاعل قتل کا مستحق ہے مگر تنفیذ کے اعتبار سے ان سے مختلف ہے اس لئے کہ ان میں سزا آدمی دیتا ہے۔ جس طرح وہ معصیت جو غیر نبی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس امر میں دیگر معاصی سے اس طرح مختلف ہے کہ اس کو روکنا آدمی کے ذمے ہے۔

اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ انسان پر جو حق واجب ہوتا ہے کبھی تو وہ محض اللہ کا حق ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں جب کہ کفر و معصیت کا ارتکاب اس انداز سے کرے کہ مخلوق میں سے کسی کو دکھ نہ پہنچے۔ تو اس صورت میں جو حد واجب

ہوتی ہے اسے کسی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا اور گاہے یہ حق محض کسی انسان کا ہوتا ہے جیسے کسی کا قرض دوسرے انسان کے ذمے واجب الادا ہوتا ہے مثلاً کسی خرید کردہ کتاب کی قیمت یا قرض کا بدل اور اس قسم کا قرض مباح جو مباح طریقے سے کسی پر واجب ہوتا ہے۔ اس صورت میں کسی قسم کی کوئی سزا نہیں۔ البتہ اگر قرض ادا کرنے سے منکر ہو تو اس کو سزا دی جائے گی۔ اس لئے قرض ادا کرنے سے انکار معصیت پر مبنی ہے۔ بعض اوقات یہ بات حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثلاً حد قذف و قصاص' گالی کی سزا وغیرہ۔ ان امور میں حد و تعزیر دونوں قسم کی سزا دی جاتی ہے۔ یہ سزا دینے کا اختیار آدمی کو تفویض کیا گیا ہے۔ اگر چاہے تو قصاص لے لے اور حد قذف اس پر عائد کرے اور اگر چاہے معاف کر دے۔

پس رسول کریم ﷺ کو گالی دینا اگر قسم ثانی میں شامل ہے تو اس میں کسی صورت میں بھی کوئی سزا نہیں۔ لہٰذا یہ طے ہوا کہ یہ تیسری قسم میں شامل ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس کی سزا قتل ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ایک انسان کا حق ہے جس کی سزا قتل ہے۔ جس طرح کسی اور کو گالی دینا ایک انسان کا حق ہے جس کی سزا کوڑے مارنا ہے اور یہ سزا اسے بطور حد شرعی کے دی جاتی ہے یا بطور تعزیر کے اور یہ بات نہایت صحیح اور واضح ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ جب دو حق جمع ہو جائیں تو اس میں سزا دینا ازبس ناگزیر ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی نافرمانی دنیا یا آخرت میں سزا کی موجب ہے' جب معصیت پر سزا کا حق اللہ تعالیٰ نے مستحق انسان کو دیا ہے' اس لئے کہ اللہ تمام شرکاء کی نسبت اشتراک سے بے نیاز ہے۔ لہٰذا جس نے کوئی کام کیا جس میں بندوں کو سزا دینے کا حق ہے' تو اس کی تمام سزا غیراللہ کے ہاتھ میں ہو گی اور معصیت خداوندی پر جو سزا اسے دی جائے گی' اس کا مقصد یہ ہو گا کہ یہ شخص سزا دینے پر قادر ہو سکے۔ اس کے مفہوم کی تکمیل یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد اس کی سزا صرف قتل ہے۔ اس لئے کہ جس کی وجہ سے یہ سزا دی جاتی تھی وفات کے بعد اس سے معافی کی درخواست نہیں کی جا سکتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی فوت شدہ مسلم کو گالی دے تو اس پر تعزیر واجب ہے' اس لئے کہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا اور اگر گالی کسی زندہ کو دی جائے تو معافی طلب کئے بغیر اس کے مرتکب کو سزا نہیں دی جائے گی۔

تیسری وجہ:

رسول کریم ﷺ کی شان میں دشنام طرازی ایک عام مومن کو گالی دینے کی طرح نہیں۔ اس لئے کہ رسول اکرم ﷺ عام حقوق اور فرائض و محرمات میں عام مومنین کی طرح نہیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ ﷺ کی اطاعت و محبت واجب ہے اور آپ ﷺ کی محبت تمام لوگوں کی محبت سے مقدم ہے۔ نیز یہ کہ اکرام و احترام میں کوئی شخص آپ ﷺ کا سہیم و شریک نہیں ہے۔ آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا واجب ہے اور اس قسم کے ان گنت خصوصیات و ممیزات۔ آپ ﷺ کو گالی دینا اللہ' اس کے رسول ﷺ اور اس کے مومن بندوں کے لئے ایذا کا موجب ہے۔ اس سلسلہ میں جو بات کم از کم کہی جاسکتی ہے وہ یہ کہ آپ ﷺ کو گالی دینا کفر و قتال کا موجب ہے۔ جب کہ دوسروں کو گالی دینا صرف گناہ اور معصیت کا آئینہ دار ہے۔

چوتھی وجہ:

رسول اکرم ﷺ نے ان میں کسی کو بھی قتل کے سوا دوسری کوئی سزا نہ دی اور اگر گالی تنہا قتل کی موجب نہ ہوتی' بلکہ اس کی سزا قتل سے کم درجہ کی ہوتی اور رسول کریم ﷺ قتل سے کم درجہ کی سزا معاف کر دیا کرتے تھے اور اس کے مرتکب کو امان دیتے تھے تو اس کے فاعل کو قتل نہ کیا جاتا۔ اس لئے کہ جس دین سے آپ ﷺ وابستہ تھے وہ اس کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

ایک سوال:

اگر معترض کہے کہ پھر دشنام دہندہ کو قتل کرنا دو جرائم کے مجموعے کا نتیجہ ہے؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہی ہمارا مقصود ہے۔ اس لئے کہ گالی جب کفر کو مستلزم ہے تو اس کے مرتکب کو معاہد نہیں بنا سکتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دشنام طرازی ارتداد سے بڑا جرم

رسول کریم ﷺ کو گالی دینا' کفر و قتال کی جنس میں سے ہونے کے باوصف' تنہا ارتداد سے بھی عظیم تر جرم ہے۔ اس لئے کہ ایک مسلم کا رسول کریم ﷺ کو گالی دینا ارتداد بھی ہے اور اس سے بڑھ کر جرم بھی۔ جب دین میں داخل ہو کر اس سے نکل جانے کی وجہ سے مرتد کا کفر دوبالا ہو گیا ہے تو اس کا قتل کرنا عین واجب ہے۔ بناء بریں دشنام دہندہ جس نے اللہ' اس کے رسول ﷺ اور اس کے تمام مومن بندوں کو اذیت دی' اس کے کفر کا شدید تر ہونا اولیٰ ہے اور اس لئے متعین طور پر قتل کا مستحق ہے۔ اس لئے کہ کفر کے انواع میں گالی کا فساد ارتداد سے بھی عظیم تر ہے۔

مرتد عورت کے قتل کرنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر مذہب مختار یہ ہے کہ اسے جہنم رسید کیا جائے۔

قبل ازیں ہم گالی دہندہ ذمی و غیر ذمی عورت کو قتل کرنے کے بارے میں رسول کریم ﷺ اور صحابہ ؓ کے اقوال و ارشادات نقل کر چکے ہیں اور جس مرتد آدمی سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اس کا حکم بھی یہی ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ دشنام دہندہ کو قتل کر دیا کرتے تھے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دشنام دہندہ کا کفر شدید تر ہے' اس لئے اس کو متعین طور پر قتل کرنا اولیٰ ہے۔

کرہ ارض کو سب و شتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پاک کرنا واجب ہے:

روئے زمین کو دشنام رسول ﷺ کے اظہار سے پاک کرنا بقدر امکان واجب ہے' اس لئے کہ یہ بات غلبہ دین کی تکمیل' اعلاء کلمتہ اللہ اور دین کے اللہ کے لئے خالص ہونے کا لازمی عنصر ہے۔ اگر اعلانیہ رسول کریم ﷺ کو گالی دی جائے اور اس کے مرتکب سے انتقام نہ لیا جائے تو دین کا غلبہ باقی نہ رہے گا اور اللہ کا کلمہ بلند نہیں ہو گا۔ یہ اسی طرح ضروری ہے کہ جس طرح کرہ ارض کو زانیوں' چوروں اور رہزنوں سے بقدر امکان پاک کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ روئے زمین کو اصل کفر سے پاک کرنا واجب نہیں اور دونوں قسم کے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو ذمی کی حیثیت سے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے یہاں رہنے کی اجازت دینا' جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے

احکام کی پابندی کرتے ہوں' اظہار دین اور اعلاء کلمتہ اللہ کے منافی نہیں۔ کافر سے مصالحت کرنا اور عاجزی کی صورت میں یا متوقع مصلحت کے پیش نظر اس کو امان دینا جائز ہے اور جس جرم سے زمین کو پاک کرنا بقدر امکان واجب ہے' اس کے فاعل کو شریعت میں مقرر کردہ سزا دینا جب کہ دوسرا کوئی حاکم اس پر متعین نہ ہو' ضروری ہے۔ پس اس آدمی کو قتل کرنا ہی ایک طے شدہ امر ہے کیونکہ اس جرم کی بازپرس کرنے والا دوسرا کوئی نہیں' اس لئے کہ اللہ' اس کے رسول ﷺ اور تمام مومنین کا حق اس سے وابستہ ہے۔ بایں وجہ دشنام دہندہ اور کافر کا فرق اس سے واضح ہوتا ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کافر پوشیدہ طور پر اپنے کفر پر قائم رہے' جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا پابند بھی ہو برخلاف اس شخص کے جو علانیہ گالی دینے کا مرتکب ہوتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کے دشنام طراز کا قتل اور حد شرعی:

رسول اکرم ﷺ کے گالی دینے والے کو قتل کرنا اگرچہ ایک کافر کا قتل ہے' تاہم وہ حدود شرعیہ میں سے ہے اور محض کفر و قتال کی وجہ سے قتل کرنا نہیں ہے۔ جیسا کہ سابق الذکر احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا جرم ہے جو کفر و قتال سے بھی بڑھ کر ہے۔ نیز یہ کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ نے ایسے شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جب کہ کفر و قتال کی یہ سزا نہیں ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول اس عورت کے بارے میں پہلے میں گزر چکا ہے' جو رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔

حضرت صدیقؓ نے فرمایا:

"انبیاء کی حد دیگر حدود کی طرح نہیں ہے۔"

ظاہر ہے کہ حربی قیدی اور اس قسم کے کفار اور محاربین کے قتل کرنے کو حد نہیں کہا جاتا۔ نیز اس لئے کہ دارالاسلام میں رسول کریم ﷺ کو علانیہ گالی دینا' عظیم فساد اور بہت سے جرائم سے عظیم تر ہے۔ لہٰذا اس کے لئے ایک ایسی سزا کا مقرر کرنا جو اس کے ارتکاب سے باز رکھنے والی ہو ازبس ناگریز ہے۔ اس لئے کہ شارع ایسے مفاسد کی کھلی اجازت نہیں دیتا اور اس کو موانع و عواقب سے خالی نہیں رکھتا اور اجماع و سنت کی روشنی میں ثابت ہو چکا ہے کہ اس کی سزا قتل ہے اور یہ کسی معین زندہ آدمی کے ساتھ زیادتی کرنے کی سزا نہیں ہے بلکہ یہ اللہ' اس کے رسول ﷺ اور ہر مومن کا حق ہے جو

اس وقت سامنے موجود نہیں اور جو حد ایسی ہو اس کو بالاتفاق قائم کرنا ضروری ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اکرام و احترام:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و اعانت اور اکرام و احترام واجب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشنام طراز کو قتل کرنا واجب ہے۔ اگر ایسے آدمی کو قتل کیا جائے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید و نصرت اور توقیر نہیں بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قلیل ترین نصرت ہے۔ اس لئے کہ گالی دینے والا ہمارے قبضہ میں ہے اور ہمیں اس پر قدرت حاصل ہے۔ اگر ہم اسے قتل نہ کریں۔ حالانکہ اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ تو یہ حد درجہ کی رسوائی اور تحقیر و تذلیل ہے۔

واضح رہے کہ اس مسئلے کی توضیح کے کچھ اور طریقے بھی ہیں جو ہمارے بیان کردہ طریق سے مختلف ہیں۔ ہم نے یہاں طوالت سے اس لئے کام نہیں لیا کہ پہلے مسئلہ میں ذکر کردہ دلائل غور کرنے والے کے لئے وہ اس کے وجوب قتل پر دلالت کرتے ہیں۔ اگرچہ پہلے مسئلہ میں ہمارا مقصد اس کے قتل کا مطلق جواز تھا جب کہ یہاں اس کے وجوب قتل علی الاطلاق کا بیان پیش نظر ہے۔ وہاں ہم نے ان لوگوں کے بارے میں لکھا تھا جہاں گالی دینے والے اہل کتاب اور مشرکین کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ یہ آغاز اسلام میں تھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عفو و درگزر کا حکم دیا گیا تھا۔ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل کتاب سے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا بلکہ فرمایا گیا تھا کہ ان سے جزیہ قبول کریں اور کفار و منافقین کے خلاف جہاد کریں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گالی دینے والے کو معاف کرنے کے مجاز تھے' اس لئے کہ یہ جرم زیادہ تر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق سے متعلق تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اس کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب

مسئلہ توبہ

شاتم رسول ﷺ کی توبہ کے مسئلہ پر ارتداد کے حوالہ سے فقہاء میں کچھ اختلاف تھا اور یہ مسئلہ وفاقی شرعی عدالت میں بھی اٹھا تھا لیکن امام ابن تیمیہ ؒ نے آج سے سات سو سال قبل اس کا مسکت جواب دے دیا تھا جو درج ذیل ہے:

امام حنبل ؒ کی روایت کے مطابق امام احمد ؒ نے فرمایا:

"جو شخص بھی رسول کریم ﷺ کو گالی دے اور آپ ﷺ کی تحقیر کرے، وہ مسلم یا کافر ہو اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص عہد توڑے اور اسلام میں نئی بات ایجاد کرے، اسے قتل کیا جانا چاہیے۔ ان سے عہد و پیمان اس لئے نہیں کیا گیا تھا کہ ایسے کام کریں۔"

عبداللہ (بن امام احمد ؒ) کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا "جو رسول کریم ﷺ کو گالی دے تو آیا اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے؟" انہوں نے فرمایا: "قتل اس پر واجب ہو چکا ہے لہٰذا توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔"

حضرت خالد بن ولید ؓ نے ایک شخص کو قتل کیا جس نے حضور ﷺ کو گالی دی تھی اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا۔ امام احمد نے صراحت کی ہے کہ اگر ایسا شخص مسلم ہو تو وہ مرتد ہو گیا اور اگر ذمی تھا تو اس نے اپنا عہد توڑ دیا۔ انہوں نے اپنے جوابات میں علی الاطلاق فرمایا کہ اسے قتل کیا جائے اور توبہ طلب کرنے کا حکم نہیں دیا۔ دوسری جگہ ان کے یہ الفاظ ہیں کہ محض مرتد سے تین مرتبہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ الا یہ کہ اس کی ولادت فطرت پر ہوئی ہو۔ امام احمد سے مروی ہے کہ اسے قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

امام احمد ؒ سے مشہور روایت یہ منقول ہے کہ تمام مرتدین سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ توبہ کا مطالبہ کرنے میں انہوں نے حضرت عمر ؓ، حضرت عثمان ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت ابن مسعود ؓ، حضرت ابو موسیٰ ؓ اور دیگر صحابہ ؓ کی روایات صحیحہ کی پیروی کی ہے کہ انہوں نے متعدد مقدمات میں مرتد سے توبہ کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمر ؓ کا اندازہ ہے کہ تین مرتبہ ایسا ہوا۔ امام احمد ؒ نے رسول کریم ﷺ کے ارشاد گرامی "جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو" کے پیش نظر توبہ کا مطالبہ نہیں کیا۔

گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے

اس امر کی دلیل کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے اگرچہ وہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کا اظہار کرے۔ مندرجہ ذیل آیت کریمہ ہے اور جمہور کا مذہب یہی ہے:

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (الاحزاب:57)

قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ اس کے قتل کا مقتضی ہے اور اس کا قتل حتمی اور قطعی ہے۔ اگرچہ پکڑے جانے کے بعد وہ توبہ بھی کر چکا ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں پھر ان لوگوں کا ذکر کیا جو مومن مردوں اور عورتوں کو ایذا دیتے ہیں۔ جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے والے کی سزا پکڑے جانے کے بعد توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ تو اہل ایمان کو ایذا دینے والے کی سزا بالاولیٰ معاف نہیں ہو گی اس لئے کہ فریقین کی سزا ایذا رسانی پر مبنی ہے نہ کہ اس کفر پر جس پر وہ قائم ہے۔

مزید برآں فرمان ربانی ہے:

اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کاروائی کرنے کیلئے تمہیں اٹھا کھڑا کریں گے پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمہارے ساتھ رہ سکیں گے۔(الاحزاب:٦٠)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص باز نہ آئے اسے پکڑ کر قتل کر دیا جائے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ باز آنا خون کا محافظ ہے جو پکڑے جانے سے پہلے ہو۔ مزید برآں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کو قتل کرنا لعنت کی تفسیر ہے۔ پس یہ ثابت ہوا کہ ملعون کو جب بھی پکڑا جائے اسے قتل کیا جائے۔ بشرطیکہ وہ پکڑے جانے سے قبل باز نہ آیا ہو اور یہی شخص ملعون ہے' اس لئے وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔ اس کا موید ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سابق الذکر قول ہے جو مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں ان سے منقول ہے:

ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات

لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم O (النور:23)

"بے شک جو لوگ پاک دامن غافل مومن عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔"

ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عائشہ ؓ اور امہات المومنین کے بارے میں بطور خاص نازل ہوئی۔ اس میں توبہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔

پھر ابن عباس ؓ نے یہ آیت پڑھی:

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتو باربعۃ شھدآء....

الاالذین تابوا من بعد ذالک O (النور:5,4)

"اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں اور پھر چار گواہ نہیں لاتے.... تو جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں۔"

ان لوگوں کی توبہ کا ذکر کیا مگر سابق الذکر لوگوں کی توبہ کا ذکر نہیں کیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ایک آدمی نے اٹھ کر ابن عباس ؓ کی حسن تفسیر کی وجہ سے ان کا سر چوم لینے کا ارادہ کیا۔ ابن عباس ؓ نے بیان کیا کہ جس شخص پر ایسی لعنت کی جا چکی ہو اس کے لئے کوئی توبہ نہیں اور دوسری لعنت تو اس سے بھی بلیغ تر ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ امہات المومنین پر بہتان لگانے والا اس لعنت کا مستحق اس لئے ہوا کہ بہتان ان کی ازواج مطہرات پر لگایا گیا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو ایذا دینے والے کے لئے کوئی توبہ نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

انما جزاء الذین یحاربون اللّٰہ و رسولہ و یسعون فی الارض فسادًا... O (المائدہ:33)

"بدلہ ان لوگوں کا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور زمین پر فساد مچانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

اور یہ دشنام دہندہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ لڑنے والا اور دونوں کی مخالفت کرنے والا ہے اور بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرنے والا ہے۔ نیز اس لئے کہ محارب' صلح جوئی کرنے والے کی ضد ہے مسالم وہ شخص کسی کو تکلیف دے وہ اس سے سلامت نہیں رہتا' اس لئے وہ مسالم نہیں بلکہ محارب ہے اور قبل

ازیں ہم نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس کا اپنا دشمن قرار دیا ہے اور جو شخص آپ ﷺ سے عداوت رکھتا ہو وہ گویا آپ کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ ایسا شخص روئے زمین پر سب سے بڑا مفسد ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی زمین پر فساد برپا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار وہی ہیں فساد برپا کرنے والے مگر وہ سمجھتے نہیں۔ (البقرہ:11-12)

قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی فساد کا ذکر آیا ہے مثلاً:

(1) لا تفسدوا فی الارض...O (الاحقاف:56)

(2) سعی فی الارض لیفسد فیھا...O (البقرۃ:205)

اور دیگر آیات ان تمام مقامات میں گالی فساد میں شامل ہے۔ اس لئے کہ گالی روئے زمین پر اصل فساد کی موجب ہے کیونکہ گالی کی وجہ سے نبوت میں فساد پیدا ہوتا ہے اور نبوت دنیا اور آخرت میں دین کی صلاح و فلاح کا ستون ہے چونکہ گالی دینے والا' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والا اور (خدا کی زمین میں) فساد کی کوشش کرنے والا ہے لہٰذا واجب ہے کہ آیت میں مذکور سزاؤں میں سے ایک سزا اسے دی جائے۔ الا یہ کہ قابو پانے سے پہلے توبہ کر لے۔ قبل ازیں ہم ایسے دلائل پیش کر چکے ہیں کہ اس کی سزا بصورت قتل ایک مسلمہ بات ہے جس طرح رہزنی کے دوران قتل کرنے والے کی سزا قتل ہے۔ پس واجب ہے کہ یہ سزا اسے دی جائے بجز اس صورت کے جب کہ وہ قابو آنے سے قبل تائب ہو جائے۔ وہ دشنام دہندہ جس کے خلاف شہادت قائم ہو جائے' پھر اس کے بعد توبہ کر لے تو اس نے قابو میں آنے کے بعد توبہ کی اس لئے سزا اس سے ساقط نہیں ہو گی۔

یہی وجہ یہ کہ حربی کافر جب پکڑے جانے کے بعد اسلام لائے تو مطلقاً اس سے توبہ ساقط نہیں ہو گی۔ جس طرح رسول اکرم ﷺ نے عقیلی سے کہا تھا:

اگر تو یہی بات اس وقت کہتا جب تو بااختیار تھا تو پوری طرح فلاح پا جاتا۔"

بخلاف ازیں اسے غلام بنانے کی سزا دی جائے گی یا یہ کہ اسے غلام بنانا بھی جائز

ہے اور کوئی دوسری سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ مگر یہ مرتد محارب ہے لہٰذا اسے اسی طرح غلام نہیں بنایا جا سکتا جس طرح عرینہ والوں کو بنایا گیا۔ اس لئے کہ محاربہ باللسان اور محاربہ بالید دونوں یکساں ہیں۔ لہٰذا اس کی سزا بصورت قتال ایک مسلمہ امر ہے۔

مزید برآں یہاں متعدد طرق سے مروی احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ دشنام دہندہ کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا جائے۔ جو شخص رسول کریم ﷺ پر جھوٹ باندھے آپ نے حکم دیا ہے کہ اس سے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر اسے قتل کیا جائے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی مقتضی ہے کہ دشنام دہندہ کو قتل کیا جائے خواہ ہم حدیث سے ظاہری مفہوم مراد لیں یا اس کو اس شخص پر محمول کریں جو رسول کریم ﷺ پر ایسا جھوٹ باندھے جس سے آپ کی زندگی داغدار ہوتی ہو۔ شعبی کی روایت میں بھی اسی طرح ہے کہ آپ نے اس شخص کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کرنے کا حکم دیا تھا جس نے العزیٰ نامی بت کا مال تقسیم کرنے کے بارے میں آپ کو مورد طعن بنایا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ جب ابو برزہ نے آپؓ سے اس شخص کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کرنے کی اجازت مانگی تھی جس نے رسول کریم ﷺ کو گالی دی تھی تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ:

"رسول کریم ﷺ کے بعد کسی کو اس کی اجازت نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنے دشنام دہندہ کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کر سکتے تھے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے اس شخص کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کر دیا تھا جو رسول کریم ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ تھا۔ پھر اس کی تائید میں قرآن کریم نازل ہوا۔ حالانکہ یہ رسول کریم ﷺ کی ادنیٰ قسم کی تحقیر تھی' پھر اس سے بڑھ کر تحقیر کی سزا اور کیا ہو گی؟

مزید برآں جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اسلام لانے کے بعد طعن کیا' اور ایسا بہتان باندھا جس سے آپ ﷺ کی زندگی داغدار ہوتی ہے' اور آپ ﷺ نے اس کے خون کو ھدر قرار دیا اور اس کو بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ ہم نے قبل ازیں اس سے استدلال کیا ہے کہ دشنام دہندہ اسلام لائے تو بھی اسے قتل کیا جائے۔ ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے پاس آنے سے پہلے اسلام لا چکا تھا اور توبہ کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ جیسا کہ ہم نے متعدد راویوں سے نقل کیا ہے یا وہ اسلام لانے کے ارادے

سے حاضر ہوا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ وہ اسلام لانے کے ارادے سے حاضر ہوا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے بیعت کرنے سے توقف کیا۔ آپ ﷺ کو یہ انتظار تھا کہ کوئی آدمی اٹھ کر اسے قتل کر دے گا۔

یہ حدیث اس ضمن میں نص کا درجہ رکھتی ہے کہ اس قسم کے طعن کرنے والے مرتد کی توبہ قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اسے قتل کرنا جائز ہے اگرچہ توبہ کرنے آیا ہو یا توبہ کر چکا ہو۔ قبل ازیں ہم اس پر روشنی ڈال چکے ہیں اور یہاں دیگر وجوہ سے اس مسئلہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس چیز نے اس کے خون کو محفوظ کیا وہ رسول کریم ﷺ کا معاف کرنا تھا نہ کہ محض اسلام لانا۔ نیز یہ کہ اسلام لانے اور توبہ کرنے سے گناہ کا ازالہ ہو گیا اور حضور کے معاف کرنے سے اس کا خون محفوظ ہو گیا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے وفات پائی تو آپ نے جو معافی دی تھی وہ باقی نہ رہی اور امت کو یہ حق حاصل نہیں کہ رسول کریم ﷺ کے حق کو معاف کرے اور آپ ﷺ کا بیعت سے اس کے توقف کرنا تاکہ کوئی آدمی اٹھ کر اسے قتل کر دے' اس کے جواز قتل پر نص کا درجہ رکھتا ہے اگرچہ وہ توبہ کرنے کے لئے آیا ہو۔

باقی رہا اس کے بعد اس شخص کے خون کا محفوظ ہونا جس نے گالی دے کر توبہ کر لی ہو تو وہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ہم اس شخص کے خون کو اس پر قابو پانے کے بعد بھی محفوظ تصور کریں۔ اس لئے کہ ہم نے متعدد دلائل سے ثابت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ بعض اوقات ایسے شخص کو معاف فرما دیا کرتے تھے جو آپ ﷺ کو گالی دیتا اور جس کے واجب القتل ہونے کے بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ بظاہر رسول کریم ﷺ کا اس کو معاف کرنا دشوار بھی ہوتا۔ ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا کہ عبداللہ بن خطل کے واقعہ پر مشتمل حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دشنام دہندہ کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلے مسلمان تھا پھر مرتد ہو کر آپ ﷺ کی ہجو کہا کرتا تھا لہٰذا اسے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کیا گیا۔

نیز رسول اکرم ﷺ نے ان عورتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا جو ہجو کہہ کر اپنی زبان سے آپ ﷺ کو ایذا دیا کرتی تھیں۔ حالانکہ شہر (مکہ) کے عام لوگوں کو آپ نے امان دے دی تھی اور عورت کو صرف اسی صورت میں قتل کیا جا سکتا ہے جب وہ ایسا کام کرے جس سے اس کو قتل کرنا واجب ہو جاتا ہو۔ آپ ﷺ نے جب ان عورتوں کو

قتل کیا تو کسی سے بھی توبہ کا مطالبہ نہ کیا اور حربی عورت جو کافر ہو جب تک عملی طور پر جنگ میں شریک نہ ہو اسے قتل نہیں کیا جاتا مگر ان عورتوں کو قتل کیا گیا جب کہ وہ نہ تو جنگ میں شرکت کرتی تھیں اور نہ ہی ان سے توبہ کا مطالبہ کیا گیا۔ اس سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ جو شخص ان عورتوں کا سا فعل انجام دے اسے توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کرنا روا ہے کیونکہ ایسے فعل کا صدور ایک مسلم یا معاہد عورت سے عظیم تر جرم ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ایک حربی عورت ایسے فعل کی مرتکب ہو۔

قبل ازیں ہم اس ضمن میں ایسے دلائل کا ذکر کر چکے ہیں کہ اب ان کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ ہم نے ذکر کیا تھا کہ حدیث نبوی ﷺ سے ثابت ہوتا ہے کہ گالی ایک گناہ ہے جو عام کفر سے الگ ہے بلکہ یہ محاربہ کی جنس سے ہے اور وہ توبہ جس کی وجہ سے مرتد کا خون محفوظ ہو جاتا ہے وہ کفر سے توبہ ہے کہ اگر کوئی شخص جنگ کر کے مثلاً کسی کو قتل کر کے یا مسلمان کا مال لے کر مرتد ہوا ہو جیسا کہ قبیلہ عرینہ والوں نے نیز مقیس بن صبابہ نے کیا تھا کہ اس نے ایک انصاری کو قتل کیا اور اس کا مال لے کر مرتد ہو کر لوٹ گیا تھا تو ایسے شخص کو قتل کرنا ایک مسلمہ بات ہے جس طرح رسول کریم ﷺ نے مقیس بن صبابہ کو قتل کیا تھا اور جیسا کہ عرینہ والوں کے بارے میں آپ ﷺ کو وحی کی گئی تھی: "ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان کو قتل کیا جائے۔" اس لئے جو شخص عداوت اور محاربہ پر مبنی کلام کرے گا وہ اس کی طرح نہ ہو گا جو صرف مرتد ہو۔

شاتم واجب القتل ہے:

ابوبکر بن المنذر کہتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص نے آپ ﷺ کو گالی دی اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس حکم کے قائلین میں سے امام مالک بن انس اور امام لیث اور امام احمد اور امام اسحاق ہیں اور یہی مذہب امام شافعی کا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں رقم طراز ہیں:

> "جس نے نبی ﷺ کو گالی دی، مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور یہ عام اہل علم کا مسلک ہے۔"

پھر انہوں نے ابوبکر بن المنذر کا وہ کلام نقل کیا ہے: جو قاضی عیاض نے کتاب

الشفاء میں لکھا ہے پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا کہ ابوبکر فارسی جو کہ امام شافعی کے ساتھیوں میں سے ہیں نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔ یہ اجماع جو انہوں نے بیان کیا ہے، صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ کے اجماع پر محمول ہے اس سے ان کی مراد مسلمانوں کا وہ اجماع ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "نبی ﷺ کو گالی دینے والے اور عیب گیری کرنے والے کے قتل پر امت کا اجماع ہے اور اسی طرح کئی اور علماء سے اس کے قتل کرنے اور کافر ہونے پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ جو کہ کبار ائمہ میں سے ہیں کہتے ہیں مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی یا رسول اللہ ﷺ کو گالی دی یا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت میں سے کسی چیز کو رد کیا یا اللہ تعالیٰ کے انبیاء میں سے کسی نبی کو گالی دی تو وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ساری شریعت کا اقرار کرتا ہو۔

خطابی کہتے ہیں کہ میں مسلمانوں میں سے کسی کو نہیں جانتا جو اس شخص کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کرتا ہو۔

محمد بن سحنون کہتے ہیں علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو سب و شتم کرنے اور آپ ﷺ کی عیب گیری کرنے والا کافر ہے اور اس کے لئے عذاب کی وعید آئی ہے اور امت کے ہاں اس کا حکم قتل ہے اور جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔

شیخ الاسلام ابوالعباس کہتے ہیں:

> "قابل تحریر بات یہ ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے بارے میں گالی گلوچ کیا، اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے اور بغیر اختلاف کے اس کی سزا قتل ہے اور یہ ائمہ اربعہ اور دیگر دوسرے ائمہ کا مذہب ہے۔"

ائمہ مجتہدین کے اس اجماع کے بعد کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ شاتم رسول ﷺ واجب القتل ہے اور اس کی سزا بطور حد قتل مقرر ہے۔

علمائے جدید کے فتاوی اور مقالات

علامہ اقبال' مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دور حاضر کی وہ عہد آفرین شخصیتیں ہیں جنہوں نے اپنے علم و فکر اور تدبر سے یورپ کی ملحدانہ یلغار کے دھاروں کا رخ اپنی پوری قوت کے ساتھ موڑ دیا۔ ان میں سے کسی کی سیاسی حکمت عملی سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ان کی دینی بصیرت اور علمی دیانت سے انکار حق و صداقت سے انکار ہے۔ راقم کا علامہ اقبال اور مولانا آزاد سے تو قلب و ذہن کی گہرائیوں سے تعلق ہے لیکن اسے مولانا مودودی کے فکر و نظر سے براہ راست استفادہ کا شرف حاصل رہا ہے۔

ان تینوں منتخب روزگار شخصیتوں کے جس تابناک پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر اور ان سے قریب تر کر دیا ہے وہ ان کے حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ عشق و عقیدت ہے۔ بارگاہ مصطفوی میں علامہ اقبال کے نذرانہ عقیدت سے ہر مسلمان کی آتش شوق تیز تر ہوتی ہے۔ مولانا آزاد کے نایاب مقالہ کا ہر لفظ احترام و عقیدت رسول ﷺ کا مظہر ہے۔ اس لئے ان کی نظم و نثر شامل کتاب ہیں۔

مولانا مودودی کے زیر نظر مضمون سے سرور عالم ﷺ کی شان جلالی آشکار ہے۔ یہ مضمون مولانا نے 1927ء میں اس وقت لکھا تھا جب لاہور ہائی کورٹ کے ایک جج دلیپ سنگھ نے گستاخ رسول ﷺ راج پال کو بری کر دیا تھا۔ اس لئے بھی اس مضمون کی تاریخی اہمیت ہے۔ مضمون اگرچہ مختصر ہے مگر نہایت جامع اور تمام بنیادی نکات کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔

سرکار رسالت مآب ﷺ کا احترام اور اس کے ایمانی اور قانونی تقاضے

مولانا ابو الکلام آزاد

مولانا ابو الکلام آزاد بیسویں صدی کے درمیان علم و فضل کے جس بلند مقام پر کھڑے ہوئے ہیں وہ ان کی عبقریت کا آئینہ دار ہے اپنی تحریر اور تقریر میں توحید و رسالت کے جو معارف اور حقایق انہوں نے بیان کئے اور اس کے لئے جو اسلوب نگارش اختیار کیا ہے وہ بھی بالکل منفرد اور یگانہ ہے۔ سرکار رسالت مآب ﷺ کی ذات مقدس اور اقدس سے جو عقیدت اور محبت مولانا کو تھی اس پر ان کی تحریر اور تقریر کا ایک ایک لفظ گواہ ہے۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے احترام اور س کے مقام کے بارے میں مولانا نے ایک نہایت بلند پایہ مقالہ سپرد قرطاس کیا تھا جو "دور الہلال" کی امانت ہے جبکہ مولانا نے ابھی عملی سیاست کی وادی پر خار میں قدم نہیں رکھا تھا پہلے ایڈیشن میں اس مقالہ کے شامل نہ ہونے سے ایک باب کچھ نامکمل سا رہ گیا تھا اس لئے طبع ثانی میں اسے شامل کتاب کیا گیا ہے۔

ایک صاحب نے مولانا سے استفسار کیا تھا کہ عیسائی، حضرت مسیحؑ کو بلا تامل "مسیح" لکھتے اور بولتے ہیں اور بعض مواقع پر اختصار کا تقاضہ بھی یہی ہوتا ہے۔ کیا کوئی مذہبی حکم اس بارے میں ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے نام کے ساتھ تعظیمی الفاظ ضرور بولے جائیں۔" اس پر مولانا نے جو جواب دیا تھا وہ نذر قارئین ہے: (رسول رحمت ﷺ باب پنجم ص 34)

سچا احترام اور اس کا مقام:

آپ نے ایک اصولی بحث چھیڑ دی۔ افسوس کہ فقیر آپ کے اس خیال سے کبھی متفق نہیں ہو سکتا۔ بے شک سچا ادب اور احترام وہی ہے جو دل سے ہو نہ کہ زبان سے مگر یہ صرف اسی پر موقوف نہیں۔ انسان کا کوئی اعتقاد اور خیال ایسا نہیں جس کا گھر "دل" کی جگہ "حلق" میں ہو۔ اعتقاد چیز ہی ایسی ہے جو دل و دماغ سے تعلق رکھتی ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

"ولما یدخل الایمان فی قلوبکم" اور جب کہ ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا (الحجرات: 14) یعنی ایمان کی جگہ دل ہے نہ کہ زبان۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ دل کے اعتقاد کا ترجمان کون ہے؟ کیونکر معلوم ہو کہ یہ دل ابوذر غفاری ؓ کا ہے اور یہ دل ابوجہل شقی کا؟ جواب صاف ہے کہ صرف اعمال اور زبان کا اعتراف کہ "نحن نحکم بالظواہر۔" اگر یہ نہ ہو تو پھر دنیا میں سیاہ وسفید کی تمیز ہی اٹھ جائے۔ قانون کو دیکھیے کہ وہ نیت اور ارادے کو ان کی پوری جگہ دینے سے انکار نہیں کرتا۔ لیکن ساتھ ہی اگر آپ عدالت میں جاکر مجسٹریٹ کو ریور آنر (Your Honour) کی جگہ محض "تم" کر کے خطاب کیجئے گا تو گو آپ کتنا ہی کہیں کہ تعظیم کی جگہ دل ہے، زبان نہیں، لیکن امید نہیں کہ وہ آپ کو دفعہ نمبر 177 دفعہ 228 سے بری کر دے۔

اقرار تصدیق اور عمل:

مذہب کا بھی ایک روحانی قانون ہے اس نے خود ہی انما الاعمال بالنیات (تمام کاموں کا دارومدار نیت پر ہے) کا اصول قائم کیا ہے، لیکن ساتھ ہی اعمال ظاہری اور دلسانی کو بھی وہ اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود قرآن کریم کے بار بار اظہار کے کہ ایمان کا تعلق محض دل و اعتقاد سے ہے، ہم نے یہ نہایت سچی تعریف اسلام کے عقاید میں تسلیم کرلی ہے کہ اقرار باللسان و تصدیق بالجنان وعمل بالارکان (اقرار زبان سے، تصدیق دل سے اور عمل اعضاء و جوارح سے)

آپ کہتے ہیں کہ تعظیم کی اصل جگہ دل سے ہے، میں کہتا ہوں چونکہ دل ہے، اسی لیے آج کل کے تعلیم یافتہ اشخاص کی شان اور عمل تعظیم سے خالی ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو نام دل کو محبوب و محترم ہو، وہ زبان پر گزرے اور محبت و احترام سے خالی ہو؟ اگر آپ کسی کو چاہتے ہیں تو سمجھ سکیں گے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں:

قسم بنام تو خوردن دلیل غیرت نیست　　بخاک پاک تو آں ہم کمال بے ادبی است

ایک محدث کا ارشاد:

آج کل کے ارباب تحریر و تقریر کو اکثر دیکھتا ہوں کہ انھوں نے بقول آپ کے آنحضرت ﷺ کے اسم سامی کے تعظیمی الفاظ کی طوالت سے گھبرا کر "بانی اسلام" کی

ایک اصطلاح تصنیف کرلی ہے۔ وہ بلا تامل اپنی تحریر و تقریر میں "بانی اسلام نے یوں کیا" اور "بانی اسلام نے اس طرح کہا" بولتے اور لکھتے ہیں۔ اس طرح ٹھیک ان کی زبان ان کے دلی الحاد کی ترجمانی کرتی ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ ان کے دل میں آنحضرت ﷺ کی تعظیم ہے تو ان کو تو بار بار اسم محبوب و مطلوب درود و صلوٰۃ کے ساتھ لینا تھا کہ محبوب کی یاد کی جتنی تقریبیں نکل آئیں، عین مقصود و عشق ہیں۔ ایک جلیل القدر محدث سے جب پوچھا گیا کہ علم حدیث سے اس درجہ شوق کیوں ہے؟ تو اس نے کہا "اس لیے کہ اس میں بار بار " قال رسول الله علیه وسلم" کا جملہ آتا ہے اور اس طرح اس اسم گرامی کے ذکر اور اس پر درود و صلوٰۃ عرض کرنے کی تقریب ہاتھ آجاتی ہے۔

تعظیم کے نصوص:

یہ نہ سمجھئے گا کہ محض اعتقاد قلبی اور جوش تعظیم و احترام اسلامی اس اعتقاد کا ذریعہ ہے، نہیں بلکہ فی الحقیقت آنحضرت ﷺ کی یہ تعظیم اسی بھی ایسے نصوص قطعیہ پر مبنی ہے، جس سے کوئی قائل قرآن تو انکار نہیں کرسکتا۔

جب بنی تمیم کا ایک وفد مدینہ میں آیا تو آنحضرت ﷺ مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ نادانوں نے دروازے سے آپ ﷺ کا اسم سامی لے لے کر پکارنا شروع کر دیا کہ "یا محمد(ﷺ) اخرج الینا" اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے ساتھ اتنی گستاخی بھی گوارا نہ ہوئی اور ارشاد ہوا:

> ان الذین ینا دونك من وراء الحجرات اکثرهم لا یعقلون۔ ولو انهم صبرو احتی تخرج الیهم لکان خیرا لهم۔ (الحجرات 5:4)

> "اے پیغمبر! جو لوگ تمہیں مکان کے باہر سے نام لے لے کر پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کو مطلق عقل اور تمیز نہیں۔ بہتر تھا کہ وہ صبر کرتے اور جب تم باہر نکلتے تو مل لیتے۔"

اس آیت سے پہلے کی آیت میں فرمایا:

> "اے مسلمانو! جب آنحضرت کے حضور میں عرض حال کرو تو اپنی آوازوں کو ان کی آواز سے بلند کر کے گفتگو نہ کرو اور نہ بہت زور سے

بات چیت کرو جیسا کہ تم آپس میں کیا کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ اس گستاخی کے سبب سے تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

خطاب میں امتیاز تعظیمی کی شان:

خداتعالیٰ کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ آپ کی جناب میں کوئی اونچی آواز سے گفتگو کرے' چہ جائیکہ تعظیم و تکریم کے بغیر نام لیا جائے۔ قرآن کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہو کہ خداتعالیٰ نے سب سے پہلے خود آپ کے اس امتیاز تعظیمی کی شان کا نمونہ ہر جگہ قائم رکھا ہے۔ جس قدر انبیائے اولوالعزم سے تخاطب قرآن میں موجود ہے' جگہ جگہ آپ پائیں گے کہ ان کا اصلی نام اور علم لے کر انہیں پکارا گیا ہی۔ مثلاً "یا ادم اسکن انت وزوجك" "وما تلك بیمینك یا موسیٰ" یاداؤد انا جعلناك خلیفته فی الارض" "یا زکریا انا نبشرك بغلام اسمه یحیٰی خذ الکتاب بقوه" یا عیسیٰ انی متوفیك ورافعك الی" اس طریق تخاطب کے مطابق چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی یا محمد! یا احمد(ﷺ) کہہ کر پکارتا مگر اللہ کو اس درجہ آپ کا احترام کرانا مقصود تھا کہ تمام قرآن میں ایک جگہ بھی آپ کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا' بلکہ جہاں کہیں پکارا ہے یا تو صدائے تعظیم و تکریم سے مثلاً "یاایھا الرسول بلغ ماانزل الیك" یا ایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین" یا پھر صدائے محبت و عشق سے: یاایھا المزمل" "یاایھا المدثر! وکل مایفعله المحبوب' محبوب:

اور ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ آپ ﷺ کے نام کی عزت و احترام کی مثال کیوں نہ قائم کرتا حالانکہ جس شہر کی خاک آپ ﷺ کے قدموں سے مس ہوئی ہے اس کو تو وہ بھی اس درجہ محبوب ہے کہ اس کی قسم کھاتا ہے۔

لا قسم بهذا البلد وانت حل بهذ البلد۔

"اے پیغمبر! ہم شہر مکہ کی قسم کھاتے ہیں اور اس لیے کہ تم اس میں مقیم ہو۔ (البلد :1'2)

محبت اور ایمان:

حقیقت یہ ہے کہ دلی اعتقاد ایک بیج ہے جو بغیر محبت کے بار آور نہیں ہوتا اور

محبت کے لیے احترام و تعظیم ناگزیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں آپ کی تعظیم و تکریم پر زور دیا گیا اور کہا گیا کہ تعزر وہ وتوقروہ (فتح:9) یعنی ان(ﷺ) کی تعظیم کرو اور ان(ﷺ) کا احترام بجالاؤ! محدثین نے اس مسئلے پر بہت بحث کی ہے کہ مومن کے لیے اللہ کی اور آنحضرت ﷺ کی محبت بھی اتباع احکام کی طرح اجباری ہے یا اختیاری؟ کیونکہ محبت اختیاری شے نہیں اور اصل مقصود واحکام اسلام کی پیروی ہے' لیکن غور کیجئے تو اس سوال کی یہاں گنجائش ہی نہیں' محبت اختیاری واجباری ہونے کا سوال تو جب پیدا ہو' جب محبت اور ایمان دو چیزیں ہوں' حالانکہ ایمان تو از سرتاپا محبت ہے اور وہ ایمان نہیں جو محبت سے خالی ہو۔

والذین امنو اشد حبا للہ۔ (بقرہ:165)

جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی محبت اللہ سے نہایت شدید ہے۔

یہاں ارباب ایمان کی یہ علامت بتلائی اور دوسری جگہ یہودیوں کے اس دعوے پر کہ "نحن ابنا اللہ و احبائہ

یہ جواب دیا کہ

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبب کم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم واللہ ھو الغفور الرحیم۔

"اگر تم واقعی محبت الٰہی کے مدعی ہو تو اس کی یہ صورت ہے کہ رسول کا اتباع کرو۔ پھر تمہارے محبت کرنے کی ضرورت نہ رہے گی خود خدا تم کو اپنا محبوب بنائے گا اور وہ تمہارے گناہوں کو بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔"

اگر آنحضرت ﷺ کا اتباع محبت و محبوبیت الٰہی کے لیے شرط ہے تو محبت بدرجہ اولیٰ شرط ہے کیونکہ جس کی محبت آپ کے دل میں نہیں' اس کا اتباع کیا کیا جائے گا؟

احادیث کی شہادت:

صحیحین کی اس مشہور حدیث کے بھی یہی معنی ہیں کہ:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔

"تم میں کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں اس کے نزدیک
محبوب تر نہ ہوں اس کے ماں باپ سے' اس کی اولاد سے اور اتنا ہی
نہیں بلکہ تمام انسانوں سے۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے کہا کہ لانت احب الی من کل شی ء الانفسی" آپ (ﷺ) محبوب تر ہیں۔ مجھ کو تمام چیزوں سے' البتہ میری جان سے زیادہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ " والذی نفسی بیدہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیك من نفسك" قسم خدا کی تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک مجھ کو اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھو۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا انت احب الی من کل شی حتی نفسی" اب دیکھتا ہوں تو آپ (ﷺ) اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ "الان یا عمر" اے عمرؓ تیرا ایمان مکمل ہو گیا۔

تو حضرت! اپنا اعتقاد تو یہ ہے۔ انصاف کیجئے کہ میں کہاں ہوں اور آج کل زمانہ کہاں ہے؟ لوگ جس شے کو ایمان کی اقلیم کہتے ہیں' میں تو اس کو' اس وجود محبوب و مطلوب کے ایک ذرہ محبت کے اندر دیکھتا ہوں۔ اسی سے تعظیم و تکریم اسی ورسی جو کچھ اپ کا مقصود ہو قرار دے لیجئے۔

ترانوالہ دمادم زخوان یطعمنی   ترا پیالہ مدام از شراب یسقینی"
مرا تو قبلہ دینی۔ ازاں سبب گفتم   بہ مردماں کہ لکم دینکم ولی دینی

توہینِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقدیس کے متعلق مسلمانوں کے جذبات کا صحیح اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لئے' اسلام میں قتل کی سزا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینے والے کا خون مباح قرار دیا گیا ہے۔ نسائی میں کئی طریقوں سے ابوبرزہ الاسلمی کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ: "حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک شخص پر ناراض ہو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اس کی گردن ماروں؟ یہ سنتے ہی آپ کا غصہ دور ہو گیا اور آپ نے جھڑک کر مجھے فرمایا ماھذا لاحد بعد رسول اللّٰہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہ کسی کا درجہ نہیں ہے کہ اس کی گستاخی کرنے والے کو قتل کی سزا دی جائے۔"

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک اندھے مسلمان کی لونڈی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی اور اس مسلمان نے تنکلے سے اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ دوسرے دن جب اس کے مارے جانے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے یہ کام کیا ہے اس کو میں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اٹھ کھڑا ہو۔ یہ سن کر وہ اندھا گرتا پڑتا آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ فعل میں نے کیا ہے۔ وہ میری لونڈی تھی۔ مجھ پر مہربان تھی' مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بہت بدگوئی کرتی تھی۔ میں اسے منع کرتا تو نہیں مانتی تھی۔ میں ڈانتا تو اس پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ کل رات پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہا۔ اس پر میں اٹھا اور تکلا چبھو کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سب لوگ گواہ رہیں کہ اس کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے۔"

اسی طرح بخاری شریف میں کتاب المغازی میں کعب ابن اشرف کے قتل کا واقعہ موجود ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کر کے اور قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بھڑکا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتا تھا' اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محمد ابن سلمہؓ کے ہاتھوں اسے قتل کروا دیا۔ ابی داؤد میں کعب ابن اشرف کے قتل کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ:

"وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کرتا تھا اور کفار قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جوش دلاتا

تھا۔"

قسطلانی میں بخاری کی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ:

وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا دیتا تھا' اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی ہجو کرتا اور قریش کو ان کے خلاف بھڑکاتا۔"

ابن سعد نے بھی اس کے قتل کی یہی وجہ بیان کی ہے:

"وہ ایک شاعر تھا۔ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی ہجو کرتا تھا اور ان کے خلاف لوگوں کے جذبات کو بھڑکاتا تھا۔"

کتب فقہ میں اس کے متعلق صریح احکام موجود ہیں اس کے بعد مولانا مودودی' علامہ شامی اور شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ کے فتاویٰ اور اقوال کا جو پہلے بیان ہو چکے ہیں حوالہ دے کر لکھتے ہیں:

پس جزئیات میں فقہا کے درمیان خواہ کتنا ہی اختلاف ہو' مگر رسول ﷺ کی اس عظمت میں حنفی' مالکی' حنبلی' شافعی سب کا اتفاق ہے۔ آپ ﷺ کو گالی دینے والا واجب القتل ہے۔ اس سے صحیح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں داعی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی حرمت و عزت کے متعلق کیا احکام ہیں۔ اس بارے میں مسلمانوں کا مذہب ان کو کیا تعلیم دیتا ہے۔

سماحتہ الشیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز

مفتی اعظم سعودی عرب کا فتویٰ

مفتی اعظم سعودی عرب سماحتہ الشیخ عبدالعزیز باز دنیائے اسلام کی ممتاز دینی شخصیت ہیں۔ وہ علمائے سلف کے حوالہ سے گستاخ رسول کو واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ اس فتویٰ کے اقتباس کا ترجمہ قاری عبدالحلیم مدنی صاحب نے کیا ہے' جو حسب ذیل ہے:

> "امام ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی تفسیر (الجامع الاحکام القرآن) میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ولئن سالتھم لیقولن انما کنا نخوض و نلعب قل ابا للہ وایاتہ ورسولہ کنتم تستھزون لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم" اور اگر تم ان سے دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی مذاق اور دل لگی کرتے تھے۔ کہو کیا تم خدا اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے تھے' بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو"۔

قاضی ابوبکر ابن العربی کہتے ہیں جو انہوں نے اس بارے میں بات کہی ہے وہ اس سے خالی نہیں کہ یا تو انہوں نے سنجیدگی سے کہی ہے' مذاق سے' یہ بات جس طرح سے بھی ہو کفر ہے۔ کفریہ انداز سے مذاق بھی کفر ہوتا ہے۔ اس بات میں امت کے اندر کوئی اختلاف نہیں۔

قاضی عیاض بن موسیٰ" اپنی کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ میں فرماتے ہیں۔ جس کے الفاظ یہ ہیں "جان لیجئے کہ جس نے قرآن یا مصحف یا اس کی کسی چیز کو حقیر سمجھا یا ان دونوں کو گالی دی یا اس کا (یعنی قرآن کا) انکار کیا یا اس کی ایک آیت یا ایک حرف کا انکار کیا یا اس کو جھٹلایا یا اس کے کسی صریح حکم یا خبر کی تکذیب کی یا اس کی

نفی کردہ چیز کا اثبات یا ثابت کردہ چیز کی نفی کی' یعنی اس کو جانتے ہوئے یا اس کی کسی چیز میں شک کیا تو ایسے شخص کے کافر ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"وانه لكتاب عزيز لاياته الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد"۔

ترجمہ: اور یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے۔ اس پر جھوٹ دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ دانا اور خوبیوں والے کی طرف سے اتاری گئی ہے۔

ابوبکر بن المنذر کہتے ہیں کہ عام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص نے آپ ﷺ کو گالی دی اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس حکم کے قائلین میں سے امام مالک" بن انس اور امام لیث" اور امام احمد" اور امام اسحاق" ہیں اور یہی مذہب امام شافعی" کا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ" اپنی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں رقم طراز ہیں:

"جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی' مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا واجب ہے اور یہ عام اہل علم کا مسلک ہے۔ پھر انہوں نے ابوبکر ابن المنذر" کا وہ کلام نقل کیا ہے جو قاضی عیاض" نے کتاب الشفاء میں لکھا ہے پھر شیخ الاسلام ابن تیمیہ" نے فرمایا کہ ابوبکر فارسی جو' کہ امام شافعی" کے ساتھیوں میں سے ہیں نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔ یہ اجماع جو انہوں نے بیان کیا ہے" صحابہ" اور تابعین" کے زمانہ کے اجماع پر محمول ہے یا اس سے ان کی مراد مسلمانوں کا وہ اجماع ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اگر مسلمان ہے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے۔"

مولانا احمد سعید کاظمی کی عالمانہ توضیحات

مولانا احمد سعید کاظمی مرحوم کا علمائے اہل سنت و الجماعت میں ممتاز مقام ہے۔ آپ بلند پایہ عالم دین اور مجتہد وقت رہے ہیں۔ راقم سے مولانا کے ساتھ نفاذ اسلام کے بارے میں کافی علمی مباحث رہے ہیں۔ شاتم رسول ﷺ کے بارے میں مولانا کا موقف بالکل واضح ہے۔

"کتاب و سنت' اجماع امت اور تصریحات ائمہ دین کے مطابق توہین رسول کی سزا صرف قتل ہے۔ رسول کی صریح مخالفت توہین رسول ہے۔ قرآن مجید نے اس جرم کی سزا قتل بیان کی ہے۔ اسی بناء پر کافروں کے قتل کا حکم دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے:

ذالك بانهم شاقوا الله و رسوله (سورۃ انفال' آیت:13)

یہ یعنی کافروں کو قتل کرنے کا حکم اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی صریح مخالفت کرکے ان کی توہین کا ارتکاب کیا ہے۔ توہین رسول کفر ہونے پر بکثرت آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔

مسلمان کہلانے کے بعد کفر کرنے والا مرتد ہوتا ہے اور ازروئے قرآن مرتد کی سزا صرف قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل للمخلفين من الاعراب ستدعون الى قوم اولى باس شديد تقاتلونهم اويسلمون ○ (سورۃ الفتح' آیت:16)

"اے رسول(ﷺ) پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے فرما دیجئے' عنقریب تم سخت جنگ کرنے والوں کی طرف بلائے جاؤ گے۔ تم ان سے قتال کرتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ آیت مرتدین اہل یمامہ کے حق میں بطور اخبار بالغیب نازل ہوئی۔ اگرچہ بعض علماء نے اس مقام پر فارس و روم وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہے لیکن حضرت رافع بن خدیج؄ کی حسب ذیل روایت نے اس آیت کو مرتدین بنی حنیفہ (اہل یمامہ) کے حق میں متعین کیا ہے:

"حضرت رافع بن خدیج؄ فرماتے ہیں کہ گزشتہ زمانے میں ہم اس آیت کو پڑھا کرتے تھے اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ وہ کون لوگ ہیں یہاں

تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (مرتدین) بنی حنیفہ (اہل یمامہ) کے
قتال کی طرف مسلمانوں کو بلایا۔ اس وقت ہم سمجھے کہ اس آیت کریمہ
میں یہ مرتدین ہی مراد ہیں۔"

ثابت ہوا کہ اگر مرتد اسلام نہ لائے تو از روئے قرآن اس کی سزا قتل کے سوا کچھ نہیں۔ قتل مرتد کے بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں۔ اختصار کے پیش نظر صرف ایک حدیث پیش کی جاتی ہے:

"حضرت علیؓ کے پاس (مرتد ہو جانے والے) زندیق لوگ لائے گئے، تو آپ نے انہیں جلا دیا۔ اس کی خبر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا اگر (آپ کی جگہ) میں ہوتا تو انہیں نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے عذاب کے ساتھ کسی کو عذاب نہ دو اور میں انہیں قتل کرا دیتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو (مسلمان) اپنے دین سے پھر جائے اسے قتل کر دو۔(12)

گستاخ رسول ﷺ کا قتل:

غلاف کعبہ سے لپٹے ہوئے توہین رسول ﷺ کے مرتکب مرتد کو مسجد حرام میں قتل کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے۔ کسی نے حضور ﷺ سے کہا کہ حضور ﷺ (آپ ﷺ کی شان میں توہین کرنے والا) ابن خطل کعبہ کے پردوں میں لپٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اقتلوہ اسے قتل کر دو۔

یہ عبداللہ بن خطل مرتد تھا۔ ارتداد کے بعد اس نے کچھ ناحق قتل کیے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہہ کر حضور ﷺ کی شان میں توہین و تنقیص کیا کرتا تھا۔ اس نے دو گانے والی لونڈیاں اس لئے رکھی ہوئی تھیں کہ وہ حضور ﷺ کی ہجو میں اشعار گایا کریں۔ جب حضور ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو اسے غلاف کعبہ سے باہر نکال کر باندھا گیا اور مسجد حرام میں مقام ابراہیم اور زم زم کے درمیان اس کی گردن مار دی گئی۔

یہ صحیح ہے کہ اس دن ایک ساعت کے لئے حرم مکہ کو حضور ﷺ کے لئے حلال

قرار دے دیا گیا تھا۔ لیکن بالخصوص مسجد الحرام میں مقام ابراہیم اور زم زم کے درمیان اس کا قتل کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ گستاخ رسول باقی مرتدین سے بدرجہا بدتر و بدحال ہے۔

اجماع امت:

شاتم رسول ﷺ کے واجب القتل ہونے کے بارے میں تمام علمائے امت کا اجماع ہے۔ اس کے ثبوت میں مولانا نے امام ابو سلیمان الخطابی' قاضی ابوالفضل عباس اندلسی' امام ابوبکر بن المنذر کی روایات اور عقلی دلائل پیش کئے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ مالک بن انس' لیث' احمد' اسحاق" اور امام شافعی" کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی عیاض نے فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے فرمان کا بھی یہی اقتضا ہے۔ پھر فرماتے ہیں ان ائمہ کے نزدیک شاتم کی توبہ بھی قبول نہیں ہو گی۔ امام ابو حنیفہ' ان کے شاگردوں' امام ثوری' کوفہ کے اکثر علماء امام اوزاعی کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ ردۃ (ارتداد) ہے۔

امام ابن تیمیہ نے واضح کر دیا ہے:

> "بے شک ہر وہ شخص جس نے نبی کریم ﷺ کو گالی دی یا حضور کی طرف کسی عیب کو منسوب کیا یا حضور ﷺ کی ذات مقدسہ' آپ ﷺ کے نسب' دین یا آپ ﷺ کی کسی خصلت سے کسی نقص کی نسبت کی' یا آپ ﷺ پر طعنہ زنی کی یا جس نے بطریق دشنام اہانت یا تحقیر کی یا شان مبارک یا ذات مقدسہ کی طرف کسی عیب کو منسوب کرنے کے لئے حضور کو کسی چیز سے تشبیہ دی' وہ حضور ﷺ کو صراحتاً گالی دینے والا ہے' اسے قتل کر دیا جائے۔ ہم اس حکم میں قطعاً کوئی استثناء نہیں کرتے' نہ ہم اس میں کوئی شک کرتے ہیں۔ خواہ صراحتاً توہین ہو یا اشارتاً کنایتاً اور یہ سب علماء امت اور اہل فتویٰ کا اجماع ہے۔ عہد صحابہ ؓ سے لے کر آج تک۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو گالی دینے والے کے کفر اور اس کے مستحق قتل

ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ چاروں ائمہ (ابو حنیفہ' مالک' شافعی' احمد بن حنبل) سے یہی منقول ہے۔

امام ابن ھمام حنفی کے نزدیک جو شخص رسول اللہ ﷺ سے اپنے دل میں بغض رکھے' وہ مرتد ہے۔ آپ ﷺ کو گالی دینے والا بطریق اولیٰ مستحق گردن زدنی ہے۔ پھر (مخفی نہ رہے کہ) یہ قتل ہمارے نزدیک بطور حد ہو گا۔

کتاب الخراج میں امام ابویوسف کا فیصلہ ہے:

> "جو مسلمان رسول اللہ ﷺ کو گالی دے یا تکذیب کرے یا عیب لگائے یا آپ ﷺ کی تنقیص شان کا (کسی اور طرح سے) مرتکب ہو' تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس سے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔"

فتاویٰ قاضی خان کے مطابق کسی شے میں حضور ﷺ پر عیب لگانے والا کافر ہے اور اسی طرح بعض علماء نے فرمایا اگر کوئی حضور ﷺ کے بال مبارک کو "شعر" کی بجائے (بصیغہ تصغیر) "شعیر" کہہ دے تو وہ کافر ہو جائے گا اور امام ابو حفص الکبیر (حنفی) سے منقول ہے کہ اگر کسی نے حضور ﷺ کے کسی ایک بال مبارک کی طرف بھی عیب منسوب کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور امام محمد نے "المبسوط" میں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو گالی دینا کفر ہے۔

کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے نبی کریم ﷺ کی اہانت اور ایذا رسانی کا قصد کیا اور وہ مسلمان کہلاتا ہو' وہ مرتد اور واجب القتل ہے۔

مولانا سید متین ہاشمی کے دلائل و براہین

مرتکب توہین رسالت کے بارے میں مولانا کا خون دل سے لکھا ہوا یہ ایمان افروز مقالہ ہے جس میں ایک نئی جہت سے شاتمِ رسول ﷺ کی سزا بطور حد سزائے موت ثابت کی گئی ہے۔

مولانا سید متین ہاشمی کا شمار پاکستان کے عظیم ریسرچ سکالرز میں ہوتا ہے اور وہ تحریک ناموس رسالت میں پیش پیش رہے ہیں۔ 1992ء میں ہی وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے' لیکن توہین رسالت کے مقدمہ کا فیصلہ ان کی زندگی میں ہی ہو چکا تھا۔ جب یہ فیصلہ میں نے انہیں سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے اور ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔

شتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفر و شرک سے بڑا جرم ہے

میرے نزدیک حضور ﷺ اصل ایمان بلکہ عین ایمان ہیں۔ کیونکہ توحید کے معاملے میں تو قبل از تحریف تمام مذاہب شریک ہیں' حتیٰ کہ مشرکین مکہ بھی کم از کم یہ تو مانتے تھے کہ خالق و مالک مبدی' معید' نافع' ضار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ البتہ وہ سفارش اور شفاعت یا تقسیم اختیارات کے مسئلے میں مسلمانوں سے اختلاف کرتے تھے۔" چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"ولئن سالتھم من خلق السموت والارض و سخر الشمس والقمر لیقولن اللہ (العنکبوت:61)

لہذا وہ چیز جو حق و باطل اور کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والی ہے' وہ ذات پاک جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ آپ کی تصدیق کا نام ایمان اور تکذیب کا نام کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دور مبارک و مسعود سے لے کر آج تک جب بھی کوئی جماعت یا فرد مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے تو وہ سب سے پہلے ذات اقدس ﷺ کو ہدف بناتا ہے۔ مدعیان نبوت نے ذات اقدس کو ہی ہدف بنایا۔ ان کے بعد بھی جملہ ملحدین و کفار نے آپ ہی پر اعتراضات وارد کئے۔ دیانند سرسوتی ہو یا ج

پال' مغربی پادری ہوں یا علماء' انہوں نے کبھی عقیدہ توحید پر کھل کر اعتراض نہیں کیا۔ انہوں نے ہمیشہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس لئے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ پر ہی ایمان لانا اسلام ہے لہٰذا اگر میں یہ کہوں کہ حضور ﷺ ہی ایمان ہیں تو غلط نہ ہو گا۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہم اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

برصغیر کے مسلمانوں پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے جب برطانوی سامراج کا جوا ان کی گردنوں پر رکھا ہوا تھا اور وہ دور غلامی کی ذلتوں میں گرفتار تھے۔ اس گئے گزرے دور میں بھی مسلمانوں نے دار و رسن کی بازی کھیلی۔ اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا مگر شاتم رسول کو زندہ نہیں رہنے دیا۔ اس لئے کہ انہیں قرآن کی یہ آیت معلوم تھی:

النبی اولی بالمومنین من انفسھم (الاحزاب:6)

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے تین جملوں میں ہمیں بتلایا جا رہا ہے کہ:

(الف) عزیز علیہ ما عنتم

(ب) حریص علیکم

(ج) بالمومنین رؤف رحیم (سورہ توبہ128)

امت پر حضور ﷺ کی کمال شفقت اتنی تھی "لولا اشق علی امتی لامرتھم بالسواك عند كل صلوة" یا اس طرح کے دیگر بہت سے احکام۔ پھر آپ ﷺ کا کمال محبت کہ آپ ﷺ حریص ہیں امت کی بھلائی کے لئے اور پھر آپ ﷺ کا کمال رافت و رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے دو صفاتی نام عطا کر دیئے۔ اگر شفقت کے باعث "الجنتہ تحت اقدام امہاتکم" اور "انت و مالك لابيك" کا حکم ہو سکتا ہو تو اس کا ہمارے اوپر کتنا بڑا حق ہو گا' جو والدین سے ہزاروں گنا زیادہ ہم سے شفقت اور محبت کرنے والا ہے۔ اس لئے امام مالک نے اگر یہ فرما دیا کہ اس امت کو جینے کا حق ہی نہیں جو اپنے نبی ﷺ پر سب و شتم برداشت کر لے تو غلط تو نہیں فرمایا تھا۔

اسی لئے اس بات پر امت کے اولین و آخرین کا اجماع ہے کہ شاتم رسول ﷺ واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور امت کا یہ اجماع قرآن کی

اس آیت کے عین مطابق ہے:

اگر منافقین اور وہ لوگ باز نہ آئے جن کے دلوں میں روگ ہے
اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط
کریں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بس قدرے قلیل رہنے
پائیں گے اور وہ بھی پھٹکار پڑے ہوئے' جہاں کہیں بھی مل جائیں'
پکڑے جائیں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

صحابہ کرام کا شاتم رسول ﷺ کے بارے میں عملاً اور صریحاً اجماع ہے کہ انہوں نے کسی کو زندہ نہیں چھوڑا۔ متعدد علماء حضرات نے کتب احادیث سے ان کے حوالے دے دیئے ہیں' جن کے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ پھر ابو بکر صدیق ؓ کا ابو برزہ سے یہ فرمانا کہ اگر میں کہہ دیتا تو کیا واقعی تم اسے قتل کر دیتے؟ ابو برزہ نے جب اثبات میں جواب دیا تو ان کا یہ فرمانا کہ:

انها ليست لا حد بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم
کہ حضور ﷺ کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کے شاتم
کو قتل کیا جائے۔ (المحلی لابن حزم 409:11 طبع مصر)

اور حضرت ابو بکرؓ کے اس قول پر نہ ابو برزہ ؓ نے' نہ کسی دوسری صحابی نے نکیر کی' لہٰذا صحابہ کا اجماع سکوتی ثابت ہو گیا۔ اس قول کی تائید ان دو روایتوں سے بھی ہوتی ہے جنہیں کعب بن علقمہ کے حوالے سے صاحب مجمع الزوائد و منبع الفوائد حافظ نور الدین ہیثمی متوفی 807ھ نے جلد 6' صفحہ 260' طبع قاہرہ میں نقل کیا ہے۔

عرفہ ابن الحارث ؓ جو کہ صحابی ہیں' حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ یمن میں مرتدین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ ان کے پاس سے ایک عیسائی گزرا' جس کا نام بندقون تھا' تو آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے حضور ﷺ کے متعلق غلط جملہ استعمال کیا۔ آپ اسے پکڑ کر والی مصر حضرت عمرو بن العاص کے پاس لے گئے۔ والی مصر نے نصاریٰ کو بلایا اور فرمایا کہ ہم انہیں عہد دے چکے ہیں۔ حضرت عرفہ نے فرمایا:

"معاذ اللہ' کیا ہم نے ان کا اس لئے عہد و ذمہ لیا کہ یہ ہمیں اللہ
اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق ایذا دیں۔ ہم نے تو صرف یہ ذمہ
لیا ہے کہ ہم ان کے درمیان اور ان کے کنائس (عبادت گاہوں) کے

درمیان کوئی مداخلت نہیں کریں گے یعنی اپنی عبادت گاہوں میں وہ جو چاہیں کریں اور ہم نے اس بات کا ذمہ لیا کہ ہم ان پر ان کی استطاعت سے زیادہ کوئی بوجھ نہیں ڈالیں گے اور ان کی جان و مال اور عبادت گاہوں کی حفاظت کریں گے' نیز ان کے درمیان اور ان کے احکام کے درمیان کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔ مگر یہ کوئی مقدمہ ہمارے پاس لائیں تو ہم ان کے درمیان اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کریں گے۔"

حضرت عمرو بن العاص ؓ نے فرمایا: "صدقت" آپ نے سچ کہا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

دوسری روایت بھی اسی کتاب کے اسی صفحہ پر حضرت عمیر بن امیہ سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری ایک بہن مشرکہ تھی اور حضور ﷺ کے متعلق سب و شتم کرتی' تو آپ ایک دن تلوار لے کر آئے اور اسے قتل کر دیا' تو آپ کے بھانجوں نے چیخ و پکار کی اور کہا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے ماں باپ مشرک ہیں اور ان میں سے کسی کو قتل نہیں کیا گیا نیز ہم اپنی ماں کے قاتل کو جانتے ہیں۔ حضرت عمیر ؓ کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں کوئی بے گناہ نہ قتل کر دیا جائے تو آپ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ "تو نے اپنی بہن کو قتل کیا؟" جواب دیا: "جی ہاں۔" فرمایا: "کیوں؟" کہا کہ: "آپ ﷺ کے متعلق نازیبا الفاظ کہہ کر مجھے ایذا دیتی تھی۔" تو رحمت عالم ﷺ نے مقتولہ کے لڑکوں کو طلب کیا اور ان سے پوچھا' تو انہوں نے بے گناہ آدمی کو قاتل قرار دیا' تو آپ نے پورے معاملہ سے مطلع فرماتے ہوئے ان کا خون معاف کر دیا۔ (رواہ الطبرانی)

جناب عرفہ نے جب اپنا نظریہ پیش کیا تو حضرت عمرو بن العاص ؓ کا "صدقت" کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچانا اور اس طرح مومنین کو ایذا پہنچانا ناقابل معافی جرم ہے۔ حضرت عمیر بن امیہ کا اپنی بہن کو قتل کر دینا اور حضور ﷺ کا ان کی بہن کے خون کو هدر قرار دینا اس بات پر دلیل ہے کہ شاتم رسول واجب القتل ہے' خواہ مسلمان ہو یا ذمی۔

مذکورہ بالا روایات' نیز ان تمام روایات سے' جو دیگر علماء نے پہلے پیش کیں' یہ

بات ثابت ہوتی ہے کہ ان حضرات نے شتم رسول ﷺ کو کفر ہی نہیں قرار دیا' بلکہ حد قرار دیا اور کسی نے بھی شاتم سے استتابت نہیں کی' لہٰذا ثابت ہوا کہ شاتم خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم' اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی' بلکہ اسے حداً قتل کیا جائے گا۔

اس مقام پر عرض کر دینا مناسب ہو گا کہ استتابت اور توبہ کی اگر اجازت دے دی جائے تو نبی اکرم ﷺ کی حرمت سے لوگ کھیلنے لگیں گے۔ العیاذ باللہ سب و شتم کریں گے اور یہ جان کر کہ توبہ کرنے سے حد سے بچ جائیں گے' توبہ کر لیں گے۔ اس طرح ان کی جرأت بڑھے گی۔ علامہ احمد فتحی بھنتی نے اپنی کتاب "السیاسته الجنائیة فی الشریعته الاسلامیه" طبع قاہرہ1965ء ص140 پر مرحوم ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کے حوالے سے لکھا ہے:

> "جب ہم توبہ کرنے والے کو "حد" معاف کرنا شروع کر دیں' گویا کہ ہم بہت سے ایسے لوگوں کو معاف کریں گے جو زبان سے وہ بات کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی' تو اس وقت حدود اللہ ضائع ہو جائیں گے اور مجرم محارم اللہ کو توڑنے کی جرأت کریں گے اور ہمیشہ کہتے رہیں گے تبنا و انبنا الی اللّٰہ ہم نے توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں رجوع کر لیا ہے۔"

لہٰذا شاتم رسول ﷺ کے لئے قرآنی آیات' احادیث' اجماع صحابہ اور مصالح زمانہ کے تحت استتابت کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور وہ واجب القتل ہے۔

احادیث اور اجماع کے باعث جملہ فقہاء امت کا بھی اس امر پر اجماع ہے کہ شاتم رسول ﷺ قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی' نہ اس کی توبہ قبول کی جائے گی۔ حوالے کے لئے ملاحظہ ہو۔

(ابن الھمام فتح القدیر ج4' صفحہ407' طبع مصر)

امام ابن عابدین فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ پر سب و شتم کرنے والے کو بطور حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی' کیونکہ حد توبہ کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔

انہوں نے علامہ محی الدین کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

سب و شتم کرنے والے کے متعلق فتاویٰ بزازیہ میں مذکور ہے کہ جو آدمی حضور

ﷺ یا کسی اور نبی کی شان میں گستاخی کرے اسے "حداً" قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی' چاہے گرفتاری اور گواہی کے بعد توبہ کرلے یا اس سے پہلے ازخود توبہ کرلے' اس لئے کہ یہ حد واجب ہے' جو توبہ سے ساقط نہیں ہوتی اور اس میں کسی کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ ایسی حد ہے جس سے "حقوق العباد" متعلق ہیں اور حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے' جیسا کہ "حدقذف" اور یہی امام اعظم اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا مذہب ہے اور اسی پر آج تک علماء روم فتویٰ دیتے چلے آئے ہیں۔

علامہ محی الدین حنفی لکھتے ہیں:

گستاخ رسول ﷺ کے قتل کا وجوب اس پر مبنی ہے کہ علت قتل حضور ﷺ کو ایذا پہنچانا ہے اور آپ کے سبب سے آپ کی امت کو ایذا پہنچانا ہے اور یہ حق العبد ہے اور نظم و ضبط کو برقرار رکھنے اور ارتداد سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ یہ امام صاحب اور آپ کے ساتھیوں کا مسلک ہے اور توبہ سے حقوق اللہ ساقط ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد آدمی کی زندگی میں اس کی رضا سے معاف ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں ابتداء اسلام میں بہت سے ایسے کیس معاف فرما دیئے' بتقاضائے حکمت و مصالح' لیکن آپ کی رحلت کے بعد آپ کی طرف سے کوئی دلیل رضا نہیں پائی جاتی۔ یقینی طور پر لہٰذا آپ کے بعد آپ کے گستاخ کو قتل کیا جائے گا۔

ان سارے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ سب النبی ﷺ میں حق اللہ کے ساتھ حق العبد بھی شامل ہے اس لئے یہ گناہ توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا۔

آیات قرآنی' احادیث رسول' اجماع صحابہ اور اجماع فقہاء کے مقابلے میں استتابت (یعنی توبہ) کا ایک قول امام ابوحنیفہ سے ملتا ہے۔ لیکن یہ اصول فقہ کا ایک قاعدہ ہے کہ اگر اجماع صحابہ اور اجماع ائمہ بخلاف ایک قول ابی حنیفہ کا مل جائے تو امام صاحب کے اس قول کو ترک کر دیا جائے گا جو مذکورہ اجماعات کے خلاف ہو اور اس قول کو ترجیح دی جائے گی جو اجماعات کا مؤید ہو۔ اس طرح ایک مسئلہ پر فقہاء امت کا اجماع منعقد ہو جائے گا۔

میرے خیال میں عدم استتابت کے قول کو قول محکم اور استتابت کے قول کو قول شاذ قرار دینا ہو گا۔ اسی لئے موطا امام مالک طبع قاہرہ 1967ء ص310 پر امام احمد کا یہ قول

منقول ہے:

و ان لم یطمع (حکم) فی ذالک و لم یساله المرتد فقتله فلا باس بذالک کله۔

مزید آنکہ خود امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اگر تمہیں میرا کوئی قول حدیث رسول ﷺ کے خلاف نظر آئے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو اور حدیث پر عمل کرو۔ اس اصول کے تحت بھی چونکہ امام صاحب کی دوسرے رائے یعنی استتابت حضور ﷺ کے قول' فعل اور تقریر سے متصادم نظر آتی ہے' اس لئے میری رائے یہی ہے کہ امام کے استتابت والے قول کو ترک کر کے عدم استتابت والے قول کو قبول کرنا چاہئے اور شاتم رسول کو قتل کر دینا چاہئے اور اسے توبہ کرنے کا ہرگز موقع نہ دینا چاہئے۔

مذکورہ بالا بیان تو صراحتاً شتم کے بارے میں کہا گیا ہے' اگر کوئی شخص کنایتاً اشارتاً بھی سب و شتم کرتا ہے یا اس کے کلام میں شتم کا واہمہ بھی پایا جاتا ہے تو اس کے لئے علامہ محی الدین حنفی نے لکھا ہے:

> "اگر کوئی شخص صراحتاً حضور ﷺ کی حرمت کا انتہاک نہیں کرتا بلکہ کنایتاً ایسا کرتا ہے تو حاکم کو چاہئے کہ کلام کے سیاق و سباق' قرائن' اس آدمی کے حالات' نظریات' مشورہ اور دیگر اقوال و تصانیف و اعمال کو پیش رکھ کر فیصلہ کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ "یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم" والی صورت پیدا ہو۔ ایسی صورت میں قرینہ قاطع سے کام لینا چاہئے۔"

قرینہ قاطع:

یہ ایسی علامت کو کہا جاتا ہے جو یقین کی حد تک پہنچ جائے' مثلاً ایک آدمی ایک خالی مکان سے نکلتا ہے جو کہ خوف زدہ اور مدہوش ہے اور اس کے ہاتھ میں چھری بھی ہے' جو خون آلود ہے اور مکان میں جا کر دیکھا گیا تو ایک آدمی اسی وقت ذبح کیا ہوا موجود ہے اور اس شخص کے قاتل ہونے میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی احتمالات وھمیہ کو جگہ دی جا سکتی ہے کہ مقتول نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہو۔ تو اگر کسی قتل کے مقدمہ میں قرینہ قاطع حکم کی بنیاد بن سکتا ہے تو انتہاک حرمت رسول اللہ ﷺ کے

معاملے میں بھی اسے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ایسی صورت میں حالات زمانہ اور مقتضیات عہد کے تحت جس طرح "امرۃ معلقہ" کے مسئلے میں ہمارے علماء نے اصول تلفیق پر عمل کر کے امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے اسی طرح اس وقت' جب کہ ہمارا ملک نظریاتی بحران میں مبتلا ہے اور پاکستان میں غیرملکی طاقتیں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کو پامال کرنا چاہتی ہیں اور اس مملکت خداداد کو لادینیت کی جھولی میں ڈال دینا چاہتی ہیں' قرآن و سنت کی برملا تضحیک ہو رہی ہے بلکہ ایک مرتبہ پاکستان کی پارلیمنٹ نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ پرانی کتاب اس دور میں نہیں چل سکتی' نہ اس میں ہمارے مسائل کا حل ہے۔ دن رات مختلف لادینی جماعتیں پاکستانی عوام کو دین سے برگشتہ کرنے میں مصروف ہیں' لہٰذا سد ذرائع کے طور پر بھی مصالح مرسلہ کا یہ تقاضا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے ایسے سوراخ کو بھی بند کر دیا جائے' جس سے شریعت یا صاحب شریعت کی حرمت کی اہانت ہوتی رہے گی ورنہ سنگ رابستہ و سگ راکشادہ والی کیفیت پیدا ہو گی اور جس ایرے غیرے کا جی چاہے گا' شریعت اور صاحب شریعت کا انتہاک کرتا پھرے گا۔

اندک پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

مولانا عبدالمالک کاندھلوی (مرحوم)

مولانا کاندھلوی مرحوم کا تعلق علمائے دیوبند سے تھا اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے شیخ الحدیث رہے ہیں اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے متوسلین میں سے ہیں۔ شاتم رسول ﷺ کے لئے قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں سزائے موت تجویز کرتے ہیں۔

شاتم رسول ﷺ کی سزا قتل ہے:

ائمہ امت کے تمام فقہاء اور ائمہ مفسرین اور محدثین کا فیصلہ ہے کہ توہین رسول اللہ ﷺ کی سزا موت ہے۔ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور ابوبکر بن عربی نے کتاب "احکام القرآن" میں صراحت کے ساتھ لکھاہے کہ قرآن اور رسول خدا ﷺ کی توہین اور تمسخر ایسا کفر ہے کہ جس کے بارے میں امت نے کبھی کوئی اختلاف نہیں کیا۔ قاضی عیاض نے کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ میں یہی فتویٰ دیا ہے۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص کی زندگی میں اگر صرف ایک مرتبہ یہ بات پیش آئے یا اس کی کتاب اور تحریر میں ایک بھی جملہ ایسا پایا جائے' وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہے اور شیخ الاسلام کے اس فیصلے سے بھی یہ بات واضح ہو گئی کہ توہین رسالت کا درجہ قتل پیغمبر کے برابر ہے اور جو چیز قتل کے برابر شمار کی جائے' شریعت کے قانون میں اس پر قتل کی سزا جاری کرنے میں کیا تردد ہو سکتا ہے۔

علامہ شامی جن کا فتویٰ امت مسلمہ میں سند شمار کیا گیا اور اسلامی عدالتیں ان کے فتویٰ پر عمل کرتی رہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اس موضوع پر ایک مستقل باب لکھا جس میں کئی فصلیں ہیں۔ ان میں سے ایک فصل کا تعلق توہین رسول اللہ ﷺ کے ارتکاب کرنے والے کے واجب القتل ہونے سے ہے' چنانچہ وہ اپنی اسی کتاب میں امام تقی الدین ابوالحسن علی ابن کافی سبکی سے ان کی کتاب "السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ" سے نقل کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو بھی شخص آنحضرت ﷺ کی شان میں توہین کرے' اس کی سزا قتل ہے اور ثابت کیا کہ یہ ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری' شام و عراق

اور مصر کے تمام قاضیوں اور مفتیوں کا یہی فتویٰ عدالتوں میں نافذ و جاری رہا۔ ان نقول اور حوالے سے یہ چیز نہایت واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ توہین رسول کے مرتکب شخص کے بارے میں تاریخ اسلام میں کبھی کوئی اختلاف نہیں پایا گیا اور صحابہ کے عمل سے بھی اس بات کا ثبوت ملا کہ انہوں نے ایسے مجرم کو سزائے موت دی اور آنحضرت ﷺ نے اس کی توثیق فرمائی اس موقع پر ہم یہ بات واشگاف لفظوں میں کہنا چاہتے ہیں کہ اگر عدالتی سطح پر کسی ایک عدالت کا کسی مقدمہ میں فیصلہ نظیر قرار دیا جاتا ہے اور اس پر عدالتیں نظیر قرار دے کر فیصلے کرتی ہیں' تو کیا وجہ ہے کہ امت مسلمہ کا اجماع تمام ائمہ کا اجماع اور سب سے بڑھ کر بارگاہ رسول اللہ ﷺ سے صادر شدہ فیصلہ ہماری عدالت نہ مانے اور اس کے مطابق اس جرم کی سزا' سزائے موت تسلیم نہ کرے۔ ہم ایسی صورت میں یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اسلامی ملک کی عدالت اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ اور امت کے اجماعی فیصلہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ہم اپنے اس مدعا کو ثابت کرنے کے لئے سب سے پہلے قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی یہ واضح ترین آیت:

ملعونین اینما ثقفوا اخذوا و قتلو تقتیلا (سورہ احزاب)

یہ الفاظ وضاحت کے ساتھ اس قانون الٰہی کو بیان کر رہے ہیں کہ ایسے ملعون مجرمین کی معافی کسی طرح ممکن نہیں ہے' جہاں پر بھی ملیں اور جس طرح ان پر قابو پایا جا سکے ان کو پکڑا جائے اور ان کو قتل کیا جائے۔

قرآن کریم نے منافقین کا کردار اور ان کی گستاخیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ واقعہ ذکر کیا:

یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخر جن الاعز منھا الاذل وللّٰہ العزۃ و لرسولہ و للمومنین و لکن المنافقین لا یعلمون ○ (سورۃ منافقون:8)

یہ بات اس وقت پیش آئی جب کہ آنحضرت ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے واپس لوٹ رہے تھے' تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی سلول اور اس کے ساتھیوں نے آپس میں اس قسم کی گفتگو کی تھی تو ابن ابی سلول کے بیٹے' جو صحابی تھے' ان کو جب اس بات کا علم ہوا تو اپنے باپ کی گردن پر تلوار لے کر سوار ہوئے اور یہ کہا کہ اگر تو نے یہ بات

کہی ہے تو میں ابھی تجھ کو قتل کرتا ہوں ورنہ تو اس چیز سے توبہ کر اور اقرار کر کہ تو خود ذلیل ہے' اللہ اور اس کا رسول ﷺ عزت والا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اس قصہ کو اپنی تفسیر ابن کثیر ج 4' ص 372 پر بیان کیا ہے۔

ایک روایت میں یہ لفظ ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے باپ کا سر قلم کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں لاؤں۔ قرآن حکیم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ اگر کوئی منافق تنہائی میں بھی آنحضرت ﷺ کے متعلق صرف اتنی سی بات کرے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھی ذلیل ہیں' عزت والے نہیں' تو اس کو مستحق قتل شمار کیا گیا۔

کیا شاتمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توبہ قابل قبول ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری

یہ مضمون ڈاکٹر صاحب موصوف کے مقالہ وفاقی شرعی عدالت کے کتابچہ سے ماخوذ ہے جو ان کے ادارہ کی جانب سے موصول ہوا۔

پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری پاکستان اور بیرون پاکستان کی ایک معروف علمی اور دینی شخصیت ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ میں صاحب موصوف نے صدر اور حکومت پاکستان کے خلاف توہین رسالت کی سزا کے بارے میں ہماری شریعت پٹیشن اور اس میں اٹھائے گئے نکات کی اور ہماری آئینی اور قانونی بحث کی نہ صرف مکمل تائید اور حمایت کی بلکہ اپنے منطقی زور استدلال سے عدالت کی بھی پوری قوت کے ساتھ معاونت کی مگر راقم الحروف اور معاونین علمائے عدالت کا پروفیسر صاحب موصوف سے جرم توہین رسالت کے سلسلہ میں صرف "نیت" اور "ارادے" (Intention And Motive) کے مسئلہ پر دیانت دارانہ اور تحقیقی اختلاف رہا ہے۔ جس کا ذکر ہم نے مقالہ کے آخر میں کر دیا ہے۔

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسئلہ توبہ:

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخ کا وجود اس لائق نہیں کہ وہ زمین پر موجود رہے بلکہ اسے فی الفور واصل جہنم کرنا ضروری ہوتا ہے۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کا عمل اس پر شاہد عادل ہے کہ انہوں نے جب دیکھا کہ اس شخص کو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ منظور نہیں تو انہوں نے اسے توبہ کرنے کے لیے نہیں کہا بلکہ فی الفور اندر سے تلوار لاکر اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ اس پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ اسے توبہ کا موقع فراہم کیا جانا چاہیے تھا بلکہ ان کے فیصلے کی تحسین فرماتے ہوئے تاقیامت امت مسلمہ کو سنت فاروقی پر عمل کرنے کا حکم دیا بلکہ اسے ایمان کی علامت قرار دیا۔ اس بارے میں یہی دلائل امام ابن تیمیہؒ کے مضمون میں تفصیل کے ساتھ آچکے ہیں۔ اس لئے ان کا یہاں اعادہ نہیں کیا گیا۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے کے بعد جب تائب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو علم ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس

سے ملاقات نہ فرمائی بلکہ تاخیر فرمائی تاکہ کوئی مسلمان اسے قتل کردے۔

شیخ ابن تیمیہ اس روایت کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کا یہ عمل اس بارے میں نص ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوئی۔

اگر اسے فی الفور قتل نہ کیا جاسکے اور وہ توبہ کرلے تو اس کی توبہ پر توجہ نہیں دی جائے گی بلکہ اس پر حد جاری ہوگی جس طرح دیگر جرائم میں ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں فقہاء اسلام کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

فقہاء اسلام کی تصریحات:

فقہا اسلام کی تصریحات میں امام شامی' امام ابن ہمام کی ان آرا کا حوالہ یہاں درج نہیں کیا گیا جن کا ذکر مولانا سعید احمد کاظمی کے مضمون میں آچکا ہے ان کے علاوہ فتاویٰ درج ذیل ہیں۔

(1) امام صدر الشہید حنفی کا فتویٰ بھی ہے۔

"ہم اس کی توبہ اور دوبارہ اسلام لانے کو قبول نہیں کریں گے بلکہ اسے قتل کردیں گے۔

"اس کی توبہ نہ اللہ کے ہاں قبول ہے اور نہ لوگوں کے ہاں اور اس کا حکم سوائے قتل کے کچھ نہیں۔ اس پر تمام متاخرین علماء کا اجماع ہے اور یہی رائے اکثر متقدمین کی بھی ہے۔ (خلاصہ الفتاوی' (386;4)

گستاخ رسول کا حکم دیگر مرتدین سے الگ ہے:

گستاخ رسول گستاخی کی وجہ سے مرتد ہو جاتا ہے مگر چونکہ اس کا جرم دیگر جرائم سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس نے اس ہستی کی ناموس و عزت پر ہاتھ ڈالا جو اس کائنات میں سب سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا یہ جرم دیگر مرتدین کے جرم سے زیادہ سنگین تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر مرتدین پر اسلام پیش کیا جائے گا اور اگر وہ اسے قبول کرلیں تو ان کو چھوڑ دیا جائے گا مگر گستاخ رسول پر اسلام بھی پیش نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاملہ حضور ﷺ کی خصوصی تعظیم و توقیر سے متعلق ہے اور غیرت الٰہیہ کا تقاضا اپنے محبوب ﷺ کے لیے ایسا ہی ہے۔

(4) امام بن نجیم حنفی رسالت مآب ﷺ کی گستاخی کرنے والے شخص کو مرتد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دیگر مرتدین سے اس کا حکم جدا ہے کیونکہ دیگر مرتدین کی توبہ قبول کی جائے گی مگر گستاخ رسول کی توبہ قابل قبول نہیں۔

"ہر ارتداد برابر ہوتا ہے اگر مرتد اسلام کی طرف راغب ہو جائے تو اسے چھوڑ دیا جائے گا مگر اس سے کچھ مسائل مستثنیٰ ہیں ان میں پہلا یہ ہے کہ جو گستاخ رسول ہو (اسے نہیں چھوڑا جائے گا اور ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔)" (بحرالرائق' 135:5)

(5) امام شامیؒ ایسے شخص کے جرم ارتداد کو دیگر مرتدین کے جرم سے زیادہ سنگین تر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"شاتم رسول ﷺ کا ارتداد دوسرے ارتداد کی طرح نہیں کیونکہ دیگر ارتداد انفرادی عمل ہوتے ہیں اور ان میں کسی دوسرے کا حق متعلق نہیں ہوتا' اس لئے اس کی توبہ قابل قبول ہوتی ہے مگر شاتم اگر توبہ کرلے تو بھی صحیح مذہب کے مطابق بطور حد قتل کیا جائے گا۔(تنقیح حامدیہ' 157)

(6) امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ کو سب و شتم کرنا اسلام سے اعراض (ارتداد) کی نسبت بدرجہا بدتر ہے۔ (الصارم المسلول: ۸۹۲)

گستاخ رسول زندیق ہے اس کا عمل قابل معافی نہیں:

(7) امام خیرالدین رملی حنفی فتاوی بزازیہ میں رقمطراز ہیں۔

"شاتم رسول کو بہر طور حد قتل کرنا ضروری ہے۔ اس کی توبہ بالکل قبول نہیں کی جائے گی خواہ یہ توبہ گرفت کے بعد ہو یا وہ اپنے طور پر تائب ہو جائے کیونکہ ایسا شخص زندیق کی طرح ہوتا ہے جس کی توبہ قابل توجہ ہی نہیں (اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اس میں کسی مسلمان کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس جرم کا تعلق حقوق العباد سے ہے یہ صرف توبہ سے ساقط نہیں ہو سکتا جس طرح دیگر حقوق

(چوری' زنا) توبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جس طرح حد تہمت توبہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ یہی سیدنا ابوبکرؓ ' امام اعظمؒ' اہل کوفہ اور امام مالک کا مذہب ہے۔ (تنبیہہ الولاۃ والحکام: 328)

علماء اور عدالتوں پر لازم ہے کہ وہ رسالت مآب ﷺ کی عزت کے پیش نظر ایسے شخص کے قتل کا حکم جاری کریں۔

(8) امام محمد بن عبداللہ صاحب تنویر الابصار عدم قبول توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"میری رائے کے مطابق یہی قول قوی ہے کہ جو شخص صاحب شرع کو برا کہتا ہے' اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ فتویٰ اور قضا کی صورت میں حضور ﷺ کے مرتبہ کے پیش نظر علماء اور عدالت پر لازم ہے کہ وہ اس کے قتل کا حکم دیں۔

کوئی عدالت یا حکومت اس سزا کو معاف نہیں کر سکتی؟:

آخری بات یہ ہے کہ کیا کوئی عدالت یا حکومت اس کو معاف کر سکتی ہے؟

(1) گستاخ رسول کا قتل بطور حد لازم ہے اور حد کو کوئی ساقط نہیں کر سکتا۔ حد کی تعریف ہی یہی ہے کہ اس میں انسان کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوتی ہے۔ عدالت اور حکومت پر اس کا اجراء لازم ہوتا ہے اس کو ساقط کرنا کسی کے اختیار میں نہیں۔

(2) یہ حضور ﷺ کا حق ہے کہ آپ ﷺ کے سوا اسے کوئی معاف نہیں کر سکتا جس طرح دیگر افراد کے حقوق وہی معاف کر سکتے ہیں۔

امام خیرالدین اسی طرف توجہ دلاتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"شاتم رسول کا قتل بطور حد لازم ہے جو توبہ سے ساقط نہیں ہو سکتا اور اس بارے میں کسی مسلمان کے اختلاف کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ایسا حق ہے جس کے ساتھ عبد خاص (حضور ﷺ) کا حق متعلق ہے اس لئے فقط توبہ سے ساقط نہیں ہوگا جیسے دوسرے لوگوں کے ہر قسم کے حقوق کے لیے خود حق دار کا معاف کرنا ضروری

ہے)۔" (تنبیہہ الولاۃ واحکام 33)

جب زنا' چوری اور شراب جیسے جرائم پر لاگو حد کوئی عدالت اور حکومت منسوخ نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس کے ارتکاب کرنے والے کو معاف کر سکتی ہے تو پھر اتنے عظیم جرم کی سزا کو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ مصنف:

پروفیسر صاحب موصوف نے وفاقی شرعی عدالت میں بیان دیتے ہوئے بتلایا تھا کہ دشنام رسول ﷺ کے سلسلہ میں گستاخ رسول ﷺ کی "نیت" (Intention) کو دیکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ملزم کو صفائی کا موقع دیئے بغیر سزا دی جائے گی۔ اسلام میں ملزم کو اپنے دفاع اور صفائی کا پورا حق دیا گیا ہے۔ صفائی کا موقع دینے سے "نیت" "قصداً" اور "ارادے" کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

مولانا صلاح الدین یوسف کا سلفی اور فقہی نقطہ نظر

مولانا صلاح الدین یوسف جماعت اہل حدیث کے معروف سکالر اور فیڈرل شریعت کورٹ کے مشیر اور ہفت روزہ "الاعتصام" کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں۔ مولانا نے شاتم رسول کی سزائے موت کے بارے میں قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں تحریری بحث داخل کرتے ہوئے راقم کے موقف کی تائید کے کرتے ہوئے لکھا ہے:

درخواست گزار اور اس پر دستخط کرنے والے علماء کا یہ موقف بالکل صحیح اور درست ہے۔ یہ مسئلہ فی الواقع قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے' جس کی ضروری تفصیل رٹ پٹیشن میں بھی موجود ہے۔ قبل اس کے کہ راقم بھی اس سلسلے میں کچھ گزارشات پیش کرے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے زیر بحث دفعات کی غیر معقولیت کو واضح کر دیا جائے۔

تعزیرات پاکستان میں درج دفعات میں جو سزا توہین رسالت مآب ﷺ پر رکھی گئی ہے' وہ آپ ﷺ کی شان رفیع سے بہت فروتر ہے۔ حالانکہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ سزا کی نوعیت جرم کی نوعیت کے مطابق ہونی چاہیے۔ کم تر جرم پر ہلکی سزا اور سخت جرم پر سخت سزا۔ لیکن ہلکے اور سخت دونوں قسم کے جرائم پر یکساں سزا یکسر غیر معقول ہے۔ یہی غیر معقولیت تعزیرات پاکستان کی دفعات مذکورہ میں پائی جاتی ہے جس کا ازالہ کرنا اور اسے معقول بنانا انتہائی ضروری ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی توقیر و تکریم اور تعظیم و محبت بھی اسی طرح جزو ایمان ہے جس طرح آپ ﷺ کی اطاعت فرض و لازم ہے۔ آپ ﷺ کی عظمت و بزرگی کے متعلق بجا طور پر کہا گیا ہے۔

کائنات میں آپ ﷺ کی حیثیت سید البشر کی بھی ہے اور خیر البشر کی بھی ﷺ ۔ ایسی بزرگ ترین ہستی کی توہین کی مستقل سزا سے تغافل و اعراض ناقابل فہم ہے اور اس کے استہزا اور استخفاف کو دیگر ذوات مقدسہ کے استہزاء اور استخفاف کے برابر سمجھ کر سب کی یکساں سزا مقرر کرنا عجیب سی بات ہے۔ حالانکہ عام لوگوں کو سب و شتم کرنا اگر اثم و معصیت ہے تو نبی کریم ﷺ کی نسبت ایسا رویہ اختیار کرنا کفر و محاربہ ہے اور ارتداد و زندقہ' بلکہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ نے تو اسے ارتداد سے بھی بڑا جرم قرار دیا

ہے۔

ان کے فتویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کو شتم کرنا ارتداد سے بھی بڑا جرم ہے۔ اس لیے کہ مرتد کو تو پھر بھی توبہ کرنے کا موقع دیا جاتا ہے' جب کہ رسول اللہ ﷺ کو سب کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے توبہ کا موقع دیے بغیر ہی قتل کر ڈالا۔ جس سے معلوم ہوا کہ شاتم رسول کا کفر مرتد سے کہیں بڑھ کر ہے' اس لیے اس کا قتل بھی اس سے اولیٰ ہے۔

علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ اور استخفاف ایسا مجرد معاملہ نہیں ہے کہ جس کا تعلق صرف آپ کی ذات گرامی سے ہی ہو' بلکہ یہ ایک ہمہ جہتی معاملہ ہے جس سے متعدد حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ کی حیثیت اللہ کے فرستادہ اور بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ محبوب اور مقرب بندے کی ہے۔ آپ ﷺ کی شان کا انکار یوں ہی ہے جیسے اس نے اللہ کے بھیجے ہوئے رسول کا انکار کیا اور اس کے سب سے زیادہ محبوب بندہ سے اظہار بغض و نفرت کیا۔ اسی طرح آپ پر طعن گویا اللہ کی نازل کردہ کتاب پر اور اس کے پسندیدہ دین۔۔۔ دین اسلام۔۔۔ پر طعن ہے۔ آپ کی تکذیب اللہ کی تکذیب ہے' جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اسی طرح پوری امت مسلمہ آپ پر ایمان رکھتی ہے اور آپ سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتی ہے۔ کیونکہ سارا دین آپ ہی کے ذریعے سے ملا ہے' مسلمان آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے' اس لیے آپ کی توہین پوری امت مسلمہ کی دل آزادی بھی ہے۔ بنا بریں رسول اللہ ﷺ کی توہین بہت بڑا جرم ہے۔ اس کی موجودہ سزا یکسر ناکافی ہے' اسے بہر صورت بدلنا چاہیے۔ اس کی سزا سزائے موت ہونی چاہیے جیسا کہ دلائل شرعیہ کا بھی تقاضا ہے ملاحظہ ہوں آیات قرآنی سورۃ التوبہ 65: الحجرات:2۔ البقرہ: 217 قاضی ابوبکر ابن العربی لکھتے ہیں:

> "نبی ﷺ کی عزت و حرمت آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسے ہی ضروری ہے' جیسے آپ ﷺ کی زندگی میں تھی اور آپ کے فرمودات جو منقول ہیں' ان کی رفعت آپ ﷺ کی وفات کے بعد ایسے ہی ہے جیسے زندگی میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کی تھی... آپ ﷺ کا کلام بھی وحی پر مبنی ہے اور قرآن ہی کی طرح قابل احترام ہے۔"

ابن العربی کی اس عبارت سے' جہاں یہ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی عزت و حرمت زندگی اور موت سے قطع نظر' ہمیشہ اور ہر وقت ضروری ہے' یہ بھی معلوم ہوا کہ احادیث رسول ﷺ کا احترام بھی قرآن کریم کے احترام کی طرح ضروری ہے اور اس کا استخفاف بھی قرآن کریم کے استخفاف سے کم نہیں۔ گویا احادیث رسول ﷺ کا انکار و استخفاف بھی کفر ہے۔

(3) فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم (النساء: 65)

اس آیت کے شان نزول کے پیش نظر بھی اس آیت سے بجا طور پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قرار واقعی احترام ملحوظ نہ رکھنے والے کا سر قلم کر دیا جانا چاہیے۔

ان آیات کے علاوہ بھی بہت سی آیات سے مسئلہ زیر بحث پر استدلال کیا گیا ہے' جس کی تفصیلات سے اہل علم آگاہ ہیں' اس لیے اب راقم شریعت اسلامیہ کے دوسرے ماخذ حدیث نبوی ﷺ سے چند شواہد پیش کرتا ہے۔

احادیث رسول ﷺ:

احادیث پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص و اہانت صرف کفر ہی نہیں' بلکہ کفر سے بڑھ کر ارتداد و محاربہ بھی ہے۔ جب تک کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ سے بغض و عناد نہ ہو' وہ وہ سب رسول ﷺ ارتکاب نہیں کر سکتا۔ اس لیے کسی نام نہاد مسلمان سے اس فعل شنیع کا ارتکاب ہوتا ہے' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرتد ہو گیا ہے اور دین اسلام سے اس نے بغاوت کر دی ہے۔ چنانچہ احادیث میں اسی لیے شتم رسول کی سزا وہی آئی ہے جو مرتد کے لیے ہے۔ ورنہ محض کفر کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے انفرادی قتل نہیں کرایا۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے قبل اسلام کے شدید دشمن تھے' لیکن آپ نے ان کو قتل نہیں کروایا۔ ابو جہل اور ابولہب' شیبہ اور عتبہ وغیرہ جیسے کچھ مخالف اسلام تھے' محتاج وضاحت نہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ بھی ایسا معاملہ نہیں فرمایا۔ ان کے برعکس آپ ﷺ نے کعب بن اشرف یہودی اور ابو رافع کو بطور خاص قتل کروایا۔ ان کا جرم بھی محض یہ نہیں تھا کہ وہ ذمی تھے اور انہوں نے نقض عہد کیا تھا' بلکہ ان کے قتل کی

اصل وجہ یہی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کر کے تکلیف پہنچاتے تھے۔ ابو رافع یہودی کو آپ ﷺ نے قتل کرایا اور اس کی وجہ صحیح بخاری میں یہ بیان کی گئی ہے۔ کان ابو رافع یوذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (''کتاب المغازی'' باب 15 اور 16)

علاوہ ازیں نبی ﷺ کے عہد سعادت میں ایسے واقعات ہوئے کہ شاتم رسول کو قتل کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے قاتل کی تصویب فرمائی اور مقتول کے خون کو ضائع قرار دیا۔

ام ولد اور یہودی عورت کے قتل کے دونوں واقعات صحیح ہیں۔ پہلے واقعہ کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں اور دوسرے کے راوی امام شعبی ہیں' جو حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔

تاہم اس میں اختلاف ہے کہ شاتم رسول ﷺ کو بغیر توبہ قتل کیا جائے یا مرتد کی طرح توبہ کا موقع دینے کے بعد توبہ نہ کرنے پر قتل کیا جائے۔ بعض آئمہ کا خیال ہے کہ سب رسول کی سزا...... قتل...... یہ حد ہے' جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتی۔ امام ابن تیمیہؒ وغیرہ نے اسی موقف کا اثبات کیا ہے۔ بعض دوسرے آئمہ اس قتل کو بطور تعزیر سمجھتے ہیں' اس لیے ان کا خیال ہے کہ شاتم رسول ﷺ اگر تائب ہو جائے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ بہرحال اس اختلاف سے قطع نظر مذکورہ شرعی دلائل کی روشنی میں امت مسلمہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے۔

صحابہ کرامؓ کا عمل:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز عمل بھی اگرچہ پچھلے واقعات سے واضح ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں انہوں نے شاتم رسول کو قتل کر دیا اور آپ ﷺ نے اس جرم کی اس سزا کی تصویب و توثیق فرما دی' تاہم آپ ﷺ کے دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد بھی عہد صحابہ میں شاتم رسول ﷺ کی یہ سزا برقرار رہی اور صحابہ اس کی یہی سزا سمجھتے رہے' جیسا کہ سنن ابو داؤد اور نسائی کی روایت میں ہے۔

عہد صحابہ میں شاتمان رسول کے قتل کے اور بھی واقعات ہیں جو احادیث و سیر کی

کتابوں میں موجود ہیں' جن سے واضح ہے کہ اس مسئلے میں صحابہ کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا۔

اقوال ائمہ:

امت کے ائمہ و فقہاء کا بھی اس بارے میں اتفاق ہے' چنانچہ امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

> "حدیث ابن عباسؓ اور حدیث شعبیؒ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کو سب وشتم کرنے والے کو قتل کر دیا جائے گا اور ابن منذر نے شاتم رسول کے وجوب قتل پر اتفاق نقل کیا ہے... امام خطابی کہتے ہیں کہ اس فعل شنیع کا مرتکب اگر مسلمان ہو تو اس کے وجوب قتل میں کوئی اختلاف نہیں۔"

اس سلسلے میں امام ابن تیمیہ نے آئمہ کرامؒ کے اقوال نقل کیے ہیں' جن میں سب وشتم کی مختلف نوعیتوں کی تفصیل بھی آگئی ہے۔

ایک ضروری وضاحت:

یہاں ایک اور نکتے کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ایک ہی گناہ پر نیت و اعتقاد کے مختلف ہونے کی وجہ سے الگ الگ احکام مرتب ہوتے ہیں' اسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے' مثلاً ایک شخص چوری کو گناہ سمجھتے ہوئے چوری کرتا ہے تو وہ فاسق اور قطع ید کی سزا کا مستحق ہے اور اگر وہ چوری کو بالکل جائز اور حلال سمجھ کر کرتا ہے' تو یہ عقیدہ اس توہین مذہب کی ذیل میں آجاتا ہے' جس پر عدم توبہ کی صورت میں سزائے موت دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح شراب نوشی' قتل زنا ترک صیام رمضان وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے لیکن سمجھتا اسے گناہ ہی ہے تو اسے صرف فاسق ہی کہا جائے گا اور اس پر گناہ کے مطابق حد' قصاص یا تعزیر نافذ ہوگی' لیکن اگر ان کے ارتکاب کو وہ جائز اور حلال سمجھتا ہے تو یہ کفر و زندقہ ہوگا۔

بہرحال قرآن کریم' احادیث صحیحہ' تعامل صحابہ اور فقہائے امت کے اتفاق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تنقیص و اہانت' آپ ﷺ کا استہزاء واستخفاف اور آپ ﷺ پر سب وشتم ایسا فعل ہے کہ جس کا مرتکب۔۔۔ بلا

امتیاز مسلم و کافر۔۔۔ واجب القتل ہے۔ یہ محاربہ باللسان ہے جو محاربہ بالید سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے'

اس لیے توہین رسالت کی وہی سزا ہونی چاہیے جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اور دیگر دلائل شرعیہ کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

ان گزارشات کے ساتھ راقم زیر بحث درخواست کی مکمل تائید کرتا ہے۔

جہاں تک اس مسئلے میں مذاہب کے اختلاف کا معاملہ ہے' اس سلسلے میں عرض ہے کہ جمہور کا مسلک تو وہی ہے جس کا اثبات ابن تیمیہ نے "الصارم المسلول" میں کیا ہے' تاہم اس میں کچھ اختلاف بھی ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ راقم نے بھی اپنے مقالے میں اول الذکر نقطہ نظر کو زیادہ اہمیت دی ہے لیکن کل کی بحث سن کر احساس ہوا کہ علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ اسے بھی بیان کیا جائے کیونکہ اس دوسرے نقطہ نظر کا تقریباً انکار کر دیا گیا ہے۔

یہ اختلاف فقہائے احناف کا ہے' جن کا مذہب یہ ہے کہ سب رسول کا مرتکب اگر مسلمان ہے تو اسے توبہ کا موقع دیا جائے گا اور اگر ذمی ہے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ سب رسول ﷺ سے نقض عہد نہیں ہوگا۔ (اس کے لیے ملاحظہ ہو ہدایہ' کتاب السیر' باب الجزیہ' فتح القدیر لابن الہمام' باب مذکور' الصارم المسلول۔ ص302-313' احکام اہل الذمتہ لابن القیم' ج2' ص810 الحل آخری جلد' مسئلہ 1312ء باب حکم من سب رسول اللہ ﷺ ' فتح الباری کتاب استتابۃ المرتدین' باب 4 صفحہ 308' مطبوعہ مصطفیٰ بابی الحلی 1959ء) عبارت فتح الباری' ان کان ذمیا عزر وان کان مسلما فھی ردتہ' نیل الاوطار ج7' آخری باب طبع میزیہ مصر)

صحیح بخاری سے حنفی مذہب کی تائید:

دلچسپ بات یہ ہے کہ حنفی مذہب میں ذمی کے بارے میں جو کہا گیا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا' اس کا اثبات ہدایہ میں علامہ ابن الہمام نے صحیح بخاری کی ان روایت سے کیا ہے جن میں آتا ہے کہ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں آتے تو آپ ﷺ کو السلام علیک کہنے کی بجائے السام علیک کہتے اور انہی احادیث امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی مسلمان یا ذمی نے سب رسول کا ارتکاب صراحتاً نہیں بلکہ تعریضاً کیا ہے تو

اس کا کیا حکم ہے۔

اس باب سے امام بخاری اور فقہائے احناف نے یہ استدلال کیا کہ سب رسول اگر صراحتاً نہیں تعریضاً ہے' تو اس کا مرتکب واجب القتل نہیں ہے۔

یہ مسلک دلائل کی رو سے کیسا ہے؟ اس پر بحث کی جاسکتی ہے' لیکن اس کا انکار علمی دیانت کی منافی ہے۔

تطبیق کی صورت:

جب اس مسئلے میں اختلاف ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے س کو اتفاقی مسئلہ کیوں لکھا ہے۔ جیسا کہ امام شوکانی کے حوالے سے بھی گزر چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ جب زیادہ اہمیت کا حامل ہو تو اسے زیادہ سے زیادہ اتفاقی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے' حتیٰ کہ بعض دفعہ اختلافی نقطہ نظر کو بالکل نظرانداز کرکے اتفاق و اجماع کا دعویٰ کردیا جاتا ہے اور جزوی اختلافات کا ذکر نہیں کیا جاتا' جیسا کہ متعدد مثالیں اس کی کتب فقہ سے پیش کی جاسکتی ہیں۔

اور بعض دفعہ کسی فعل کی شناعت و قباحت کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنے کے لیے بھی ایسا کیا جاتا ہے۔ سب رسول ﷺ کی شناعت و قباحت تو محتاج بیان ہی نہیں' اسی کیفیت کو نمایاں کرنے کے لئے اختلاف کو نظرانداز کردیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں جن علماء نے یہ لکھا ہے کہ شاتم رسول ﷺ کو توبہ کا موقع دیے بغیر قتل کردیا جائے' اگر اس کو محمول کرلیا جائے' اس شخص پر جو کنایتاً نہیں بلکہ سب صریح کا ارتکاب کرتا ہے' جس میں ظاہر ہے کہ اس کی نیت بالکل واضح ہے' اس لیے ایسے شخص کو من غیر استتابتہ قتل کردیا جائے اور اس کے برعکس صورتوں میں توبہ کا موقع دیا جائے۔ یہ تطبیق کی ایسی صورت ہے کہ جس سے متعارض دلائل میں توافق و تطابق ہو جاتا ہے' کیونکہ راقم اب تک کی پوری بحث کی سماعت میں شریک رہا ہے اور وہ دیکھتا آرہا ہے کہ متعارض دلائل کی رو سے فاضل عدالت کے ذہن میں ایک اشکال چلا آرہا ہے' جسے پوری زور بیان کے باوجود دور نہیں کیا جاسکا ہے اور وہ اشکال یہی ہے کہ بعض آیات و واقعات حدیث سے توبہ کا موقع دینے کا جواز نکلتا ہے اور بعض سے اس کے برعکس ثبوت مہیا ہوتا ہے' تو کیوں نہ ان احادیث کو' جن میں من غیر استتابتہ قتل کا ذکر ہے' سب

صریح پر یا بار بار اس کا اعادہ کرنے والے پر محمول کرلیا جائے اور جن احادیث میں تعریضاً سب النبی ﷺ پر قتل کا حکم نہیں دیا گیا' وہاں دیگر دلائل شرعیہ کے اقتضاء کے مطابق قصد و نیت کو بھی دیکھا جائے کہ انما الاعمال بالنیات سے ٹکراؤ نہ رہے اور صفائی کا بھی پورا موقع دیا جائے اور محض واہمے اور مفروضے پر سزا سے اجتناب کیا جائے کہ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ ادرء والحد و دعن المسلمين ما استطعتم فان وجد تم للمسلم مخرجا فخلوا سبيله فان الامام ان لايخطي في العفو خير من ان يخطي في العقوبته (عن عائشہ' الجامعہ الصغیر للسیوطی مع شرح فتاویٰ' ج1' ص21' طبع مصر 1954ء محہ الحافظ السیوطی)

خلاصہ بحث:

اس پٹیشن کا مقصد یہ ہے کہ تعزیرات پاکستان میں جو ایک خلا ہے کہ اس میں شتم رسالت مآب ﷺ کی کوئی سزا ہی مقرر ہی نہیں ہے بلکہ ایک عمومی انداز میں اس کا ذکر آیا ہے اور اس پر جو تعزیری سزا رکھی گئی ہے' وہ قرآن و حدیث کے مطابق بھی نہیں ہے لہٰذا اس اہم خلا کو پر کیا جائے اور گستاخی رسول ﷺ کی وہ سزا مقرر کی جائے جس پر امت کا اتفاق ہے۔ اس پٹیشن کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ تمام باشندگان ملک کو گردن زدنی قرار دے دیا جائے' جیسا کہ خلط مبحث کرکے ایسا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نوٹ مصنف:

مولانا صلاح الدین یوسف کی اس رائے سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا کہ ہماری توہین رسالت کی اس پٹیشن کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ تمام باشندگان ملک کو گردن زدنی قرار دیا جائے اور نہ کوئی سلیم العقل آدمی ایسا سوچ سکتا ہے۔ البتہ تطبیق کی کوشش میں مولانا کو خود اشکال پیش آیا ہے۔ جبکہ گستاخ رسول ﷺ کو سزا کے متعلق پٹیشن میں واضح موقف اختیار کیا گیا ہے اور اس بارے میں وفاقی شرعی عدالت کا ذہن بھی بالکل صاف ہے۔ آخر خلاصہ بحث میں مولانا شاتم رسول ﷺ کی اسی سزائے موت سے متفق ہیں جس پر اجماع امت ہے۔ مگر اس سے قبل سزا کے بارے میں مولانا نے فقہائے احناف کے جزوی اختلاف کی چند کتابوں کا جو حوالہ دیا ہے اور اس کی تائید میں صحیح بخاری کی جو حدیث لائے ہیں ان کا مکمل اور نہایت مدلل جواب خود عالی مقام مصنفین نے اپنی

ان ہی کتابوں میں دے دیا ہے اور مولانا سلفی کو ان سے اتفاق ہے۔ اس لئے اس بحث کی ضرورت نہ تھی۔ جہاں تک "نیت" کا تعلق ہے "نیت" اسلام میں حدود اور تعزیری جرم کا اساسی رکن ہے۔ جس کا حوالہ فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ میں موجود ہے۔ اسلام نے ملزم کو اپنے دفاع کا حق دیا ہے۔ اس لئے توہین رسالت جیسے گھناؤنے اور ناقابل معافی جرم کے ملزم کو بھی صفائی کا حق حاصل ہے جس سے نیت کا مسئلہ خود بخود حل ہو گیا ہے۔ مولانا "سب صریح" (کھلی یا ظاہری گالی) دینے والے کو واجب القتل قرار دیتے ہیں لیکن "راعنا" والی آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ اس لفظ سے بھی اہانت کا پہلو نکلتا ہے جس کے استعمال سے اہل ایمان کو روک دیا گیا ہے۔ اگرچہ حضرت احمد رضا خاں بریلوی ؒ کی رائے کے مطابق اس زمانہ میں اس لفظ کے استعمال سے اہانت کا اندیشہ باقی نہیں رہا لیکن راقم مصنف کو اس سے بصد احترام اختلاف ہے۔ جب حکم الٰہی سے اس لفظ کے استعمال کی ممانعت کر دی گئی تو یہ لفظ تا قیام قیامت ممنوع قرار دیا جائے گا۔

مولانا محمد حسین اکبر اجتہادی۔۔۔ امامیہ موقف

مولانا محمد حسین اکبر جامعہ المنتظر کے پرنسپل اور فقہ جعفریہ کے مستند اور وسیع النظر مجتہد اور عالم ہیں۔ مذہب امامیہ کی رو سے شاتم رسول کو وہ واجب القتل قرار دیتے ہیں۔

شاتم رسول کی سزا:

"امامیہ اثنا عشریہ (ملت جعفریہ) کا قطعی وہی عقیدہ ہے جو برادران احناف' شوافع حنابلہ یا مالکین کا ہے کہ شاتم رسول ﷺ قتل کیا جائے گا۔

مذہب امامیہ گستاخ ﷺ قتل کیا جائے گا:

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھے بتایا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے تعلق میں سب لوگوں کی ذمہ داری یکساں ہیں' پس جو شخص بھی کسی سے میرا ذکر گالی سے کرتے ہوئے سنے تو اس پر واجب ہے کہ اس گستاخ کو قتل کر دے۔ حاکم تک یہ مقدمہ لے جانے کی ضرورت نہیں ہے' تاہم اگر حاکم کے سامنے اس قسم کا مقدمہ پیش ہو تو اس پر فرض ہے کہ جس نے میرے باب میں زبان درازی کی ہو' اسے قتل کردے۔ یہی حکم "تحریر الوسیلہ" ج2' ص606۔607 "شرائع الاسلام کتاب الحدود "ص167 الشیعہ فی عقائد ھم واحکامھم" ص241' "عقائد" از شیخ صدوق ابو جعفر بابویہ قمی علیہ الرحمہ' ملا باقر مجلسی علیہ الرحمہ' ترجمہ مولانا عارف حسین لاہور' "کتاب الحدودوا التعزیرات" از آیت اللہ السید محمد شیرازی مد ظلہ' 348 تا 366' حصہ اول میں موجود ہے کہ جب کوئی بالغ عاقل مختار اور باخبر ہو اور پھر حضرت رسول ﷺ کو شتم کرے' قتل کیا جائے گا۔

آیت اللہ سید محمد شیرازی مد ظلہ نے "کتاب الحدود" ص361 پر وسائل الشیعہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ جب کوئی انسان یہ گمان کرے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے کوئی آدمی حسب اور فضیلت کے لحاظ سے حضور ﷺ جیسا ہے تو اسے بھی قتل کر دیا جائے۔

آیت اللہ آقائے السید ابو القاسم الخوئی مدظلہ نے تکملتہ المنہاج ج1'

ص264-265 میں افادہ فرمایا ہے کہ حضور پیغمبر ﷺ کو گالی دینے والے کو قتل کرنا سننے والے پر واجب ہے' بشرطیکہ اس کی جان' عزت اور مال خطیر کو خطرہ لاحق نہ ہو۔ یہی فتویٰ آیت اللہ آقائے شریعت مدار مدظلہ اور دیگر علماء اعلام شیعہ کا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے صحابہ عموماً اور حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ خصوصاً ہر طرح قابل احترام ہیں۔ انہیں جو عزت و عظمت حضرت رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور قربت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے' وہ امت میں کسی کو حاصل نہیں ہے۔ گر اصحاب رضوان اللہ علیہم کا احترام ملحوظ نہ رکھا جائے گا تو بہت بڑی زیادتی ہوگی۔ صحابہ کرام حضور ﷺ کی بارگاہ عرش مقام کے ستون ہیں' اس لیے اجماعاً اصحاب النبی رضوان للہ علیہم کو سب وشتم کرنے والوں کو کوڑوں کی سزا تجویز کی گئی ہے۔ "رسائل الشیعہ" ج18' ص460' کتاب "الحدود آقائے شیرازی" ص352)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے روایت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے آباء سے سنا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی نبی کو گالی دے قتل کیا جائے گا اور جو نبی کے صحابی کو گالی دے اسے کوڑے لگائے جائیں گے۔ دوسری حدیث

جامع الاخبار فصل ۵۲۱ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم من سبنی فاقتلوہ ومن سب اصحابی فاجلدو۔

"جو مجھے گالی دے اسے قتل کر دو اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اسے کوڑے لگاؤ۔"

اگر چہ کسی حدیث میں یہ تصریح نہیں ہےکہ شاتم صحابہ کو کتنے کوڑے مارے جائیں لیکن حضرت رسول اللہ ﷺ کا شاتم گستاخ مرتد ہے' اس لیے اسے مرتد کی سزا دی جائے گی اور صحابہ اخیار پر سب وشتم کرنا دائرہ قذف میں آتا ہے اور قذف کی سزا 80 کوڑے ہیں۔

حضرت خاتم النبین صلی اللہ ﷺ پر سب وشتم اور آپ کی شان میں توہین و گستاخی' آپ کے افعال و اقوال پر نکتہ چینی' آپ کی صداقت و عصمت میں شبہات' کسی طور کرنا ارتداد ہے اور ارتداد کی سزا قتل ہے۔

مجھے الرسائل میں آقائے الشیخ جعفر شوستری اعلیٰ اللہ مقامہ جو اجل علماء امامیہ میں سے ہیں' اسباب ارتداد کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کے متعلق یہ بیان کیا

گیا ہے کہ ان کا قول یا فعل باعث ارتداد ہے' ان میں دلی اعتقاد کے باقی رہنے یا نہ رہنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور اسباب ارتداد کے مطلب دوم میں لکھتے ہیں کہ وہ ارتداد جو زبان سے واقع ہو' اس کی ایک قسم یہ بھی ہے کوئی شخص اللہ تعالیٰ عزوجل یا حضرت رسول اللہ ﷺ کو سب کرے' خواہ وہ کسی لفظ میں ہو۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاتم نبی مسلم ہے یا غیر مسلم۔ تو فقہاء امامیہ نے مرتد کی دو قسم کی ہیں۔

مرتد فطری مرتد ملی:

مرتد فطری وہ شخص ہے جو مسلمان والدین سے پیدا ہوا اور مسلمان بالغ ہوا اور وہ ارتداد اختیار کرے' تو وہ مرتد فطری ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا' چاہے توبہ کرے یا نہ کرے۔

اس کا جسم مثل کفار نجس ہے' اس پر اس کی زوجہ حرام ہے۔ تمام اموال' ملکیت سے خارج ہو جائیں گے اور مسلم ورثاء میں تقسیم ہو جائیں گے۔ اس کے ہاتھ کا ذبح مردار ہے۔ اس کا مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔ اس کا نکاح زن مسلمہ و کافرہ دونوں سے باطل ہے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ خلاف شرع ہے۔ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ناجائز ہے۔

مرتد ملی وہ شخص ہے جو کافر والدین سے پیدا ہوا اور سن بلوغ تک کافر رہا۔ بعد میں مسلمان ہوگیا اور پھر کافر ہوگیا۔ اس کے متعلق چار حکم ہیں۔

اول یہ کہ اسے توبہ کرنے کا حکم دینا چاہیے اگر توبہ کرے تو مقبول ہے۔ توبہ کے لیے تین دن کی مہلت دی جائے گی۔ (حکم سوم) زوجہ کا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ عورت کو چاہیے عدۂ طلاق رکھے' اگر زمانہ عدت میں توبہ کرے تو پھر زوجیت میں داخل ہو جائے گی۔ (حکم چہارم) تمام مال اس کی ملکیت میں رہے گا لیکن تصرف سے روک دیا جائے گا' اگر توبہ کرلی تو فبہا ورنہ تمام مال اس کے مسلم ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اگر مرتد ملی نے تین دن کی مہلت میں توبہ کرلی' تو معاف کر دیا جائے گا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن مرتد فطری کی توبہ قبول نہیں ہے' اسے فوری قتل کر دیا جائے گا۔ یہی مسئلہ شرع اور شرائع الاسلام کے کتاب ارتداد میں درج ہے۔

چند حضرات یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بڑے بڑے گستاخوں کو معاف کر دیا تھا۔ کفار مکہ خصوصاً گستاخی میں بہت سخت تھے' دشمنی کی انتہا کر دی تھی' پھر بھی رحمت اللعالمین نے انہیں معاف کر دیا۔ لیکن اس نکتے کو اٹھانے والوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ کفار مکہ یا اسی قبیل کے افراد جب اپنے کفر پر ڈٹے رہے تو تمام گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے رہے' جب وہ مسلمان ہوگئے تو ان کے سب گناہ ختم ہوگئے۔ یہاں تک کہ حضور پاک ﷺ نے اپنے چچا سید الشہداء جناب حمزہ کا خون بھی معاف فرما دیا۔ اگر وہ اپنے کفر پر باقی رہتے تو قابو میں آجانے کے بعد ضرور قتل کر دیے جاتے۔

مولانا ریاض الحسن نوری کی ریسرچ

مولانا ریاض الحسن نوری ملک کے معروف ریسرچ سکالر ہیں' جن کے مقالات بین الاقوامی فورم میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ مولانا فیڈرل شریعت کورٹ کے مشیر بھی ہیں۔ مولانا نوری نے شاتمِ رسول ﷺ کا حقوق انسانی کے نقطہ نظر سے بھی جائزہ لیا ہے۔

کیا توبہ سے جرم توہین رسالت ساقط ہو جاتا ہے:

"جو لوگ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے والے مجرم کی توبہ کے قائل ہیں' وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ توبہ اور رجوع عن الاقرار کے سلسلے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد (حقوق انسانی) میں فرق ہے۔" رجوع عن الاقرار کے سلسلے میں ھدایہ کا یہ فقرہ قابل غور ہے:

ومن اقربالقذف ثم رجع لم یقبل رجوعه۔ "یعنی جو قذف کا اقرار کرلے اور اس کے بعد اقرار سے پھر جائے تو اس کا رجوع مقبول نہ ہو گا کیونکہ یہ حق العباد کا معاملہ ہے۔"

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا گناہ تو توبہ سے معاف ہو جاتا ہے لیکن بندہ کا گناہ توبہ سے معاف نہیں ہوتا بلکہ اسی شخص سے معاف کرانا پڑتا ہے جس کا گناہ کیا ہو۔
شہید کے سب گناہ جو حق اللہ سے متعلق ہیں' وہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے۔ قرضہ بھی معاف نہیں ہوتا۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے والا تو اللہ کا گنہگار بھی ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا گنہ گار بھی ہے۔ بلکہ ان تمام مسلمانوں کا گنہگار بھی ہے' جو اس وقت زندہ ہوں اور جن کے دل کو اس بات سے صدمہ پہنچا ہو۔

دیکھیے کہ اگر کوئی شخص مجھ پر یا کسی پر زنا' چوری' رشوت کا کوئی بھی الزام لگائے' تو ہمیں اس پر غصہ ضرور آئے گا لیکن اتنا نہیں کہ ہم اسے قتل کر دیں۔ لیکن اگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو کوئی برا کہے گا' تو ہمارا دل یہی چاہے گا کہ اسے ہم قتل کر دیں۔

اس بات کو ابن عابدین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"یعنی مومن کے دل کی تشفی اس وقت نہیں ہوتی' جب تک کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے والے لعین کو عذاب دینے اور مارنے پیٹنے کے بعد قتل نہ کیا جائے اور پھر اس کو مصلوب نہ کیا جائے۔
(پس ثابت ہوا کہ قتل ضروری ہے۔ عمر قید سے کام نہیں چلے گا۔

خاکسار کی رائے اگرچہ ابن حزم سے ملتی ہے کہ شبہ سے حد زائل ہو جاتی ہے' والی روایت ضعیف ہے۔ لیکن خاکسار کے سامنے دوسری حدیث موجود ہے جو بالکل صحیح ہے کہ

انما الاعمال بالنیات۔

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ملزم کی نیت واقعی شتم یا سب کی تھی' محض شک کی وجہ سے قتل کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ الاعمال بالنیات والی حدیث قتل کی سزا کا راستہ روک دیتی ہے' جب تک نیت واضح نہ ہو۔

پس اس بات کا پورا اطمینان ضروری ہے کہ ملزم کی نیت یقینی طور پر حضور کو برا کہنے کی تھی۔ جیسا کہ ان ہندو خبیثوں کی نیت واقعی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے کی تھی جن کو مسلمانوں نے قتل کیا۔ ان کی کتب اس پر یقینی ثبوت تھیں کوئی شک یا شبہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پس اگر شاتم رسول کا جرم اس طرح سے ثابت ہو جائے کہ شبہ کا کوئی سوال ہی نہ ہو' تو اس کو قتل کی سزا دی جائے گی اور توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ اگر یقینی ثبوت سے صرف نظر کرلی جائے تو بعض لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگ جسمانی معراج کی بجائے روحانی معراج کے قائل ہیں' وہ بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا مرتبہ گھٹا رہے ہیں اور یہ بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے کے مترادف ہے' تو اس کی زد میں تو بہت سے صحابہ کرام' جن میں حضرت عائشہ ؓ بھی ہیں' آجائیں گے۔ پس اس کا ثبوت ضروری ہے کہ نیت برا کہنے کی تھی۔

اب ہم جملہ معترضہ کو چھوڑ کر پھر بندے کے گناہ سے توبہ کی نامقبولیت کی طرف آتے ہیں۔ بندہ کا معاف کرنا ضروری ہوتا ہے۔ قذف کے جرم میں اللہ تعالیٰ کا حق بھی ہے اور بندہ کا حق بھی ہے' جس پر الزام لگایا جاتا ہے۔ ہم ذکر کرچکے ہیں کہ قذف میں

بندہ کے حق کی وجہ سے رجوع عن الاقرار نامقبول ہے۔ زنا کے اقرار سے توبہ کے بعد خلاصی ہو سکتی ہے لیکن قذف کے جرم میں توبہ کرکے بھی حد سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔

اس سلسلہ میں واقعہ افک کی مثال لیتے ہیں۔ قرآنی آیات نے حضرت عائشہ ؓ کی برات کردی۔ تینوں صحابہ کرام بھی مجسم تائب ہوگئے لیکن قذف کی سزا دو اصحاب اور ایک عورت کو دی گئی' جو سب کے سب سچے مسلمان اور صحابی تھے۔ مسطح حضرت ابوبکرؓ کے رشتہ دار تھے اور حضرت حسان بن ثابت دربار نبوی کے شاعر تھے اور کفار کے اشعار کا جواب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے دیا کرتے تھے۔ کیونکہ یہ معاملہ حقوق العباد کا تھا' اس لیے تینوں کو اسی اسی کوڑے مارے گئے اور خاتون بھی اس سزا سے بچ نہ سکیں۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ اگر کوئی فقیہ یہ کہتا ہے کہ اگر عورت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہے تو عورت کو موت کی سزا نہیں دی جاسکتی' تو اس کی رائے قابل قبول نہ ہوگی۔ افک کے واقعہ میں عورت کو بھی وہی سزا دی گئی تھی جو باقی اصحاب کو دی گئی تھی۔ جنس کی بنا پر سزا میں تفریق نہیں کی جاسکتی جبکہ آج کل عورتیں برابری کا دعویٰ کر رہی ہیں۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے شتم میں تو صدمہ نہ صرف حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پہنچتا ہے بلکہ تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ جیسا ذکر ہو چکا ہے' سب و شتم کی توبہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ مجرم اگر واقعی تائب ہو تو اس کا دل بھی یہی چاہے گا' تو اس جرم میں اسے موت کی سزا دی جائے اور وہ اس پر اسی طرح موت کی سزا پر اصرار کرے گا جیسا کہ حضرت ماعزؓ اور حضرت غامدیہ نے رجم کیے جانے کے لیے اصرار کیا بلکہ شتم نبی ﷺ کی صورت میں تائب مسلمان مجرم بطریق اولیٰ موت کی سزا پر اصرار کرے گا اور وہ چاہے گا کہ موت کی سزا پاکر معافی کی پوری گارنٹی اس کو اسی طرح مل جائے جیسے کہ حضرت ماعزؓ کو مل گئی تھی۔

احناف میں سے محی الدین رحمتہ اللہ علیہ کی رائے:

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے والے کی بھی توبہ قبول نہ کی جائے کیونکہ ان کی نظر میں ساب الرسول ردہ کے علاوہ ہے۔

" ساب کے متعلق فتاویٰ بزازیہ میں منقول ہے کہ جو شخص حضور ﷺ یا انبیاء

میں سے کسی نبی کو برا کہے' تو اسے بطور حد کے قتل کیا جائے گا اور فی الاصل اس کے لیے توبہ نہیں ہے' چاہے وہ پکڑ کر لایا جائے اور اس کے خلاف شہادتیں پیش کی جائیں یا وہ خود بخود تائب ہو کر اپنے کو پیش کرے۔ کیونکہ یہ حد ہے جو واجب ہو چکی' پس توبہ سے ساقط نہیں ہوگی۔ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی اس کے خلاف رائے دے گا' کیونکہ یہ ایک ایسا حق ہے جس کے ساتھ بندہ کا تعلق منتھی ہو چکا ہے' پس توبہ سے یہ حق زائل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ تمام حقوق العباد کا معاملہ ہے' جیسا کہ قذف کی حد کا معاملہ ہے جو کہ توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ یہ مذہب امام اعظم کا ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہی اس کی عبارت ہے اور اسی کے مطابق روم کے علماء آج تک فتویٰ دیتے رہے ہیں۔ آل عثمان سے قبل بھی یہی فتویٰ موجود تھا۔ اس فتویٰ کی علت یہ ہے کہ قتل کی وجہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو ایذا پہنچانا ہے اور ان کو برا کہنے کی وجہ سے ان کی امت کو ایذا پہنچانا ہے۔ یہ آدمیوں کا حق ہے اور اس میں نظام کی حفاظت ہے اور ارتداد سے روکنا ہے۔ یہی مذہب امام صاحب کا مذہب ہے اور امام صاحب کے اصحاب کا مذہب ہے۔ (یعنی حنفی اصول فقہ کے مطابق یہی فتویٰ ہے)

یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور خالص اللہ تعالیٰ کا حق توبہ سے ٹل جاتا ہے لیکن بندہ کا حق اس بندہ کی زندگی میں معاف کرنے سے زائل ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ابتدائے اسلام میں بہت سے لوگوں کو معاف کیا کیونکہ حکم اور مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔ لیکن آپ کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ کی معافی اور رضامندی کی کوئی یقینی دلیل ہم حاصل نہیں کرسکتے۔ اس وجہ سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد شاتم کو قتل کیا جائے گا۔

نیت اور احوال:

جان لو کہ علماء نے اس مسئلہ کے متعلق لکھا ہے' حاکم کو چاہیے کہ متکلم کے حال پر غور کرے۔ ایسے عجیب الفاظ اس سے کیسے صادر ہوئے اور کن کن نے اس سے ایسے الفاظ سنے اور صورت حال کیا تھی' اس متکلم کا دینی حال کیا تھا' بعض لوگ اس کی دینی حالت کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے' وغیرہ وغیرہ۔ وہ کس قماش کا آدمی ہے' وہ الحاد کی طرف دعوت دیتا ہے یا نہیں' اگر نہیں دیتا تو کیا محض سہو' بھول چوک سے اتفاقاً کوئی لفظ

اس کے منہ سے نکل گیا ہے۔ پس اس شخص کے حالات دیکھ کر حاکم اس کے متعلق جو مناسب وہ وہ فیصلہ کرے گا۔

(نعمان عبدالرزاق السامرائی: احکام المرتد:108 مطبوعہ بیروت)

مذکورہ بالا بیان کے فوراً بعد مصنف ابن ضویان حنبلی کی رائے بیان کرتے ہیں۔

(بحوالہ "المنار السبیل": ج2، ص409)

ہم ابن ضویان کی رائے ان کی اصل کتاب سے نقل کرتے ہیں، جس میں انہوں نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

وہ اپنی کتاب "المنار السبیل" جلد دوئم میں یوں لکھتے ہیں:

ترجمہ: دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیا شاتم الرسول کا قتل کفر کی وجہ سے یا حد کی وجہ سے ہے۔ جان لو کہ مرتد کے قتل پر اجماع ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا اور اس کی توبہ اجماعاً مقبول ہوتی ہے جبکہ وہ زندیق نہ ہو۔ لیکن حسن بصری کی رائے یہ ہے کہ مرتد کی توبہ مقبول نہیں ہوتی بلکہ وہ قتل کیا جائے گا، چاہے وہ دوبارہ اسلام لے آئے۔ مگر ان کا یہ قول جو صحابہ، تابعین اور بعد کے لوگوں کے مشہور قول کے خلاف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں بھی شک نہیں کہ مرتد کا قتل جبکہ وہ توبہ نہ کرے ایسا قتل نہیں، جیسا کہ اصلی یعنی کافر کا قتل ہوتا ہے۔ کیونکہ اصلی کافر کے معاملہ میں امام کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اسے قتل کرے یا غلام بنالے یا اس پر جزیہ عاید کردے، اسے اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن مرتد کا معاملہ اس سے مختلف ہے، اسے اسلام لانے پر مجبور کیا جاتا ہے اور اگر انکار کرتا ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے... مزید ابن عابدین لکھتے ہیں:

جان لو کہ امام مالک ان کے اصحاب اور سلف اور جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ شاتم الرسول کو حداً قتل کیا جائے گا۔ کافر ہونے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا چاہے وہ توبہ بھی کرے اسے قتل کیا جائے گا۔ پس ان کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی، نہ اسے اس بات سے کوئی فائدہ ہوگا کہ وہ خود اپنے کو قتل کے لیے پیش کرے۔ اس کا حکم زندیق کے مثل ہوگا، یعنی کہ یہ بات اس کے حق میں برابر ہوگی کہ وہ چاہے پکڑا ہو لایا جائے اور اس کے خلاف شہادتیں پیش ہوں کہ اس نے شتم کیا ہے، یا وہ خود تائب ہو کر آئے۔ کیونکہ وہ تو حد ہے جو واجب ہو چکی (تیر کمان سے نکل چکا) اور توبہ سے وہ ساقط نہیں ہوگی۔ جیسا کہ دوسری حدود توبہ سے ساقط نہیں ہوتیں۔

قابسی کہتے ہیں کہ جب مجرم شتم کا اقرار کرلے مگر پھر اس سے توبہ کرے اور توبہ کا اظہار بھی کرے، پھر بھی وہ قتل کیا جائے گا کہ وہ تو شتم کی حد ہے۔ محمد بن ابی زید نے بھی یہی بات کہی ہے۔ ہاں جو معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان ہے تو اس میں اس کو توبہ کا فائدہ پہنچے گا۔

مذکورہ بالا دلائل اور بحث کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ شاتم الرسول کی سزا قتل ہے جو حداً ہے اور اس میں تخفیف نہیں ہوسکتی۔ دوسری بات یہ کہ علماء کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ زندیق کی سزا بھی قتل ہے اور توبہ سے ساب الرسول کی طرح زندیق کی سزا بھی زائل نہیں ہوتی۔ لیکن ساب الرسول کی سزا زائل نہ ہونے اور حدا اس کی سزا قتل ہونے کے دلائل زیادہ قوی ہیں اور چند شاذ آراء کے علاوہ سلف سے خلف تک تمام علماء اسی کے قائل رہے ہیں کہ ساب الرسول کی سزا ثبوت جرم کے صحیح طور پر ثابت ہونے کے بعد حداً قتل ہے اور خود تائب ہوکر آنے سے بھی اس کی سزا میں کوئی فرق نہ پڑے گا۔ مکی دور میں ساب الرسول کو اللہ تعالیٰ خود قتل کی سزا دیتا رہا۔ قرآن سے ساب الرسول کے قتل کی سزا ثابت ہے۔

مولانا نوری نے قرآن سے شتم رسول کی سزا کے بارے میں ان ماخذ کا بھی ذکر کیا ہے جو قاضی عیاض کی کتاب الشفا اور ابن تیمیہ کی الصارم المسلول میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس لئے انہیں یہاں حذف کردیا گیا ہے۔

رسول رحمت ﷺ اور سزائے توہین رسالت

مولانا محمد صادق لالہ صحرائی

مولانا محمد صادق لالہ صحرائی اس دور کے ان عاشقان رسول ﷺ سے ہیں جنہوں نے اپنے قلب و روح اور زبان و قلم کو مدحت و خدمت پیغمبر ﷺ کے لئے وقف کر دیا ہے۔ لالہ صحرائی صاحب نے شاتم رسول کعب بن اشرف کے قلعہ کے وہ آثار بھی دیکھے ہیں جہاں اسے قتل کیا گیا ہے۔ زیر نظر مضمون اسی فکر و نظر کا آئینہ دار ہے۔

جب بھی کسی مسلمان معاشرے کو اپنے خطہ زمین پر ایک آزاد مملکت کی نعمت حاصل ہوگی، تو اپنے ہاں شرعی قوانین کی تشکیل کے لیے اسے لامحالہ حضور ﷺ کی مدنی زندگی کو ماڈل بنانا ہوگا۔ جب اسلام ایک مقتدر ریاست (Soveriegn State) کی حیثیت پا گیا تھا، نہ کہ مکی زندگی کو جب اسلام محض دعوتی اور تبلیغی دور سے گزر رہا تھا اور اس نے ابھی سیاسی اقتدار حاصل نہیں کیا تھا۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ اپنی مدنی زندگی کے دوران حضور ﷺ نے بحیثیت قانون ساز اور سربراہ مملکت، توہین رسالت ﷺ کے مجرموں کے ساتھ کیا سلوک کیا اور انہیں کیا سزا دی؟

اس سلسلہ میں سیرت نبوی ﷺ کی کتابوں کے مطالعہ سے جو نظائر سامنے آتے ہیں، ان کا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے:

پہلے واقعہ کا تعلق سنہ 2ھ سے ہے، جو بدر سے فتح مندانہ مدینہ منورہ لوٹتے ہوئے پیش آیا۔ جب حضور ﷺ اثنائے سفر میں وادی صفرا کے درے سے باہر نکلے، تو آپ ﷺ کو لشکر اسلامی کے ہمراہ آنے والے مشرک اسیران جنگ میں ایک شخص نضر بن حارث نظر آیا، جو حضور ﷺ کو ان کی مکی زندگی کے دوران توہین وایذا رسانی کا نشانہ بنایا کرتا تھا، حضور ﷺ کے حکم پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس شخص کو فوراً قتل کر دیا۔

اس کے بعد اسی سفر کے دوران آپ ﷺ جب عرق الظبیہ پہنچے، تو حضور ﷺ نے انہی اسیران جنگ میں ایک اور شخص عقبہ بن ابی معیط کو دیکھا، جس نے ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں حضور ﷺ پر حالت نماز میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی تھی، نیز ایک اور مرتبہ حرم کعبہ میں حضور ﷺ کی گردن کے گرد کپڑا کس کر انہیں ایذا پہنچائی تھی، حضرت علی

کرم اللہ وجہہ نے حضور ﷺ کے ارشاد کے تعمیل میں اس شخص کی بھی گردن مار دی۔

اس سے اگلے سال یعنی سنہ 3ھ میں توہین رسالت ﷺ کے چار مجرموں کو یکے بعد دیگرے قتل کی سزا دی گئی' عصمانامی ایک یہودی شاعرہ جو حضور ﷺ کی شان مبارک میں ہجویہ شعر کہا کرتی تھی' ایک نابینا صحابی عمیر بن عدی ؓ کے ہاتھوں قتل ہوئی' جنہیں بعد میں حضور ﷺ نے بطور تحسین "بینا" اور "بصیر" کا خطاب دیا' ابو عفک نامی ایک اور شاعر جو حضور ﷺ کے بارے میں دریدہ دہنی سے کام لیتا تھا' حضور ﷺ ہی کے حکم سے ایک بدری سالم بن عمر ؓ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترا۔

قتل کی سزا کا اگلہ ہدف کعب بن اشرف بنا' جو شاعر ہونے کے علاوہ بڑا مال دار یہودی تھا اور اطراف مدینہ میں ایک مضبوط اور شاندار قلعہ کا مالک تھا' اپنی دولت مندی اور خاندانی و جاہت پر گھمنڈ کے باعث وہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں نہایت جارحانہ بدزبانی کیا کرتا تھا' اسے آنحضور ﷺ کے خصوصی حکم کے تحت ایک صحابی حصرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ اس کے قلعہ میں جاکر قتل کیا۔

کعب بن اشرف کے واقعہ قتل نے عہد رسالت ﷺ میں شاتمان رسول ﷺ کے تذکرے میں بہت شہرت پائی ہے' چنانچہ اکثر سیرت نگاروں نے اپنی تالیفات میں اس واقعہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ادھر مدینہ منورہ کے مضافات میں اب بھی کعب بن اشرف کے قلعہ کے آثار موجود ہیں۔ سنہ 85ء میں جب میں سفرحج کی سعادت سے سرفراز ہوا تو ایک واقف کار رفیق کے ہمراہ مجھے بھی اس قلعہ کے آثار دیکھنے کا موقع ملا تھا' پتھریلے نشیب و فراز پر مشتمل یہ ایک لق و دق مقام تھا' جس کے چاروں طرف اب بھی وحشت برس رہی تھی۔

اسلام دشمنی اور حضور ﷺ کی توہین میں کعب بن اشرف کا مددگار ایک اور نہایت امیر تاجر ابو رافع بھی تھا' جو خیبر میں واقع اپنی گڑھی میں رہتا تھا' یہ بھی حضور ﷺ کے ایما سے ایک صحابی حضرت عبداللہ کے ہاتھوں اپنی خوابگاہ میں موت سے ہمکنار ہوا۔

اسی سال غزوہ احد سے واپسی کے سفر کے دوران حضور ﷺ کی نظروں میں ایک شخص ابو عزہ جمحی آیا' جو اپنے اشعار کے ذریعہ نبی ﷺ کے خلاف کفار کے جذبات برانگیختہ کیا کرتا تھا' گرفتاری کے بعد آنحضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حضرت عاصم بن

ثابتؓ نے اس کو تہ تیغ کر دیا۔

فتح مکہ کے موقع پر جب حضور ﷺ نے کفار و مشرکین کے لئے عفو عام کا اعلان کیا تو اس کے ساتھ ہی چند اشخاص کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ عفو عام سے مستثنیٰ ہیں' لہٰذا یہ جہاں بھی ملیں' انہیں قتل کر دیا جائے' خواہ وہ غلاف کعبہ ہی سے لپٹے ہوئے کیوں نہ ہوں' ان واجب القتل افراد میں ابن خطل کی دو ہجو گو لونڈیاں ارتب اور ام سعد' نیز مشہور ہجو گو شاعر حارث بن طلال بھی تھا' جسے نبی ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت علیؓ نے قتل کر دیا۔

جناب محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپنی محققانہ اور عالمانہ تصنیف "ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ" میں امام بخاریؒ کے جلیل القدر استاد حضرت عبدالرزاق بن ہمامؒ کے دوسری صدی ہجری میں مرتبہ مجموعہ احادیث "المصنف" کے باب "سب النبی ﷺ" نیز سنن ابی داؤد اور قاضی عیاضؒ کی کتاب "الشفاء" کے حوالہ سے آٹھ ایسے اشخاص کا ذکر کیا ہے' جو حضور ﷺ کی توہین کے جرم میں خود حضور ﷺ ہی کے حکم کے مطابق واجب القتل قرار پائے۔ ان کے علاوہ کتب سیرت میں اور نظائر بھی دستیاب ہو جائیں گی جن پر اہل علم مزید ریسرچ کریں گے۔

شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزائے قتل سے انکار کا فتنہ

ڈاکٹر محسن عثمانی

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی ہندوستان کے ان محققین میں سے ہیں جنھوں نے اپنے بلند پایہ مقالہ میں علمی دیانت کے ساتھ تحقیق کا پورا پورا حق ادا کیا۔ لبرل ازم کے نام پر بیسیوں صدی میں جو فتنہ اٹھا ہے ان کے افکار و نظریات کا ناقدانہ جائزہ لے کر دانش قرآنی اور منطقی استدلال کے ساتھ جس انداز اور اسلوب میں جواب دیا ہے اسے عصر حاضر کا برہان قاطع کہا جا سکتا ہے۔ مقالہ کا اقتباس نذر قارئین ہے۔

شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سزائے قتل کی مخالفت اور اہانت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احتجاج کو خلاف اسلام قرار دینا دراصل مزاج اسلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اور اجماع امت کی مخالفت ہے گزشتہ چودہ سو سال میں یہ مسئلہ متفق علیہ رہا ہے اور کسی نے بھی شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزائے قتل کا انکار نہیں کیا۔ علامہ ابن تیمیہ ؒ نے تو اس موضوع پر ایک مکمل کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" کے نام سے لکھ دی ہے' حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اب شاتم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزائے قتل سے انکار کی دعوت اٹھی ہے اور اس فکر کے داعی ہیں وحید الدین خاں صاحب اسلامی مرکز کے صدر' الرسالہ کے ایڈیٹر۔ انھیں بڑا اضطراب ہے اس بات پر کہ ساری دنیا کے مسلمان سلمان رشدی کی کتاب کے خلاف احتجاج کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور اس کے قتل کا فتویٰ بھی صادر کر چکے ہیں۔ نہ صرف ایک سلمان رشدی بلکہ تاریخ کے تمام شاتمین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل سے بچانے میں انھوں نے وکیلانہ منطق اور غیر موزوں و غلط استدلال کی صلاحیتیں وقف کر رکھی ہیں۔ اس بارے میں ان کا موقف ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

"موجودہ زمانے میں مسلمانوں کا عام خیال یہ ہو گیا ہے کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی یا اس کا استہزاء ایک ایسا جرم ہے جو علی الاطلاق طور پر مجرم کو واجب القتل بنا دیتا ہے... اس قسم کا مطلق نظریہ شرعی اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ اسلام میں اس کے لئے کوئی حقیقی دلیل موجود نہیں ہے۔" {1}

"امتحان کی اس دنیا میں جہاں ہر ایک کو آزادی ہے آپ کسی کو اس پر مجبور نہیں کر سکتے کہ وہی الفاظ بولے جو آپ چاہتے ہیں کہ بولے جائیں...... موجودہ زمانہ میں

آزادی فکر خیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتی ہے" (2)

"رشدی کے خلاف مسلمانوں نے قتل کا فتویٰ دے کر جو ہنگامہ برپا کیا اس نے اسلام کے معاندین کو اس بات کا سنہری موقع دیا کہ وہ اس کو لے کر اسلام کو بدنام کریں۔ وہ تمام دنیا کو یہ تاثر دیں کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے وہ قتل و خون کا دین ہے۔" (3)

"رسول ﷺ کے نام پر رسول کے طریقے کے خلاف ورزی کی اس سے زیادہ سنگین مثال شاید پوری اسلام تاریخ میں نہیں ملے گی۔" (4)

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھ گستاخی علی الاطلاق طور پر مستوجب قتل جرم ہے۔ وہ ایک ایسی بات کہتے ہیں جس کے لئے ان کے پاس قرآن و سنت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔" (5)

"سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کے مجنونانہ ایجی ٹیشن کا فائدہ کچھ نہیں ہوا۔" (6)

وحید الدین خاں نے رشدیات پر۔ اپنے مضامین میں یہ چیلنج دیا ہے کہ شاتم رسول ﷺ کی سزائے قتل قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔ اب ہم ذیل میں اس چیلنج کا جواب پیش کریں گے۔ قرآن و سنت آسمانی کتابوں' دور صحابہؓ کے نظائر' فقہاء کے اقوال سے یہ شہادتیں پیش کریں گے کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا علی الاطلاق قتل ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے سبب کا پایا جانا ضروری نہیں۔

وجہ قتل:

ایک مسلمان شاتم رسول ﷺ دو سبب سے اپنی زندگی کا استحقاق کھوتا ہے۔

1۔ شتم رسول بذاتہ مستوجب قتل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اور صحابہ ﷺ نے کافر اور ذمی کو سب و شتم رسول کے جرم میں قتل کیا ہے۔

2۔ شاتم رسول اگر مسلمان تھا تو اس کے یہاں دو وجہ قتل جمع ہو جاتی ہیں۔ ایک سب و شتم اور دوسرے ارتداد۔ یہ ارتداد کی نہایت سنگین قسم ہے۔ مسلمان پیغمبر پر سب و شتم سے مرتد اور کافر ہو جاتا ہے۔

شاتم رسول کو قتل سے بچانے والے وکیل کے لئے دو شکلیں رہ جاتی ہیں یا تو وہ یہ

کہے کہ شتم رسول سے مسلمان مرتد نہیں ہوتا یا وہ یہ ثابت کرے کہ مرتد کی سزا اسلام میں قتل نہیں۔ جہاں تک پہلی شکل کا تعلق ہے تو محمد بن سحنون کا قول یہاں تک ہے کہ شاتم رسول کے کفر اور عذاب میں جو شک کرے گا وہ خود کافر ہو جائے گا۔

مسلمان شاتم رسول کے لئے دو وجہیں جو مستوجب قتل ہیں جمع ہو جاتی ہیں۔ ایک شتم اور دوسرے ارتداد۔ اب ہم قرآن وسنت اور آثار صحابہؓ سے وہ دلیلیں پیش کریں گے جن سے کہیں تو شتم کی وجہ سے سزائے قتل کا ثبوت ملے گا اور کہیں ارتداد کی وجہ سے قتل کی سزا ثابت ہوگی۔

قرآن سے استدلال:

صاحب الفقہ المیسر نے مرتد کی سزائے قتل پر قرآن سے استدلال کیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

> "جس شخص کا ارتداد ثابت ہو جائے اس کا خون (رائیگاں) هدر ہے۔ کیونکہ اس نے بدترین قسم کے کفر کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔" تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور مرے کافر ہو کر تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے وہ دوزخ کے لوگ ہیں' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔" (7)

مذکورہ آیت کی تشریح:

مولانا امین احسن اصلاحی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

> "تنبیہہ مسلمانوں کو بھی کر دی گئی ہے کہ اگر ان کے ظلم وستم سے مرعوب ہو کر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے اور اسی حالت میں مرجائے گا اس کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں اکارت ہو جائیں گے... اس آیت میں ایک خاص نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اعمال کے اکارت ہونے کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے۔ آخرت میں مرتد ہو جانے والوں کے اعمال کا اکارت ہونا تو واضح ہے۔ البتہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں ان کے اعمال کے اکارت ہونے کی شکل کیا ہوگی۔ ہمارے نزدیک اس کا جواب

یہ ہے کہ جو شخص مرتد ہو جاتا ہے وہ اسلامی ریاست میں جملہ شہری حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔ ریاست پر اس کے جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دری باقی نہیں رہتی ہے۔ چنانچہ اسی اصول پر اسلامی تعزیرات کا وہ قانون مبنی ہے جو مرتدوں کی سزا سے متعلق ہے۔" (8)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی خطبت علیھم فی الدنیا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"پس ایسے شخص کے دنیا میں مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کا خون اور مال محفوظ نہ رہے گا اس کو قتل کر دیا جائے گا۔" (9)

قرآن سے دوسرا استدلال:

اگر کوئی ذمی کھل کر دین اسلام کے خلاف زبان درازی کرے تو اس کا قتل درست ہے۔ اس لئے کہ اس کے ساتھ معاہدہ اس بات پر تھا کہ وہ زبان درازی نہ کرے گا اور جب اس نے زبان درازی کی تو عہد ٹوٹ گیا اور اس کا ذمہ ساقط ہو گیا۔ (10)

ابن حبان کہتے ہیں کہ ائمۃ الکفر کے قتل کا حکم عوام کے قتل کی نفی نہیں ہے ائمہ کی تصریح اہتمام وخصوصیت اور تاکید کے لئے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قاتلوا ائمة الکفر سے مراد ہے" قاتلوا الکفار" (11)

صاحب روح المعانی کہتے ہیں:۔

ائمہ کفار کے ذکر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ ان کا قتل سب سے ضروری ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر ائمہ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (12)

احادیث سے استدلال:

شاتم رسول ﷺ جو جرم شتم سے پہلے مسلمان رہ چکا ہو مرتد ہو جاتا ہے اور شتم رسول ﷺ کی بنا پر اور پھر ارتداد کی بنا پر وہ مستحق قتل ٹھہرتا ہے۔ ذیل میں وہ احادیث بھی درج کی گئی ہیں جن سے ارتداد کی وجہ سے سزائے قتل ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ حدیثیں بھی جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شتم رسول کی بنا پر مجرم کو قتل کر دیا گیا۔

(1) مرتد کی سزائے قتل پر احادیث اور سیرت کی کتابیں شاہد ہیں۔

ارتداد کے بہت سے واقعات میں نفس ارتداد پر سزائے قتل دی گئی گو کہ کسی مخصوص بغاوت کی قیادت کا جرم ثابت نہیں ہوا کیونکہ نفس ارتداد خود ایک

بغاوت ہے۔ اسی طرح سے شتم رسول ﷺ بذات خود پیغمبر اور بانی دین سے بغاوت ہے۔ الگ سے کسی باغیانہ تحریک کی قیادت کے جرم کا سرزد ہونا ضروری نہیں۔

ابن عباسؓ کی ام ولد کے قتل والی حدیث سے واضح ہے کہ اس کو سب و شتم اور ارتداد کی وجہ سے نابینا صحابی ﷺ نے قتل کر دیا تھا جس کے خون کو حضور ﷺ نے رائیگاں قرار دیا۔

(2) بلوغ المرام فی احادیث الاحکام (صفحہ 133) میں ہے کہ نابینا صحابی والی یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی کو برا کہنے والا شخص قتل کر دیا جائے گا اور مسلمان ہونے کی صورت میں وہ مرتد ہو جائے گا۔ اور اس سے توبہ بھی طلب نہیں کی جائے گی۔

(3) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے ابن خطل کو اس وجہ سے کہ وہ شاتم رسول تھا۔ حرم میں قتل کروا دیا۔ فتح الباری میں اس واقعہ کی پوری تفصیلات موجود ہیں۔ ابن خطل خانہ کعبہ کا کپڑا پکڑ کر لٹکا ہوا تھا ایک صحابی نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا جاؤ اسے قتل کر دو۔ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ (13)

(4) فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جن مجرمین کا خون رائیگاں قرار دیا تھا' ان میں ابن خطل کی دو لونڈیاں بھی تھیں جو نبی ﷺ کی ہجو گایا کرتی تھیں۔ ان میں ایک کا نام قریبہ تھا جو قتل کر دی گئی تھی۔

(5) مدینہ میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو عفک تھا رسول اللہ ﷺ نے جب حارث بن سوید بن صامت کو قتل کرا دیا تو اس نے منافقت کا رویہ اختیار کیا اور حضور ﷺ کی شان میں منظوم ہجو لکھی۔

حضور ﷺ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ کوئی ہے جو اس کو قتل کر دے سالم عمیر اٹھے اور انھوں نے جا کر اس کو قتل کر دیا۔ (14)

(6) بنوامیہ کی ایک عورت تھی جس کا نام عصما بنت مروان تھا۔ یہ شاعرہ تھی۔ ابو عفک کے قتل سے اسے ناگواری ہوئی اور اس کا نفاق ظاہر ہوا۔ ذات رسول

ﷺ آپ کے مشن اور اہل اسلام کے خلاف اس نے اشعار میں ہرزہ سرائی کی۔ حسان بن ثابتؓ نے اس کے قصیدہ کا جواب دیا۔ دونوں کے قصیدوں کے اشعار سیرت بن ہشام میں بھی مذکور ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ کیا کوئی شخص نہیں جو انتقام لے اور اس عورت کو جاکر قتل کر دے۔ عمیر بن عدل الخطمی نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور اس کے گھر جاکر اسے قتل کر دیا۔ قتل کرنے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور قتل کی اطلاع دی آپ ﷺ نے فرمایا۔ نصرت الله رسوله باعميه "عمیر تم نے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی۔" (15)

صحابہ کے آثار و نظائر سے استدلال:

درج ذیل واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک ذمی کو بھی شتم رسول کے جرم میں قتل کیا جائے گا۔ اور یہ قتل وہ شخص بھی کر سکتا ہے۔ جو سب و شتم اپنے کان سے سنے۔

حضرت ابن علقمہ سے روایت ہے کہ غرفہ بن حارث الکندی ایک صحابیہ تھیں جن کا گزر ایسے شخص پر ہوا جو ذمی تھا۔ حضرت غرفہ نے اس ذمی کو اسلام کی دعوت دی اس نے جواب میں نبی ﷺ کو گالی دی۔ حضرت غرفہ نے اسے وہیں قتل کر دیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا۔ انھیں (یعنی ذمیوں کو) ہمارے عہد اور ذمہ کی وجہ سے اطمینان رہتا ہے۔ کہا گیا کہ ہم نے انھیں عہد اور ذمہ اس بات کا نہیں دیا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے بارے میں ہمیں ایذاء پہنچائیں۔ (16)

وحید الدین خاں صاحب کی نظر سے مذکورہ بالا صحابی کا واقعہ نہیں گزرا۔ ورنہ وہ یہ نہ لکھتے کہ "شتم رسول ﷺ سے مسلمانوں کے جذبات کا مجروح ہونا تعزیرات اسلام کی کوئی دفعہ نہیں۔"

علماء اسلام اور ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ:۔

شاتم رسول ﷺ (مسلمان) مرتد ہے۔

اور مرتد واجب القتل ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ شاتم رسول ﷺ واجب القتل ہے۔

اب ذیل میں وہ آثار و نظائر پیش کئے جاتے ہیں جن سے ارتداد پر سزائے قتل کا

ثبوت ملتا ہے۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد یمن اور نجد کے علاقے میں ارتداد کا فتنہ پھیل گیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے مسیلمہ کذاب اور سجاح کی نبوت کو مان لیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ فتنہ ارتداد کو ختم کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور سرکوبی کے لئے انھوں نے عکرمہ ؓ بن ابی جہل کو روانہ کیا اور یہ ہدایت دی۔

عمان سے حضرت موت اور یمن تک جو مرتدین ملیں انھیں قتل کردو۔ (17)

(7) حضرت علی ؓ کو اطلاع ملی کہ کچھ لوگ عیسائیت کو چھوڑ کر مسلمان ہوگئے اور اس کے بعد دوبارہ عیسائی ہوگئے حضرت علی ؓ نے ان سب لوگوں کو گرفتار کروایا اور انھیں بلاکر ان سے معاملہ دریافت کروایا۔ انھوں نے کہا کہ ہم عیسائی تھے پھر ہم نے اپنے اختیار سے اسلام قبول کرلیا مگر اب ہماری رائے ہے کہ عیسائیت سے افضل کوئی دین نہیں۔ اس لئے ہم پھر سے عیسائی ہوگئے ہیں۔ حضرت علی ؓ کے حکم سے یہ سب لوگ قتل کردیئے گئے۔ (18)

اجماع امت سے استدلال:

کتاب وسنت اور سیرت و تاریخ کے واقعات اور ائمہ مجتہدین کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ شتم رسول اور ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی امت نے گذشتہ چودہ سو سال میں کسی مسلمان شاتم رسول کو زندہ نہیں چھوڑا کیونکہ گستاخی رسول ارتداد کو مستلزم ہے۔ قاضی عیاض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس بارے قاضی عیاض ؒ کی کتاب الشفا کے متعلقہ باب کا خلاصہ کتاب کے باب سوم میں درج ہے۔

شاتم رسول ﷺ ' سلمان رشدی کے قضیئے میں ایک علمی بحث یہ اٹھی ہے کہ مرتد کو قتل کرنے کی ذمہ داری کس پر ہے۔

اس سلسلے میں امام ابو حنیفہ ؒ اور امام شافعی ؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ ذمہ داری امام اور اولوالامر کی ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی تصریح ہے کہ ایک عام آدمی بھی مرتد کو اگر قتل کردے تو اس پر کوئی ضمان نہیں کیونکہ ارتداد کی وجہ سے وہ پہلے ہی مہدورالدم ہو چکا تھا۔

مذہب امامیہ میں ہے کہ جس شخص نے شاتم رسول کی زبان سے رسول کی شان

میں گستاخی کی باتیں سنیں اس کے لئے جائز ہے کہ وہ خود اسے قتل کر دے۔

امام جعفر صادق ؒ سے روایت ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ سے سرکش ہو تو اس کا خون ہر اس شخص کے لیے مباح ہے جو اس کو سنے اور ایسا ہی حکم ہے کہ اگر کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ پر سب و شتم کی تو جائز ہے اس کے سننے والے کے لیے اسے قتل کر دے۔ (19)

علامہ ابن تیمیہ ؒ نے شتم رسول کے موضوع پر ایک مستقل کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" لکھی ہے۔ ان کے زمانے میں ایک بدبخت عیسائی توہین رسالت کا مجرم ہوا انھوں نے مسلمانوں کو لے کر اس کے گھر کا محاصرہ بھی کیا۔ علامہ ابن تیمہ ؒ نے جو کچھ کیا اسے دور جدید کی اصطلاح میں ایجیٹیشن کہتے ہیں۔ اب وحید الدین خاں صاحب یہ فرماتے ہیں کہ شاتم رسول سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کوئی ایجی ٹیشن نہیں کرنا چاہیے تھا اور یہ سراسر مجنونانہ حرکت تھی۔

فقہ حنفی کی ممتاز شخصیت امام سرخسی ؒ نے شاتم رسول کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ وہ کہیں بھی ہو اسے قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ بھی قبول نہ ہو گی۔

عقلی دلیل:

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح مجرد مذہب اور صرف رسوم و عبادات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اور نہ صرف انسان کا ذاتی اور نجی معاملہ ہے۔ بلکہ اس کا تعلق ریاستی و بین الاقوامی قوانین اور تعلقات سے بھی ہے۔ حدود کی تنفیذ اور تعزیرات کا اجراء اس کے دائرہ احکام کے اندر داخل ہے وہ مکمل شریعت اور ایک نظام زندگی ہے۔ کیا ایسے دین کے اندر اس بات کی ذرہ برابر بھی گنجائش ہو سکتی ہے کہ ایک شخص پہلے تو اس دین کے لانے والے رسول کی وفاداری اختیار کرے وفاداری کا عہد کر لینے کے بعد وفاداری کا قلادہ اتار پھینکے اور رسول کو اپنی ہرزہ سرائی اور سب و شتم کا ہدف بنائے اور اپنے اس مکروفریب کے رویہ سے اہل ایمان کے دلوں میں شکوک کا بیج بوئے اور پھر اپنے اس جرم کے باوجود قابل تعزیر نہ ہو۔ اسلام عبادت بھی ہے اور ریاست بھی دنیا میں کوئی ریاست اپنے باغیوں کو معاف نہیں کرتی۔ پھر اسلامی ریاست سے یہ کیوں توقع کر لی جائے کہ وہ اس دینی و دنیوی سربراہ اور خدا کے رسول کے خلاف سب و شتم کو معاف کر دے جس کی اطاعت

ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا واحد ذریعہ ہے اور جو ذات بنی نوع انسان میں سب سے افضل ہے۔ اور خود خالق کائنات نے جس کی مدح و ثنا کی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات مخلوقات میں اتنی ارفع ہے کہ جہاں ایک شخص اس دنیا میں کسی کا خون بہاکر قابل قصاص ہوتا ہے وہاں آپ ﷺ کی شان میں بے ادبی اور توہین سے ہی قابل قصاص بن جاتا ہے۔

شیطانی آیات کے خلاف احتجاج:

سلمان رشدی تاریخ کا سب سے بڑا شاتم رسول ہے۔ اس نے اپنی بدنام زمانہ کتاب شیطانی آیات میں جو کچھ لکھا ہے وہ رکاکت و ابتذال کا بد ترین نمونہ ہے۔ نقل کفر اگرچہ کفر نہیں ہے۔ لیکن اسے دہرانے کی ہمت بھی آسانی سے نہیں ہوتی ہے۔ اس نے خدا کی شان میں بھی بے ادبی کی ہے۔

اس بدبخت نے ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے خلاف بھی دریدہ دہنی اور گستاخی کی باتیں لکھی ہیں۔ پھر اس نے ذات رسالت حضور ﷺ کو "ماہونڈ" لکھا ہے جسے پہلے قدیم مستشرقین اسم گرامی محمد ﷺ کی جگہ پر لکھتے آئے تھے۔

اس شیطان صفت انسان نے امہات المومنین کو نعوذ باللہ فحبہ کا پیشہ کرنے والی عورتوں میں شامل کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت خالدؓ کے خلاف صریح بدزبانی کی ہے۔

ایسی کھلی ہوئی گستاخی رسول ﷺ سے لبریز کتاب کے خلاف مسلمانوں کا وہی رد عمل ہوا جو اسلام کی چودہ سو سالہ روایت کے مطابق ہے۔ احادیث اور آثار صحابہ ﷺ سے جس کی تصدیق اور اجماع امت سے جس کی توثیق ہوئی ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے عہد میں ایک نصرانی حاکم نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات کہے تھے۔ سلطان نے حطین کی جنگ کے بعد جب اس کو گرفتار کیا تو یہ کہتے ہوئے اسے خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

"میں آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے انتقام لے رہا ہوں۔"

کتاب شتم رسول ﷺ کا مسئلہ مصنف کا تنقیدی محاکمہ

بھارت کے ایک خودرو مولانا وحید الدین خان نے "شتم رسول ﷺ کا مسئلہ" کے عنوان سے مضامین لکھے جن کو سال 1996ء میں شائع کیا گیا ہے۔ جس میں "رواداری' "آزادی" "آزادی اظہار خیال" اور "آزادی افکار" کی فریب کارانہ اصطلاحات کا سہارا لے کر گستاخان رسول ﷺ اور شیطان رشدی کی بھرپور وکالت کی گئی ہے کتاب کا مقصد وحید یہ بتلانا ہے کہ توہین رسالت ﷺ سرے سے کوئی جرم ہی نہیں اور اور اہانت رسول ﷺ پر احتجاج اور ایجی ٹیشن ان کے اپنے الفاظ میں "احمقانہ مہم" ہے۔ اپنی کتاب کے باب دور آزادی میں موصوف فرماتے ہیں: "قدیم زمانہ میں "اظہار خیال کی آزادی" کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ جدید انقلاب تمام تر اسی تصور آزادی کی دین ہے جس جس کا ذکر ایڈورڈ ٹیمر (ایک برطانوی صحافی) نے اپنے مضمون رشدی کے بارے میں کیا ہے۔" رشدی کے خلاف احتجاج کی مذمت کرتے ہوئے صحافی مذکور لکھتا ہے:

> "یہ احتجاج ہمارے مذہب پر حملہ ہے۔ مذہب سے مراد ایسا مذہب ہے جو ایران کا ہے۔ برطانیہ اور آزاد دنیا کا مذہب اپنے وسیع تر معنی میں آزادی ہے جس کی بنیاد لوک' والٹیر' برک اور امریکن دستور کے مصنفین وغیرہ نے رکھی ہے۔"

اس مضمون جس کا اقتباس ہم نے قوسین میں دیا ہے حوالہ دے کر خان مذکور لکھتے ہیں:

> "اس آزادی نے تاریخ میں پہلی بار ہر ایک کے لئے اپنے فکر و خیال کے اظہار کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں۔ آزادی فکر آج ایسا مسلمہ حق بن چکا ہے جس سے انکار نہ کیا جا سکے۔"

فکر و خیال کی اسی آزادی کے حق کو رشدی نے اپنی کتاب "شیطانی آیات" میں استعمال کیا ہے۔ شیطان ہر دور میں ایسی نت نئی تراکیب اور اصطلاحات وضع کرتا رہتا ہے جو بظاہر نہایت پرکشش اور دلفریب نظر آتی ہیں لیکن یہ انسان کی ہلاکت اور تباہی کے لئے مہلک ترین حربے ثابت ہوئے ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں شیطان نے "آرٹ برائے آرٹ" کے نام سے عریانی اور فحاشی کے لئے جواز فراہم کیا۔ جب یہ اصطلاح پرانی اور

فرسودہ ہونے لگی تو ذرا سی تبدیلی کے ساتھ اسی کے نام "آرٹ" رکھ دیا اور اس کی سرپرستی میں ہر قسم کی بے راہ روی اور عریانی کی نمائش ہوتی رہی۔ اس سے بھی جب شیطانی عزائم اور مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آتے تو اس نے ایک اور لفظ "آزادی افکار" ایجاد کیا۔ جس نے انسان کے خیالات و افکار کو بے لگام کر کے اسے تمام اخلاقی حدود و قیود سے آزاد کر دیا اس نے سب سے پہلے یورپ' امریکہ اور روس کو مذہب اور اخلاقی شعور سے بیگانہ کر دیا۔ اقبالؒ کی پیغمبرانہ بصیرت نے شروع ہی میں دیکھ لیا تھا کہ یہ فتنہ کہاں سے سر اٹھا رہا ہے۔ اس لئے اس نے ایشیاء والوں کو خبردار کیا تھا "آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد۔" یہ آزادی افکار' دین و مذہب و اخلاق و شرافت کے خلاف شیطان کی کھلی جنگ ہے۔ اس کے لئے ابلیس اپنے سورماؤں کو تازہ دم کمک بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے ہراول دستہ سے رشدی نے اپنی تمام تر خباثتوں کے ساتھ مسلمانوں کے مرکز قلب و روح حضور ﷺ کی جناب میں گستاخی کی جسارت کی ہے۔ اس کی حمایت صرف ایک خود رو مولانا نے کی ہے جن کا پیدائشی نام وحید الدین خان ہے۔ مداہنت اور چاپلوسی کو انہوں نے "رواداری" اور ذہنی غلامی کو آزادی کا نام دے رکھا ہے۔ برطانوی صحافی کا ٹائمز آف انڈیا میں مذکور الصدر مضمون پڑھنے کے بعد "لوک" "روسو" اور دانشوران مغرب کو موصوف اپنا پیشوا سمجھنے لگے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں وہی آزادی کے اولیں علم بردار ہیں۔ مگر ان حضرات کے کرم خوردہ ذہن کی رسائی حقیقت کبریٰ کی ان بلندیوں تک نہیں ہو سکی جہاں سے آزادی کے اولیں چارٹر کا اعلان حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں کرتے ہوئے رنگ و نسل زبان اور ملک و نسب کے سارے امتیازات مٹا دیئے اور توحید کے کلمہ گیتی نورد سے عالم انسانی کی وحدت کو استوار کیا۔ اس طرح انسان کو ہمیشہ کے لئے ہر قسم کی غلامی سے آزادی کر دیا۔ سوئس نژاد فرانسیسی مفکر روسو جسے انقلاب فرانس کا بانی سمجھا جاتا ہے اس کے بارے میں تاریخی شواہد موجود ہیں کہ اس نے اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کے بعد عیسائی مذہب کے عقائد' رسوم اور توہمات جنہوں نے انسان کو ناروا پابندوں کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ جس کی پاداش میں اسے مرتد قرار دے کر فرانس بدر کر دیا گیا تھا۔ اس کی کتاب معاہدہ عمرانی (Due Contract Social) کو انقلاب فرانس کی انجیل کہا جاتا ہے۔ اس میں اسلامی عقائد اور افکار کی گہری چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ خاص طور پر اس کا وہ مقبول عام جملہ

"انسان تو آزاد پیدا ہوا تھا مگر ہر جگہ وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے" اسلامی ہی سے مستعار لیا ہوا ہے۔

ژاں ژاک روسو اٹھارہویں صدی عیسوی میں بھی انسان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہو دیکھ رہا ہے لیکن اس سے بارہ سو سال قبل خدا کے پیغمبر اولیں اور آخریں ﷺ نے انسان کو غلامی کی ساری جکڑ بندیوں سے آزاد کر دیا تھا جس کی خود قرآن گواہی دے رہا ہے۔

"ویضع عنهم اصرهم و الاغلال کانت علیهم"

اور وہ (پیغمبر ﷺ) ان سے (ناروا) بوجھ جو ان پر لدے ہوئے تھے
اور ان زنجیروں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے آزاد کرتا ہے۔"

آزادی کے لئے یہ پیغمبرانہ طریق کار، کسی خاص گروہ، نسل یا قوم کے لئے نہیں بلکہ سارے انسانوں کے لئے برپا کیا گیا تھا۔ یہ تھا آزادی کا وہ دریائے بے کراں جس کی تند و تیز لہریں صحرائے عرب سے اٹھ کر افریقہ اور یورپ تک پہنچی قرآن کے اسی اعلان کی روشنی میں عمر فاروقؓ نے گورنر مصر عمرو بن العاص کو سرزنش کرتے ہوئے کہا تھا:

"عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنا لیا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔"

اسلامی ریاست میں یہی وہ آزادی تھی جس نے افریقہ کے ایک قبطی اور مصر کے عربی گورنر کے بیٹے میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ حضرت عمرؓ کا یہی وہ جملہ تھا جو یورپ نے روسو کی زبان سے اٹھارہویں صدیق میں سنا۔ پھر بھی وہ اس معنویت کو ادا نہ کر سکا جو فرمان پیغمبر ﷺ اور قول عمرؓ کے اندر پائی جاتی ہے۔ کیونکہ روسو اور اس کے ہم عصر اس اخلاقی اور روحانی قدر کو نہ دیکھ سکے جو آزادی کے اندر اسلام کی بدولت کارفرما تھی۔ کلیسا اور شہنشاہیت کی ظالمانہ جکڑ بندیوں کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے کے لئے انہوں نے مطلق اور بے قید آزادی کا نعرہ لگایا جو عوام تک پہنچ کر آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ اس وقت وہ اس کے خطرناک انجام سے بے خبر تھے جو اب انسانیت کے لئے وبال جان بن گیا ہے۔ جب تک افکار و عمل کی آزادی پر اسلام کی اخلاقی پابندیاں عائد نہیں ہوتیں اس وقت تک انسانیت بغیر کسی اخلاقی نصب العین کے ہلاکت اور تباہی کی مہیب وادیوں میں بھٹکتی پھرے گی اور انسانی ارتقاء کا عمل نامکمل رہے گا۔ وحید الدین دو

صدی قبل کے مغربی مفکرین کے روحانی تصور کو آزادی کی نیلم پری سمجھ بیٹھے ہیں۔ جس کا حقیقت کی دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ یورپ میں خونی انقلاب کی شورشیں ختم ہونے کے بعد وہاں بھی آزادی کے غیر منطقی اور منفی تصور میں کافی مثبت تبدیلیاں آچکی ہیں۔ کیونکہ دنیا کو بالآخر پیغمبرؐ کے اسی فرمان اور اسی قول عمرؓ سے رجوع کرنا پڑا جس نے آزادی کے حدود کو متعین کر کے اس کو اخلاقی شعور سے سرفراز کیا تھا۔ جس کے بغیر انسان کی آزادی کی تکمیل ممکن نہ تھی اور نہ ہی اسے ضمیر کی آزادی نصیب ہوتی۔ اس مسلمہ حقیقت کو خان موصوف یکسر فراموش کر چکے ہیں کہ یہ اخلاق ہی کی قوت ہے جو انسان کو حیوانیت کی پست سطح سے اٹھا کر انسانیت کے بلند مقام تک پہنچا دیتی ہے۔

وحید الدین خان کی کتاب "مسئلہ شتم رسول" کو پڑھنے کے بعد یہ تاثر یقین میں بدل جاتا ہے کہ موصوف پولیٹیکل سائنس' آئین و قانون اور اصول فقہ Science Of Jurisprudence کی مبادیات سے بھی واقف نہیں۔ ورنہ وہ ایسی احمقانہ غلطی نہ کرتے۔ روسو کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ اس نے کن حالات میں آزادی مطلق کا نعرہ لگایا تھا لیکن اسی کے ہم عصر "برک" (Burke) نے دولت مشترکہ کے آئین کو اخلاقی قدر پر قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا اور آزادی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس نے دارالعوام House Of Commons کہا تھا "آزادی پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حدود کو متعین کیا جائے۔ ان کا ماخذ بھی دراصل عین اسلامی اصول ہیں ہم یہاں علی وجہ البصیرت بلاخوف تردید کہ سکتے ہیں کہ دنیا کا کوئی بھی آئین یا دستور خواہ وہ تحریری ہو غیر تحریری ایسا نہیں جس کی اساس ان ہی اسلامی اصولوں پر استوار نہ ہوئی ہو جو آزادی کے حدود اور قیود متعین کرتے ہیں اور جس میں اخلاقی پابندی کو شامل نہ کیا گیا ہو۔

ہم یہاں صرف چند معروف دستوروں کا حوالہ دیں گے جو سیکولرازم کے دعویٰ دار ہیں لیکن ان میں بھی آزادی مطلق کا حق نہیں دیا گیا' سب سے پہلے فرانس کے آئین کو دیکھئے۔ اس کے آرٹیکل نمبر1 میں کہا گیا ہے:

> "انسان آزاد پیدا ہوا ہے اور آزاد رہے گا۔ اور سب کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے لیکن سماجی حیثیت کا تعلق مفاد عامہ کے پیش نظر کیا جائے گا۔"

اسی آئین کے آرٹیکل نمبر4 میں کہا گیا ہے:

"آزادی کا حق اسی حد تک تسلیم کیا جائے گا جب تک کہ اس سے کسی دوسرے شخص کا حق متاثر یا مجروح نہ ہو اور ان حقوق کا تعین بھی قانون کے ذریعہ کیا جائے گا۔"

اسی طرح جمہوریہ جرمنی کے آئین کے آرٹیکل نمبر1 کی رو سے تکریم انسانی (Dignity Of Man) و لقد کرمنا بنی آدم O (القرآن70:71) کو ناقابل تنسیخ حق قرار دیا گیا ہے۔ اس آئین کے آرٹیکل نمبر5 میں کہا گیا ہے:

ہر شخص کو تحریر' تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کا حق حاصل ہے۔"

مگر اس کے ساتھ ہی آرٹیکل نمبر5 کی ذیلی آرٹیکل نمبر2 میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ حقوق' قانون عام' قواعد و ضوابط اور شخصی عزت و تکریم کے دائروں میں رہتے ہوئے استعمال کیے جا سکیں گے۔

امریکہ میں آزادی تحریر و تقریر وہاں کے دستور میں پہلی ترمیم کے بعد حاصل ہوئے لیکن اس میں بھی مطلق آزادی کا کوئی تصور نہیں امریکن سپریم کورٹ کے فیصلوں کے مطابق دستور بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شخص بھی ایسی غیرذمہ دارانہ تحریر یا تقریر کرے جو عوام میں اشتعال انگیزی کا باعث ہو اس لئے ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی قاہرانہ طاقت استعمال کر کے ایسی آزادی کو سلب کر لے جو امن عامہ میں خلل انداز ہو یا اس کی وجہ سے اخلاقی بگاڑ پیدا ہو (286 US 652) امریکہ کی سپریم کورٹ نے آزادی مذہب کے بارے میں اپنے ایک معرکتہ الارا فیصلہ میں لکھا ہے کہ آزادی مذہب کے نام پر توہین مسیحؑ کے ارتکاب کی اجازت نہیں دی جا سکتی کیونکہ اس سے پیروان مسیحؑ کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ اس فیصلہ کا اقتباس ہم نے اپنی کتاب "ناموس رسول اور توہین رسالت" کے باب پنجم میں دیا ہوا ہے۔

برطانیہ میں اگرچہ تحریری دستور موجود نہیں لیکن وہاں کے غیر تحریری آئین میں بھی کسی کو آزادی تحریر و تقریر اور آزادی اظہار خیال کے حق کی بناء پر ایسا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے کہ وہ برٹش لاء کے خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی زبان یا قلم کو استعمال کرے۔ اس بارے میں یورپ کے مسلمہ مفکر آئین و قانون ڈایسی نے لکھا ہے:

ایسا بیان جو شخصی توہین یا توہین مسیحؑ کی زد میں آئے۔ اس کا اظہار خواہ کسی خط یا کارڈ ہی کے ذریعہ کیوں نہ کیا جائے اس کی حیثیت کسی کتاب یا اخبار میں شائع شدہ بیان ہی کی طرح متصور ہو گی اس لئے اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہو گا کہ برطانیہ میں پریس مکمل طور پر آزاد نہیں ہے۔" آئینی قانون۔ اے۔ وی۔ ڈایسی ص247)

البتہ برطانیہ میں آزادی تقرر کے لئے کچھ اہتمام کیا گیا ہے وہاں ہائیڈپارک میں ایک چھوٹا سا گوشہ مختص ہے جو اسپیکر کارنر کے نام سے مشہور ہے اس مختصر سی جگہ میں مختص اوقات کے اندر ہر شخص کو جو جی میں آئے کہنے یا بکنے کی چھوٹ دی گئی ہے لیکن یہاں بھی کسی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ یا برطانیہ کی ملکہ معظمہ کی شان میں کسی قسم کی کوئی گستاخی کرے۔

خود انڈیا جہاں کے وحیدالدین باشندے ہیں کے آئین کے متعلقہ دفعات (Articles) کو پڑھ لیتے اور انہیں سمجھنے کی کوشش کرتے تو آزادی اظہار خیال کے بارے میں اسی طرح کی نامعقول باتیں شاید نہ کرتے۔ انڈین کانسٹی ٹیوشن کا آرٹیکل نمبر19 آزادی اظہار خیال اور آزادی تحریر و تقریر اور دیگر حقوق سے متعلق ہے۔ آرٹیکل نمبر19 کی ذیلی دفعہ(2) میں کہا گیا ہے کہ آزادی تحریر و تقریر اور آزادی اظہار خیال کے حق سے موجود قوانین متاثر نہیں ہوں گے بالفاظ دیگر یہ آزادنہ حقوق ان قوانین کے حدود سے تجاوز نہیں کر سکیں گے جو انڈیا میں نافذ العمل ہوں گے۔ ریاست کو ان آزادانہ حقوق پر معقول پابندیاں عائد کرنے کی قانون سازی کا حق حاصل ہو گا جو انڈیا کی بالادستی اور اس کے تحفظ سے متعلق ہوں اور جن کا تعلق ملک کے نظم و ضبط شخصی عزت' تہذیب و شائستگی اور اخلاقی اقدار سے وابستہ ہو۔ شائستگی (Decency) کا لفظ دوسرے دستاویز میں واضح طور پر موجود نہیں جس طرح کہ انڈیا کے دستور میں اسے بطور خاص استعمال کیا گیا ہے۔

ہم نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کا ذکر اس لئے مناسب خیال نہیں کیا کہ کہیں موصوف اس کے نام ہی سے بدک نہ جائیں کیونکہ یہ لادینی (Seculor) آئین نہیں ہے۔ آزادی تحریر و تقریر اور آزادی اظہار خیال پر آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آرٹیکل نمبر19 ہی کے تحت وہی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا ذکر انڈیا کے دستور کے

متعلقہ آرٹیکل کے تحت آ چکا ہے۔ اس میں بھی تہذیب و شائستگی نظم و ضبط اور اخلاق کی پابندی کا بطور خاص ذکر موجود ہے لیکن جو چیز اسے انڈیا اور دوسرے دستوروں سے ممتاز کرتی ہے اور جس کا ذکر اس آرٹیکل میں سب سے پہلے کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شوکت اسلام (Glory Of Isltam) کے منافی ان آزادانہ حقوق کے استعمال کی کسی صورت اجازت نہیں دی جائے گی۔

چونکہ وحید الدین خان کی ذہنی ساخت سیکولر ہے اس لئے گمان غالب ہے کہ گلوری آف اسلام کے الفاظ ان کے حلق سے نیچے نہیں اتر سکیں گے اس لئے ہم ان کی مزید وضاحت نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ یہ بات ان حضرت کے گوش گزار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آزادی تحریر و تقریر اور اظہار خیال کی آزادی دنیا کو سب سے پہلے اسلام نے دی تھی مگر اس کو اخلاقی اقدار' شرافت اور شائستگی اور معقول پابندیوں کے ساتھ مشروط بھی اسلام ہی نے کیا تھا جس کو ساری دنیا نے بعد میں تسلیم کر لیا اور اس کو اپنے آئین اور قانون کا جزو لاینفک بنا لیا۔ وگرنہ ان پابندیوں کے بغیر معاشرے میں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جاتا اور ان کے بغیر کوئی ریاست' کوئی حکومت اپنا وجود ہی برقرار نہیں رکھ سکتی۔ اس کم علمی کی وجہ سے جو جہالت سے بھی زیادہ خطرناک چیز ہے وحیدالدین آزادی کے مکمل مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ دنیا کا کوئی قانون' کوئی آئین کسی کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اخلاقی حدود کو پھلانگتے ہوئے اور شرافت اور شائستگی کی اونچی سطح سے اتر کر آزادی کے نام پر دشنام طرازی اور دل آزاری کرے اور اسے آزادی تقریر کا حق سمجھ لے۔ خان صاحب موصوف سے بجا طور پر کہا گیا ہے کہ وہ لال قلعہ کی چھت پر کھڑے ہو کر گاندھی جی' اندرا گاندھی' جواہر لال نہرو یا راشٹرپتی کو مغلظات سنائیں۔ پھر انہیں پولیس اظہار خیال کی آزادی اور آزادی تقریر کا مفہوم اچھی طرح سمجھا دے گی اور انہیں اس مقام پر پہنچا دے گی جہاں مرفوع القلم (Lunatic) حضرات کو بحفاظت رکھا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو رواداری کا سبق دینے والے اور انہیں رشدی جیسے دریدہ دہن شخص کی گندی گالیوں پر صبر کی تلقین کرنے والے ان حضرت میں کیا یہ حوصلہ ہے کہ وہ اس شخص کو برداشت کر لیں گے جو ان کی ماں' بہن' بیٹی' بہو اور بزرگوں کو وہی ننگی گالیاں دیتا پھرے جو شیطان رشدی نے اپنی کتاب ابلیسی خرافات میں جا بجا دی ہوئی ہیں۔

وحیدالدین خاں کی یہ کتاب پاکستان میں ہماری تحریک ناموس رسول ﷺ جس

کے نتیجہ میں یہاں قانون توہین رسالت نافذ ہوا کے بعد کی پیداوار ہے اس بندہ عاجز نے اپنی اس کتاب "ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت ﷺ" میں ان تمام طاغوتی خیالات کا جو خاں صاحب اور موصوف کے ممدوحین کے دماغ میں کلبلا رہے تھے پہلے ہی جواب دے دیا تھا۔ اب ہماری یہ کتاب ہانگ کانگ کی انٹرنیشنل اسلامک سوسائٹی انگریزی میں ترجمہ کروا کر ساری دنیا میں اس کی اشاعت کا اہتمام کر رہی ہے۔ مولانا نے رشدی کے جوش حمایت میں قلابازیوں کے ایسے ایسے کرتب دکھائے ہیں کہ ناطقہ سربگریبان ہے اسے کیا کہئے۔ مولانا کا ہدف بیچارہ "اردو خواں" طبقہ ہے خواہ وہ یورپ میں ہو یا امریکہ میں' ہندوستان پاکستان میں ہو' بنگلہ دیش یا دنیا کے کسی حصہ میں ہو ساری شرارت اور کارستانی اسی طبقہ کی ہے جس کی وجہ سے بقول مولانا یہ "لغو ایجی ٹیشن اور ہنگامہ دارو گیر رشدی کے خلاف دنیا میں جگہ جگہ برپا ہوا۔ اسی لئے مغربی دنیا سلمان رشدی کو اپنی معاملہ بنا کر مسلم دنیا کے خلاف کمربستہ ہے۔ مغربی دنیا کی طرف سے سلمان رشدی کی حمایت کا سبب اسلام دشمنی نہیں ہے۔ جیسا کہ مسلم رہنما سطحی طور پر اس کے بارے میں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ ان کے اپنے مذہب کا دفاع ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح مسلمان اپنے مذہب کے دفاع میں متحرک ہیں۔ اس طرح یہ لڑائی مسلمان بمقابلہ رشدی نہیں رہی بلکہ مسلمان بمقابلہ مغرب بن گئی ہے۔"

مولانا چالیس سال سے پوری قوت اور طاقت کے ساتھ سرگرم عمل ہیں اور یہ مہم چلا رہے ہیں کہ یہ کم نصیب "اردو خواں" طبقہ راہ راست پر آ جائے۔ بھاری بھرکم کتابوں سے اپنی تحریروں' تقریروں اور لٹریچر کے انبار سے اس "طبقہ" کو سمجھا رہے ہیں کہ وہ اپنے دین و مذہب پر اس طرح حملہ پر مشتمل نہ ہوں اسلام اور مرکز اسلام کی اہانت' توہین اور دشنام طرازیوں پر غم و غصہ کا اظہار اور ایجی ٹیشن لغو اور بہت بری بات ہے۔ اس سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ حضور ﷺ رسول رحمت ہیں۔ بلاشبہ آپ ﷺ رحمتہ اللعالمین ہیں مگر مولانا سے یہ کون پوچھے کہ حضرت! اللہ میاں بھی تو ارحم الراحمین ہیں لیکن وہ بھی اپنے منکرین اور نافرمان بندوں کو' اپنے رسولوں کے منکرین اور ان کی اطاعت سے انکار کرنے والوں اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو سخت سزا اور عذاب شدید کی وعید سنا رہے ہیں۔ معلوم نہیں خدا کا اپنے بندوں کے ساتھ اس طرح سلوک کے بارے میں مولانا کا کیا خیال ہے؟

مولانا نے جن کا شمار بھارت کے چوٹی کے فضلاء میں ہوتا ہے۔ ملت کے لئے اتنے پاپڑ بیلے ہیں اس کے باوجود اس ناسمجھ "اردو خواں طبقہ" پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ "سوچنے کی بات" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں "اس کام میں اگرچہ مجھے "ملت" کا (یہاں اردو داں طبقہ کو ملت کہہ دیا ہے) مطلوبہ تعاون حاصل نہ ہو سکا۔"

جس کی وہ اتنے عرصہ دراز سے آس لگائے بیٹھے تھے اور ابھی تک اسی سوچ اور فکر میں غلطاں اور پیچاں ہیں مگر داد دیجئے ان کی ہمت پر کہ اس نامرادی کے باوجود وہ اس شوق فضول سے باز نہیں آئے۔ فرماتے ہیں "تاہم میں نے اپنی پوری طاقت اس کام میں لگا رکھی ہے۔"

سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ رشدی نے اپنی ابلیسی کتاب انگریزی زبان میں لکھی ہے۔ "اردو خواں" طبقہ نے اس کو کیسے پڑھ لیا۔ اگر پڑھ بھی لیا تو اسے کیسے سمجھ لیا؟ جب کہ وہ مولانا کی اردو میں لکھی ہوئی چالیس سالہ تحریروں کو بھی نہیں سمجھ سکے! ہمیں یہ تو معلوم نہیں کہ مولانا کی "مادری زبان" کیا ہے؟ مولانا' اردو جیسی کم مایہ زبان کی بجائے رشدی کی طرح انگریزی کو آزادی اظہار کا ذریعہ بناتے تو شاید انگریزوں داں طبقہ پر اس کا خاطر خواہ اثر ہوتا ہم نے لفظ شاید اس لئے لکھا ہے کہ انگریزی داں طبقہ نے رشدی کی کتاب اور اس کے اظہار خیال پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔ برطانیہ کے انگریزی زبان کے معروف نقاد ابروں واف (Auberon Waugh) نے تو یہ مطالبہ کیا ہے کہ رشدی کو خراب انگلش لکھنے پر سزا دینا چاہئے۔ خود بھارت کے دانشور خشونت سنگھ نے رشدی کی اس کتاب کو یہ کر رد کر دیا ہے کہ بطور ناول بھی یہ کتاب پڑھنے کے لائق نہیں۔ یہ باتیں مولانا کے علم میں ہیں۔ فیض احمد فیض کا جو انگریزی کے بہت بڑے رائٹر تھے رشدی کی انگریزی کے بارے میں یہ تبصرہ ہے کہ مغرب کی اس سے بڑھ کر اور کیا بدنصیبی ہو سکتی ہے کہ رشدی جیسے شخص کو برطانیہ کے ناول نگاروں میں شامل کیا گیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ وہ "اردوں داں" تھے۔ مولانا کے ترکش کا کوئی تیر ایسا نہیں جس کی زد میں آکر کوئی بچ سکا ہو۔ "ملت" تو خیر شروع ہی سے ان کے زیر عتاب رہی ہے۔ شاتم رسول ﷺ رشدی کے خلاف مسلمانوں کے "شور و غل" پر مولانا خوب گرجے برسے ہیں مگر اس کو انہوں نے کافی نہیں سمجھا اور ملت کو معاف نہیں کیا بلکہ وہ اس کو سخت سزا دینے کے لئے پوری قوت مجتمع کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں "ایجی ٹیشن" ناجائز ہے اس لئے

انہوں نے ملت اور ملت کے رہنماؤں پر فرد جرم عائد کر دی ہے۔

فرد جرم:

"مسلم رہنماؤں کی یہ غلطی صحیح لفظ سرکشی ہے بلاشبہ آخری حد تک ناقابل معافی جرم ہے۔ یہ جرم (ایجی ٹیشن شور و غل) یقیناً سلمان رشدی کے جرم سے بھی زیادہ سنگین تر ہے۔ سلمان رشدی کو کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش میں مسلمان رہنماؤں نے خود اپنے آپ کو شدید تر قسم کے مجرمانہ کٹہرے میں کھڑا کیا ہے۔" اس طرح جرم کو ناقابل معافی قرار دے کر سنگین ترین سزا یعنی اجتماعی سزائے موت کا فیصلہ مولانا نے سنا دیا اور دوسری طرف رشدی کو تمام جرائم سے نہ صرف بری کر دیا بلکہ اسے ادبی ہیرو بنا دیا۔ فرماتے ہیں "مسلمانوں کے اس احمقانہ اقدام کے آخری نتیجہ میں سلمان رشدی ہیرو بن کر برطانیہ کی شاہی حفاظت میں بیٹھا ہوا ہے۔"

اس کے تحفظ کے بارے میں ایک قانونی نکتہ یہ بھی ارشاد فرمایا: "چونکہ رشدی برطانیہ کا باشندہ ہے اس پر برطانیہ کے قوانین نافذ ہوتے ہیں ایران یا پاکستان کے نہیں۔ انعام دے کر یا جذباتی اپیل کر کے اس طرح ایک غیر ملکی کو مروانا گویا انٹرنیشنل بدامنی کا جواز فراہم کرنا ہے۔" یہ انتباہ ہے مسلمانوں کے لئے کہ رشدی کو مروانے کی کسی قسم کی کوئی کوشش سے بین الاقوامی قانون حرکت میں آ سکتا ہے۔ اس کے بعد بیچارے مسلمانوں کو دنیا میں کہیں بھی کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی۔ الامان والحفیظ!

"توہین رسالت" اور "توہین ریاست" مولانا کو چونکہ ہمدانی کا دعویٰ ہے اس لئے برطانیہ کے قوانین توہین رسالت (Blasphemy) اور توہین ریاست (Contepmt Of State) کے فرق کی وضاحت بھی ناگریز مجبوری تھی۔ اس سلسلے میں دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

"برطانیہ میں سترھویں صدی سے ایک قانون موجود ہے جو مسیحیت کے خلاف کفریہ کلمات (Blasphemy) کو قابل سزا جرم قرار دیتا ہے مگر اس تعزیری قانون کے ہوتے ہوئے برطانیہ میں ایک فلم بنائی گئی جو سراسر قانون کے منشاء کے خلاف ہے اس فلم کا نام ہے: .The Last Temptation Of Christ

اس فلم میں نعوذ باللہ مسیح ؑ کی جنسی زندگی کے مناظر دکھلائے گئے ہیں۔ یہ فلم

برطانیہ میں کھلے طور پر دکھائی جا رہی ہے مگر مذکورہ قانون ہونے کے باوجود اس فلم پر آج تک کوئی پابندی نہیں لگائی گئی نہ اس کے بنانے والوں کو کوئی سزا دی گئی۔ اسی طرح برطانیہ کی ایک برعکس مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں "پیٹر رائٹ" (Peter Wright) ایک انگریز ہے جو ریٹائرڈ ہونے کے بعد اب آسٹریلیا میں رہتا ہے وہ برطانیہ کے محکمہ انٹیلی جنس میں اعلیٰ آفیسر تھا۔ اس نے ریٹائر ہونے کے بعد اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام "اسپائی کیچر" (Spy Catcher) ہے۔ اس کتاب میں برطانیہ کے محکمہ جاسوسی کے راز بتائے گئے ہیں۔ پیٹر رائٹ نے اپنی یہ کتاب لندن کے ایک پبلیشر کے ہاتھ فروخت کی مگر اس کی اشاعت سے پہلے ہی حکومت برطانیہ کو اس کا علم ہو گیا۔ اس نے فوراً یہ کہہ کر اس پر پابندی لگا دی کہ یہ کتاب سرکاری رازوں کی پردہ داری کے خلاف ہے۔ مصنف اور پبلیشر کی تمام کوششوں کے باوجود یہ کتاب چھپ نہ سکی۔ 1988ء میں یہ کتاب ایک بیرونی ملک میں چھاپی گئی تاہم برطانوی حدود میں اس کتاب کا داخلہ ممنوع ہے۔ تقابلی مثال پر غور کیجئے ایک ہی ملک ہے۔ وہاں "توہین مسیحؑ" کا واقعہ ہوتا ہے مگر قاعدہ قانون کے ہوتے ہوئے اس پر پابندی نہیں لگائی جاتی دوسری طرف اسی ملک میں توہین ریاست کا واقعہ ہوتا ہے تو حکومت اس کے خلاف فوراً سرگرم ہو جاتی ہے اور پورا ملک اس کو اپنے اندر جگہ دینے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس فرق کی مولانا توجیہہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ برطانیہ "توہین ریاست" کی اہمیت سے واقف ہے مگر "توہین رسالت" کی اہمیت کا اسے احساس نہیں۔"

توہین نبوت کے بارے میں وہ یہی "بے حسی" مسلمانوں، مسلمان رہنماؤں اور مسلمان ریاستوں کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ وہ توہین نبوت جس پر ان کے ایمان اور اعتقاد کا دار و مدار ہے اسے قطعی کوئی اہمیت نہ دیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی جس "ریاست" میں ہوں انہیں صرف اسی ریاست کی اہمیت کا احساس ہونا چاہئے تاکہ وہ برطانیہ کی طرح ریاست کو پوجمان شے (Fetish) تسلیم کر لیں۔

ایسی لغویات قرآن اور حدیث کی تعلیمات سے صریح انکار ہے۔ جہاں تک قرآن اور حدیث کی تفسیر اور تعبیر کا تعلق ہے اس بارے میں مسلمہ علمائے دین کے مقابلہ میں ایک خودساختہ مولوی وحیدالدین کے پراگندہ خیالات کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی

جا سکتی۔ اس لیئے ہم اس پر کوئی تبصرہ کر کے اپنا اور قارئین کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔

جہاں تک ان کی قانونی معلومات کا تعلق ہے اس بارے میں عرض کر چکے ہیں کہ وہ آئین اور قانون کی ابجد سے بھی واقف نہیں جس کا ثبوت خود آئین اور قانون کی زبان میں پہلے بھی کر دیا گیا ہے اور آئندہ بھی جہاں ضرورت ہو پیش کر دیا جائے گا۔

تاریخ پر وحیدالدین خان کا مجرمانہ حملہ:

تاریخی استقراء اور فلسفہ تاریخ تو بہت اونچی چیز ہے جو موصوف کے نابالغ ذہن کی دسترس سے باہر ہے۔ لیکن انہوں نے تاریخ اور واقات کو مسخ کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

حضرت مسیحؑ کی پاکیزہ زندگی پر جس ناپاک سیکسی فلم (Last Temptation Of Christ) کو اسلامی نظریہ حاکمیت الٰہی (Sovereighty Of Allah) کے برخلاف اپنے سیکولر نظریہ اقتدار ریاست (Sovereighty Of State) کی تائید میں پیش کیا ہے اس بارے میں ان حقائق کو جان بوجھ کر چھپایا گیا ہے۔ جس سے ان کے سیکولر نظریہ ریاست اور اس الزام کی تردید ہوتی ہے جو انہوں نے مسلمانوں پر لگایا ہے۔ وہ مُبّینہ الزام ان ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہیں:

> "شتم (توہین پیغمبرؑ) کے معاملہ میں موجودہ زمانہ کے مسلمان ایک عجیب تضاد میں مبتلا ہی۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب مسئلہ بیان کرنا ہو تو وہ کہتے ہیں کہ خدا کے پیغمبروں میں سے کسی بھی پیغمبر پر سب و شتم کرنا یکساں طور پر جرم ہے۔ وہ ہر طرح ایسے شاتم کو واجب القتل قرار دے دیتا ہے۔ مگر عملی اعتبار سے ان کا حال یہ ہے کہ وہ صرف اپنے پیغمبر کے سب و شتم پر بھڑکتے ہیں جہاں تک دوسرے پیغمبروں کا تعلق ہے ان کے خلاف خواہ کسی قسم کی بھی گستاخی کی جائے ان کے اندر کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔"

یہ بات سراسر خلاف واقعہ ہے۔ جن دنوں' متذکرہ بالا فلم مسیحؑ کی آخری ترغیب جنسی لندن کے سینما ہال میں دکھلائی جانے والی تھی میں لندن میں موجود تھا۔ ہم نے اس

فلم کی نمائش کے خلاف باقاعدہ مہم چلائی۔ 22 ستمبر1988ء سینما ہال کے سامنے پکٹنگ شروع ہوئی۔ جس میں عیسائی اور یہودیوں کا ایک گروہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ ہماری ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس نے برٹش فلمز انسٹیٹیوٹ کو باقاعدہ نوٹس دیا کہ اس فلم کی نمائش کو روک دیا جائے ورنہ فلمساز' سینما کے مالکان اور برٹش فلمز انسٹیٹیوٹ کے خلاف بلاس فیمی (Blas Phemy) قانون کے تحت کارروائی کی جائے گی۔ اس سلسلہ میں اس فلم کے خلاف میرے انٹرویو کے علاوہ مضامین لندن کے اخبارات میں شائع ہوئے جس کے نتیجہ میں لندن کے زیرزمین اسٹیشنوں سے حضرت مسیحؑ کے ساتھ بازار حسن کی نیم برہنہ طوائف کے قد آدم پوسٹر ہٹائے گئے اور فلم بری طرح فلاپ ہو گئی۔

مسلمان خود کو حضرت ابراہیم' موسیٰ و ہارون اور عیسیٰؑ اور تمام انبیاء کرام کا وارث سمجھتے ہیں۔ قرآن کے فرمان کے مطابق ان میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے البتہ فضیلت کا معاملہ اور ہے۔ اس لئے وہ کسی بھی پیغمبر کی توہین برداشت نہیں کرسکتے اور جو کچھ بھی ان کے بس میں ہو وہ کر گزرتے ہیں۔ مسلمان تو حضرت مسیحؑ کے خلاف فلم کی نمائش پر تو حرکت میں آگئے تھے۔ انہوں نے اس کے خلاف احتجاج بھی کیا۔ قانونی نوٹس بھی برٹش حکومت کے متعلقہ ادارے کو دے دیا اور وہ کچھ کیا جو وہاں ان کے بس میں تھا۔ اگر وہاں کی حکومت نے اس گندی فلم کی نمائش کو روکنے کے لئے کوئی قانونی کارروائی نہیں کی تو یہ وہاں کی حکومت کی کوتاہی (Omissim) ہوئی جو بذات خود جرم ہے اور وہاں کے پیروان مسیحؑ کی بے حسی ہے جس کی ستائش صرف وحیدالدین خاں جیسی ذہنیت کے لوگ ہی کرسکتے ہیں۔

مندرجہ بالا الزام کی بنیاد وہ عجیب و غریب تضاد بتلاتے ہیں جس میں یہ مسلمان قوم مبتلا ہے۔ حالانکہ خود حضرت کی ذات اور ان کی کتاب میں تضاد کے ایسے ایسے نوادرات ملتے ہیں جو اور کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکتے ایک طرف تو مسلمانوں پر الزام عائد کر رہے ہیں کہ وہ پیغمبر ﷺ کے سوا کسی اور پیغمبر کی اہانت پر خاموش تماشائی بن جاتے ہیں لیکن اگر مسلمانوں نے ایسی کوئی حرکت کی تو اس پر بھی سخت ناراض ہو جاتے ہیں اور اس واقعہ کو "تخریب کاری" کے الزام کے تحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "پاکستان کے انگریزی اخبار فرنٹیر پوسٹ میں کسی مغربی پرچہ سے ایک مضمون نقل کیا گیا۔ اس کے ساتھ آدم اور حوا کی ایک تصویر بھی تھی وہ بھی فرنٹیر پوسٹ میں چھپ گئی۔ اس کے بعد

ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں بپھرے ہوئے مسلمانوں نے اخبار کی وسیع عمارت کو گھیرلیا اور اس کو ساز و سامان سمیت جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس قسم کے واقعات ایک یا دوسری شکل میں ہو رہے ہیں جہاں مسلمانوں کو عمل کی آزادی حاصل ہے۔ مسلمان اپنی اسی ملی ہوئی آزادی کو "تخریب کاری" میں استعمال کر رہے ہیں اور اس کا نام انہوں نے اسلامی جہاد رکھا ہے۔ یہ جہاد نہیں بلکہ سرکشی ہے اور سرکشی اللہ تعالیٰ کے یہاں بدترین جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔ پھر خود ہی منصف بن کر اس جرم کی سزا میں مسلمانوں کے خلاف اجتماعی سزائے موت کا فیصلہ بھی صادر کر دیا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ مگر اس فیصلہ پر عملدرآمد ان کے یا ان کے سرپرست طاقتوں کے بس کی بات نہیں اس لئے وہ حضرت ناصح کے بہروپ میں ناسمجھ مسلمان قوم کو سمجھا رہے ہیں کہ وہ رشدی کی گالیاں کا' اس کی خرافات کا کوئی جواب نہ دیں۔ اس کی شرارتوں کو نظرانداز اور اسے کھل کھیلنے کا موقع دیں۔ مگر ناصح مشفق خود "اردو داں" طبقہ یعنی مسلمان قوم' مسلمان رہنماؤں' اس کے شہیدوں اور ملت کی برگزیدہ شخصیتوں کے خلاف نہ صرف تہذیب اور شائستگی سے گری ہوئی زبان استعمال کرتے ہیں بلکہ ان کے خلاف گالیوں کا آزادانہ استعمال کو جائز بلکہ اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کی طرف تو بے محابا "احمق' نالائق' نادان' بے عقل" کے سنگ دشنام پھینکتے ہیں اور ان کے احتجاج کو "لغو' فضول' شور و غل' چیخ و پکار" کہتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ اس احتجاج کی وجہ سے اسلام بھی ان کی نظر میں "وحشت اور بربریت کا مذہب بن چکا ہے" اس لئے انہیں یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ اس کی وجہ سے روئے زمین پر شاتمین کی قبروں کے سوا اور کچھ نہیں دکھائی دے گا۔ اسلام کی برگزیدہ ہستیوں' مسلمانوں کی محبوب شخصیتوں اور ان کے قائدین کے بارے میں انہوں نے جس طرح اظہار خیال کیا ہے اس کے چند نادر نمونے قارئین کی خدمت میں پیش ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ :

شیخ الاسلام مجدد دین امام ابن تیمیہؒ کو تفہیم قرآن و حدیث' تفقہ فی الدین' فلسفہ منطق اور تمام علوم متداولہ میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ ان کے بدترین مخالف بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ پھر میدان جہاد میں انؒ کے کارناموں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ذات میں اتنے صفات عالیہ جمع کر کے انہیں مجتہد اور مجدد کے بلند مقام کے لئے منتخب فرمایا اور ساتھ ہی ایک ایسا مرد مجاہد بھی بنا دیا جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار کا جوش اور جذبہ سرایت کئے ہوئے تھا علامہ شبلیؒ جیسے بلند پایہ عالم اور اسلامی مورخ نے امام ابو حنیفہؒ' امام غزالیؒ' امام رازی شاہ ولی اللہؒ جیسی ہمہ مقتدر دینی شخصیتوں میں سے صرف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کو ہی مجدد دین و ملت کے منفرد اور ممتاز مقام پر فائز دیکھا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادی جیسی نابغہ روزگار شخصیت بھی صرف شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی ذات کو امامت اور مجددیت کی سزاوار سمجھتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ سات صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج تک ان کا کوئی ہم پایہ اور ہمسر پیدا نہیں ہوا۔ مگر اس دور کا ایک قلم کار وحیدالدین خاں امام ابن تیمیہ کی ذات گرامی اور ان کی گراں قدر تصنیف "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" جو توہین رسالت کے موضوع پر قرآن کی آیات مبینات' احادیث رسول ﷺ' ائمہ فقہ کے متفقہ استنباط کی روشنی اور خود اپنی عالمانہ بصیرت اور براہین قاطع اور زور استدلال سے "شتم رسول" کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے مستند ترین کتاب ہے۔ تمام اسلامی مکاتب فکر اس کتاب کو بطور سند پیش کرتے ہیں مگر ابن تیمیہ کی کتابوں کے بارے میں ایک طفل مکتب وحیدالدین خاں کی جسارت ملاحظہ فرمائیے۔ لکھا ہے:

> ابن تیمیہ کی کتابیں تجربہ اور استدلال کے اعتبار سے اعلیٰ معیار کی نہیں ہوتی۔ "الصارم المسلول" بھی اس اعتبار سے کوئی معیاری کتاب نہیں۔ ان میں انہوں نے طفلانہ باتیں کہی ہیں اور ان کی توجیہ مضحکہ خیز حد تک بے معنی ہے "ابن تیمیہ کی دلیل دھاندلی ہے۔"

خدا کی شان تو دیکھو کہ گل چڑی گنجی
حضور بلبل بستاں کرے سخن سنجی

ابن قیم چونکہ امام ابن تیمیہ کے ہم خیال لوگوں میں سے ہیں اس لئے ابن قیم نے شتم رسول کے مسئلہ کو حرمت رسول ﷺ کا مسئلہ بنا دیا ہے اس طرح اس کو حقوق العباد کے تحت لائے ہیں مگر وہ اسے ان حضرات کی ذاتی توجیہہ کہہ کر رد کرتے ہیں۔

امام خمینی اور مولانا ابوالحسن ندوی:

ایران اور ہندوستان کی ان دو بزرگ شخصیتوں کے بارے میں ایک اخباری بیان کے ذریعہ انہیں اسلامی قانون کی توہین کا مرتکب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایران کے آیت اللہ خمینی نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ وہ شیطانی آیات کے مصنف سلمان رشدی کو قتل کر دیں اسی کے ساتھ ایرانی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ قاتل کو اسی کے معاوضہ میں ایک بڑا انعام دے گی۔"

مولانا ابوالحسن ندوی نے امام خمینی کی تائید کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ امام خمینی اس اعلان میں حق بجانب ہیں۔ اسلام میں پیغمبر اسلام کی توہین کے مجرم کی سزا یہی ہے کہ اس کو قتل کیا جائے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"سلمان رشدی نے اگر پیغمبر اسلام کی توہین کی تھی تو میرے نزدیک امام خمینی اور مولانا ندوی جیسے لوگ اسلامی قانون کی توہین کر رہے ہیں۔ کیونکہ اسی طرح کسی کو قتل کروانا ہرگز اسلام کا واقعہ نہیں مگر ساری دنیا کا مسلم پریس بہ یک زبان خمینی کی طرفداری میں کھڑا ہو گیا ہے۔"

"ایران میں نام نہاد اسلامی انقلاب کے بعد انقلابیوں کے ہاتھوں پیش آنے والے وحشیانہ واقعات نے ساری دنیا میں لوگوں کو اسلام سے بیزار کر دیا۔"

ایران کا انقلاب صرف اینٹی شاہ انقلاب تھا نہ کہ کوئی اسلامی انقلاب جسے خلاف واقعہ طور پر اسلامی انقلاب کہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام بدنام ہو کر رہ گیا۔"

مولانا محمود الحسن:

پاک و ہند کی بہت بڑی دینی درسگاہ کے بانی اور آزادی ہند کے مجاہد رہنما شیخ الہند مولانا محمود الحسن پر بھی ان کے ایک شعر کا حوالہ دے کر توہین مسیحؑ کا الزام عائد کر دیا اور حیران ہیں کہ توہین رسالت کو جرم سمجھنے والی قوم نے انہیں زندہ کیسے اور کیوں چھوڑ دیا۔

اس سلسلہ میں ان کی نعت کا ایک شعر انہوں نے نقل کیا ہے:

مردوں کو کیا زندہ' زندوں کو مرنے نہ دیا
مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن آدم

معلوم نہیں تھا کہ خاں صاحب شعر و ادب کے معاملہ میں اتنے کور ذوق واقع ہوئے ہیں کہ وہ ایک سادہ سے شعر کے معنی و مفہوم کو بھی نہ سمجھ سکے خاں صاحب نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ آگے بڑھ کر اقبال پر بھی حملہ کر دیا۔

علامہ اقبالؒ :

علامہ اقبال بھی اپنے اشعار کی وجہ سے خاں صاحب کی نظر میں کافر و زندیق اور مشرک ہیں۔ اقبال کی اپنی زندگی ہی میں ان کی ایک نظم "آفتاب" پر لاہور کے ایک مولوی دیدار علی نے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ دے دیا تھا۔ اقبال اپنے دور کے مولوی اور ملا حضرات سے گلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مجھ کو تو سکھا دی ہے افرنگ نے زندیقی
اس دور کے ملا ہیں کیوں ننگ مسلمانی

مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ ان کے بعد آنے والے دور کا ایک "ماڈرن ملا" وحیدالدین ان سب سے بازی لے جائے گا۔ حضرت ملا نے علامہ کے بارے میں لکھا ہے اور لکھتے وقت علامہ کا یہ "مشرکانہ" شعر بھی ان کے پیش نظر ہو گا جس میں وہ کہتے ہیں:

مہر و مہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

اس شعر کی تشریح وہ یوں فرماتے ہیں:

یہ مسلمان جن کو ان کے نام نہاد رہنماؤں نے "محتسب کائنات" کے منصب بلند پر بٹھا رکھا ہے۔ ان کے احتساب کا اگلا شاید وہ آسمانی اقدام ہو گا جس کو ان کے محبوب شاعر نے ان شاندار الفاظ میں بیان کیا ہے:

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

اقبال کا یہ شعر خاں صاحب کے فتویٰ کے مطابق سراسر "کافرانہ" اور "مشرکانہ"

ہے۔ اس پر اس کے سوا اور کہا جا سکتا ہے سخن فہمی عالم بالا معلوم اشد۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ:

"اردوں داں طبقہ" کے شاعر اقبال کے بعد خاں موصوف نے اسلامیان ہند کے قائد محمد علی جناح جو "انگریزی داں" تھے ان کو بھی ہدف تنقید بنانا ضروری سمجھا۔ مسلمانوں کی آزاد مملکت کے لئے ان کی بے مثال قربانیوں کو بہ یک جنبش قلم مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "موجودہ پاکستان محمد علی جناح کی دین نہیں بلکہ حقیقتاً وہ محمد بن القاسم ثقفی کی دین ہے۔" قائداعظم نے موصوف کی مضمون نویسی سے بہت پہلے ہی یہ کہا تھا کہ پاکستان اسی وقت بن گیا جب کہ سرزمین ہند پر پہلے مسلمان نے قدم رکھا تھا۔ اپنی وفات سے ایک دن قبل انہوں نے اپنے معالج خصوصی ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے فرمایا:

> تم جانتے ہو جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے۔ یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی کر نہ سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسول خدا کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا اب پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی 11 ستمبر 1988ء) ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی یہ ڈائری جو ان کے اپنے قلم کی تحریر شدہ ہے پاکستان میں چھپ چکی ہے۔

مسلمانوں کے قائد نے اپنی وفات سے قبل یہ اعلان حق کیا تھا کہ زمین پر بادشاہت دینے والی ذات خدا کی ہے۔ مگر اقبال کو ان کے ایک شعر کے حوالہ سے "کافر" اور "مشرک" کہنے والا شخص پاکستان کو اللہ کا دین کہنے کی بجائے محمد بن قاسم کا دین کہہ رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر کفر و شرک اور کیا ہو سکتا ہے؟ محمد بن قاسم کے اعلیٰ ترین مجاہدانہ کردار سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن اس بھارتی باسی کو اس کی سیادت کسی اور وجہ سے پسند ہے اس کی وجہ بھی بیان کر دی ہے:

> جب وہ (محمد بن قاسم) ہندوستان سے واپس ہو کر دمشق گیا تو اہل ہند نے اس کے لئے اس کا مجسمہ بنا کر اس کی تعظیم اور تقدیس کی۔"

عبدالقادر عودہ شہید:

عبدالقادر عودہ شہید مصر کی سپریم کورٹ کے عہدہ جلیلہ سے اس لئے مستعفی ہوئے تھے کہ ایک مسلمان جج غیراسلامی قانون نافذ نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ اخوان کے نائب مرشد عام ہو گئے اور اپنی ساری زندگی اسلامی قانون کو برپا کرنے کے لئے وقف کر دی۔ اسلامی قانون اور موجودہ بین الاقوامی قانون پر ان کی کتابیں مستند (Authoritative) تسلیم کی جاتی ہیں۔ عبدالقادر عودہ جیسی گراں' مایہ شخصیت کو فراعنہ مصر کی اولاد جمال ناصر نے اپنے خلاف بغاوت کے الزام میں شہید کروا دیا تھا۔ ان کے متعلق بھی وحیدالدین اپنی نیش زنی سے باز نہیں رہ سکے۔ عودہ شہید نے اپنی بلند پایہ تصنیف "التشریع الجنای فی الاسلام" میں بین الاقوامی قانون کے اسلامی نقطہ نظر کو پیش کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

> "ہم مسلمان بین الاقوامیت پر یقین رکھتے ہیں اور ہمارا قانون جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہر مسلمان پر لاگو ہوتا ہے وہ چاہے جہاں بھی اقامت پذیر ہوئی۔"
>
> اس قانون کی زد میں شاتم رسول رشدی براہ راست آتا ہے اس لئے اس کی حمایت میں بھارتی مضمون نویس وحیدالدین خاں کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ کہتے ہیں:
>
> "اس (اسلامی بین الاقوامی) کے حوالہ سے مضمون نگار (عبدالقادر عودہ شہید) نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ جمہور فقہا کے نزدیک اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے "قومی سرحدوں" کو کوئی اہمیت نہیں۔ سلمان رشدی اگر مسلم ملک سے باہر برطانیہ کا باشندہ ہے تب بھی وہاں جا کر اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور ایسا کرنا عین اسلامی ہو گا۔ مگر یہ ایک لغو بات ہے جس کا کوئی فقیہہ قائل نہیں۔" اللہ رے فقہانہ بصیرت!

غازی علم الدین شہید:

1926ء میں ایک مسلمان نوجوان نے سوامی شردھانند کو قتل کیا جس نے رنگیلا رسول ﷺ نامی کتاب لکھی تھی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اس کے خلاف زبردست

احتجاج کیا۔ اس کی بیوہ ماں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو خوشی خوشی اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ ناموس رسول کی حفاظت کرتے ہوئے رسول کریم ﷺ پر قربان ہو جائے مگر مولانا کی رائے میں: "ہوا یہ کہ ملک کی تاریخ میں اس (شردھانند) کو شہید کا مقام دیا گیا۔ حقیقت میں اس قسم کے کسی عمل کو ناموس رسول ﷺ نام پر بے فائدہ جان دینا تو کہہ سکتے ہیں مگر اس کو ناموس رسول ﷺ کی حفاظت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ قربانی نہیں نادانی ہے جس کا تعلق نہ عقل سے ہے نہ اسلام سے۔"

قدرت اللہ شہاب:

قدرت اللہ شہاب حکومت پاکستان کے اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں پاکستان کے ممتاز ادیبوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی سوانح عمری شہاب نامہ کو پاک و ہندوستان کے ادبی حلقوں میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی ہے انہوں نے شہاب نامہ میں اپنے بچپن کے ایک واقعہ کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ سے بے پناہ محبت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کی نفسیات کا تجزیہ کیا ہے:

> "رسول خدا ﷺ کے متعلق اگر کوئی بدزبانی کرے تو لوگ آپے سے باہر ہو جاتی ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے کی بازی لگا بیٹھے ہیں۔ اس میں اچھے، نیم اچھے یا برے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں بلکہ تجربہ تو یہی شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموس رسول ﷺ پر اپنی جان عزیز کو قربان کر دیا، ظاہری طور پر نہ تو وہ علم و فضل میں نمایاں تھے اور نہ زہد و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ ایک عامی مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شان رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد عقیدہ سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔ خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔"

مولوی صاحب موصوف نے قدرت اللہ شہاب کے مسلمانوں کی قومی نفسیات سے متعلق بیان کو درست کہا ہے اور ساتھ ہی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کا اس قسم کا جذبہ اور عقیدت گمراہی ہے۔ پھر یہ فتویٰ صادر کر دیا کہ قدرت اللہ شہاب اور یہ مسلمان

"بے دین" ہیں: "جو لوگ اس خوش عقیدگی میں جی رہے ہیں وہ قیامت کا انتظار کریں اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک نیا دین تھا جو انہوں نے گھڑ رکھا تھا۔" مگر حضرت کی اس خبر کے بعد تو قیامت سے پہلے ہی مسلمان قوم کو اپنا انجام معلوم ہو گیا۔

اب قیامت کے انتظار کی کیا ضرورت باقی رہی' خود قیامت اس "گمراہ"' "بے دین" قوم کے سامنے حضرت کی شبیہہ مبارک کی صورت میں موجود ہے۔

احمد دیدات اور بال ٹھاکرے:

احمد دیدات ہماری تنظیم ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کے لائف ممبر اور بین الاقوامی مسلمان شخصیت ہیں۔ انہوں نے مذاہب عالم کا گہرا تقابلی مطالعہ کیا ہے اور بلند پایہ خطیب بھی ہیں۔ اسلام کے مقابلہ میں انہوں نے دنیا کے تمام مذاہب کو چیلنج کیا ہے۔ انہوں نے اپنے انٹرویو میں ایک جملہ "اسلام کی موجودگی میں دوسرے ادیان کی ضرورت باقی نہیں رہی اور زور خطابت میں کہہ دیا کہ ان سب کو بل ڈوز کر دو۔" (Bulldoze Them All) اس پر مسلمان سامعین نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا جس پر مولوی وحید خان اپنا غصہ ضبط نہ کر سکے اور چیخ اٹھے اور احمد دیدات کا مقابلہ فرقہ پرست بھارتی لیڈر سے کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "احمد دیدات صاحب یا دوسری مقرروں کو اس قسم کے الفاظ مسلمانوں کو بہت اچھے لگتے ہیں۔ وہ ان پر تالیاں بجاتے ہیں۔ اگر یہی لفظ دوسرا شخص بولے تو وہ غصہ ہو جائیں گے۔ مثلاً ہندوستان میں بال ٹھاکرے اگر یہ کہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو بل ڈوز کر دو تو تمام مسلمان مشتعل ہو کر ہنگامہ کھڑا کر دیں گے۔ اسی قسم کا دو طرفہ معیار موجودہ امتحان کی دنیا میں ہرگز چلنے والا نہیں۔"

رشدی اور لیڈی ڈیانا:

وحیدالدین خاں اس دوہرے معیار کے بارے میں کیا ارشاد فرمائیں گے جو ان کی معیاری مملکت برطانیہ اور وہاں کے آزاد پریس کے رویہ سے پرنس ڈیانا کی حادثاتی موت پر رشدی کے ریمارکس کی وجہ سے دنیا کے سامنے آیا ہے۔ سارا برطانوی پریس رشدی کی اس بات پر کہ "بے قابو جنسی خواہشات نے لیڈی ڈیانا کو مار ڈالا۔" سخت غیض و غضب

کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ برطانیہ کے کثیر الاشاعت روزنامہ "ٹائمز" نے رشدی کے آرٹیکل کو شیطانی خیالات قرار دیا ہے۔ اس پر وہیں کے ایک ہفت روزہ رسالہ آؤٹ لک (Out Look) نے بڑا صحیح تبصرہ کیا ہے:

> رشدی نے جب برطانوی عوام کی محبوب شہزادی کے خلاف کوئی بات لکھی تو اس کے خلاف سخت غم و غصہ کا اظہار کر رہے ہیں۔ حالانکہ جب اس کی تحریر کردہ کتاب میں ان کے محبوب ترین پیغمبر ﷺ کی شان میں گستاخی کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے تھے اس وقت یہی برطانوی عوام (اور ان کے ایک ذہنی غلام وحیدالدین خاں) اور پریس آزادی تحریر اور آزادی اظہار خیال کے چیمپئن بنے بیٹھے تھے۔ مگر اب برطانوی عوام اور پریس کو معلوم ہوا ہے کہ رشدی واقعی شیطان ہے۔"

تاریخی شخصیت:

مولانا کو خبر نہ تھی کہ برطانوی عوام اور برطانیہ کا آزاد پریس اتنی جلد رشدی کے بارے میں پینترا بدلے گا جب کوئی ان کی پسندیدہ شخصیت پرنس ڈیانا کے متعلق سیکس کے حوالہ سے کوئی ایسی بات کرے جو انہیں ناپسند ہو تو وہ اسے ہیرو سے شیطان بنا دیں گے۔ حالانکہ مولانا نے رشدی کے لئے برٹش لاء اور بین الاقوامی قوانین کا تحفظ فراہم کرنے اور اسے دنیائے ادب کا ہیرو بنانے کے بعد اس کو تاریخ کی بڑی "نامور شخصیتوں" اور "شہیدان حق" کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے لکھا تھا: "تاریخ میں بہت سے سچے اور بڑے لوگ گزرے ہیں جن کو وقت کے ظالموں نے قتل کیا ہے۔ اس تاریخی پس منظر میں ایسا ہوتا ہے کہ لوگ مقتول کا رشتہ ان گزرے ہوئے لوگوں کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں اس کو ہیرو بنا دیتے ہیں۔ اس طرح مخالفین کے ہاتھوں سے قتل ہونا اس کو "شہیدان حق" کی فہرست میں شامل کر دیتا ہے۔"

آگے چل کر مولانا فرماتے ہیں: "یہ کوئی فرضی بات نہیں سلمان رشدی کے اعلان قتل کے بعد عملاً یہی بات پیش آئی ہے چنانچہ انہوں نے اس کی تائید میں ٹائمز آف انڈیا کا ایک مضمون ڈھونڈ نکالا ہے۔ اس مضمون میں رشدی کو تاریخ کی ان ہستیوں اور شخصیتوں

کے ہم پایہ قرار دیا ہے جن کو ان کے مخالفوں نے قتل کر دیا تھا یا قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مثلاً سقراط، مسیحؑ، گلیلو، مارٹن لوتھر وغیرہ۔ حتیٰ کہ خود پیغمبر اسلامؐ جن کو مکہ کے لوگوں نے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ گلیلو کو اپنی آخر عمر تک اپنے گھر کے اندر نظربند کر دیا گیا تھا۔ یہی مقدر رشدی کا آج ایک نئی صورت میں ہو سکتا ہے۔" ایسی بے ہودہ، احمقانہ اور شرانگیز باتیں وہی شخص کہہ سکتا اور لکھ سکتا ہے جس میں خیر اور شر کی تمیز باقی نہ رہی ہو۔

خیرِ اعلیٰ اور وحید الدین۔۔۔۔۔۔ یا للعجب!:

"آزادی فکر" اور "اظہار رائے کی آزادی" کو اس زمانہ کی سب سے بڑی قدر اور خیرِ اعلیٰ کا درجہ دے کر رشدی اور تمام گستاخانِ نبوت کے لئے ایسی کمین گاہیں تیار کی جا رہی ہیں جہان سے وہ آزادی کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ اور انبیائے کرام کی شان میں بے محابا دشنام طرازی کریں تاکہ دین و ایمان کی بنیادیں منہدم اور مسمار ہو کر رہ جائیں۔ "آزادی فکر" اور "آزادی اظہار رائے" کے بارے میں ہم وحید الدین ہی کے مغربی پیشوا اور رہنماؤں کے حوالہ سے تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں اور واضح کیا ہے کہ جس چیز کو وہ "آزادی فکر" اور "آزادی اظہار رائے" سمجھ رہے ہیں وہ اصل میں ذہنی انتشار اور نظم و ضبط سے عاری افکار ہیں جنہیں کوئی معاشرہ، کوئی جماعت اور کوئی ریاست اپنے آئین اور قانون میں جگہ دینے اور انہیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ "آزادی افکار" اور "آزادی اظہار رائے" کی طرح انہوں نے "خیرِ اعلیٰ" کو بھی غلط معنی پہنائے ہیں۔ اسلام میں انسان کو اپنی جبلت کے رجحانوں اور اپنے فکر و عمل پر قابو پائے اور ان کو احکام الٰہی کے تابع نظم و ضبط کا پابند کرنے کا نام "خیرِ اعلیٰ" ہے۔ یہی زمانہ کی نہیں بلکہ زندگی کی وہ سب سے بڑی قدر جو اللہ کے رسول ﷺ کی بدولت انسانیت کو نصیب ہوئی اس لئے وہ کائنات کی ایسی محبوب ترین ہستی ہیں جن کے نام و ناموس پر مسلمان اپنی ہر عزیز اور محبوب چیز کو قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اس کے نزدیک ان کی ذات گرامی ہی اصل دین اور عین ایمان ہے۔ کفر و دین کی اس حقیقت کو اقبال نے بڑے ہی بلیغ پیرایہ اظہار کے ذریعہ اپنے اس شعر میں نمایاں کیا ہے:

باب سوم

کتابیات

(۱) الرسالہ . جون ۱۹۸۹ء

(۲) الرسالہ : جولائی ۱۹۸۹ء

(۳) الرسالہ : جون ۱۹۸۹ء

(۴) ایضاً

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً

(۷) الفقہ المیسر فی العبادات والمعاملات

(۸) امین احسن اصلاحی: تدبر القرآن جلد اول

(۹) قاضی ثناء اللہ پانی پتی: تفسیر مظہری

(۱۰) مدارک التنزیل

(۱۱) ابن حیان : البحرالمحیط

(۱۲) علامہ آلوسی : روح المعانی

(۱۳) فتح الباری : کتاب المغازی

(۱۴) ابن ہشام ۴ : ۲۸۵

(۱۵) ابن ہشام ۴ : ۲۸۶

(۱۶) حیاۃ الصحابہ جلد دوم، صفحہ: ۳۵۱

(۱۷) دار قطنی و بیہقی

(۱۸) طحاوی : کتاب السیر

(۱۹) شرائع الاسلام ص: ۳۵۱

(باب چہارم)

اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ارتداد

اس باب کا ابتدائی حصہ 27 رمضان المبارک 1412 ہجری' مطابق 30 مارچ 1992ء کی شب مبارکہ اصحاب الصفہ کے حصار قدس میں آرام گاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواجہ لکھا گیا۔

توہین و تنقیص رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت' قرآن و سنت اور آثار خلفائے راشدین وائمہ مطہرین' اجتہاد ائمہ فقہ اور علمائے امت کی متفقہ رائے کی رو سے ثابت ہے۔ مجرم خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم' مرد ہو یا عورت' اس کو سزائے موت بطور حد دی جائے گی۔ البتہ اگر ایک مسلمان اس جرم کا ارتکاب کرے' وہ توہین رسالت کے علاوہ بوجہ ارتداد بھی قابل مواخذہ اور مستوجب سزائے موت ہے۔ ارتداد کی سزا بھی بطور حد سزائے موت ہی ہے۔

غیر منقسم ہندوستان میں مسئلہ ارتداد اس وقت بڑے زور و شور سے اٹھا تھا جب حکومت افغانستان نے ایک قادیانی مبلغ کو بربنائے ارتداد سزائے موت دے کر سنگسار کر دیا۔ پاکستان میں بھی یہ مسئلہ شروع ہی سے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ اس مسئلہ پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ مرتد کی سزا بطور حد سزائے موت ہے۔ لیکن ملک عزیز کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو یورپ اور اس کے افکار سے مرعوب ہے' اس بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہے اور بعض تو ارتداد کی سزا کا سرے سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ردۃ یا ارتداد گناہ ضرور ہے لیکن ایسا گناہ نہیں جو مستوجب حد یا لائق تعزیر ہو پاکستان کی سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس جناب ایس۔ اے رحمان کا بھی یہی نقطہ نظر تھا۔ جناب ایس۔ اے رحمان کا عدل و قانون سے براہ راست تعلق رہا ہے۔ اس کے علاوہ شعرو ادب کے بھی بڑے پارکھ تھے۔ علوم جدید پر ان کی بڑی گہری نظر تھی اور ساتھ ہی انہوں نے اسلامی علوم کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ راقم الحروف کی ان سے جب بھی گفتگو

ہوئی ہے یہی محسوس ہوا کہ وہ اسلام کے لیے ایک دردمند دل رکھتے ہیں لاہور کی سیرت کانفرنس جس میں راقم الحروف بھی بطور مہمان مقرر مدعو تھا اور وہ بطور صدر مجلس شریک تھے' ان کے آخری لحات تک میں ہی ان کے ساتھ رہا ہوں۔ اس کانفرنس میں نماز عصر کے وقفہ کے دوران وہ باوضو ہو کر میرے ساتھ شریک جماعت ہونے کے لئے آئے اور دل کا جان لیوا دورہ پڑنے تک وہ مجھ سے اسلامی شعائر کے بارے میں گفتگو فرماتے رہے۔

ان کے قانونی مقام و مرتبہ اور اسلام سے ان کی شیفتگی کے باوجود مجھے ان سے نظریاتی اختلاف رہا ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ اسلامی قانون کو دور جدید کی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے اور اسے موجودہ احوال و ظروف میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ مسئلہ ارتداد پر بھی انہوں نے اسی نقطہ نظر سے انگریزی میں ایک کتاب "ارتداد کی سزا اسلام میں" (Punishment of Apostacy in Islam) لکھی ہے' جسے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل Apology for Islam یا اسلام کے احکام کی معذرت خواہانہ تاویل ہے۔ ارتداد کے بارے میں ان کی یہ رائے کہ سرے سے یہ کوئی جرم ہی نہیں' اس لیے مرتد مستحق سزا نہیں اور ارتداد کی سزا قرآن و سنت کے منافی ہے' اس کے لیے انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی جو تاویلات پیش کی ہیں' ان پر مولانا روم کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یہ مسئلہ فیڈرل شریعت کورٹ میں توہین رسالت کے مقدمہ کی سماعت کے دوران زیر بحث آیا تھا۔ جس پر تفصیلی بحث ہوئی۔

ان تفصیلی مباحث میں جانے کی بجائے ہم یہاں اس مسئلہ کا قرآن و سنت اور اجماع امت کے فیصلوں کی روشنی میں اختصار سے جائزہ لیں گے کیونکہ قبل ازیں ان ہی منابع سے خوشہ چینی کے بعد توہین رسالت کے بارے جس میں ارتداد بھی شامل ہے کافی مواد صفحہ قرطاس پر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ اس کی تائید میں چند ضروری نکات موجودہ نظریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نذر قارئین کیے جائیں گے' تاکہ ارتداد کی سزا کے بارے میں بھی یہ غلط فہمی باقی نہ رہے کہ یہ سزا غیر انسانی اور حکمت قرآنی کے خلاف ہے۔

ارتداد کا قرآنی اور آئینی مفہوم:

دین اسلام دیگر ادیان عالم سے مختلف دین ہے۔ یہ صرف فرد اور خدا کے درمیان کوئی پرائیویٹ معاملہ نہیں جیسا کہ یورپ گزیدہ ذہن کا تصور ہے جو عیسائی عقیدہ پر مبنی ہے۔ اسلام میں عیسائی عقیدہ کی طرح خدا اور قیصر (انجیل کی اصطلاح میں) حکمراں یا حکومت کے درمیان کوئی ایسا سمجھوتہ یا راضی نامہ نہیں' جس کے ذریعہ خدا اور قیصر نے اپنے اپنے حقوق آپس میں بانٹ لیے ہیں کہ خدا کی بادشاہت آسمان پر اور قیصر کی حکومت زمین پر ہو گی۔ اس کے بعد انہیں ایک دوسرے کے حقوق میں دخل اندازی کا کوئی اختیار باقی نہیں رہا۔ اسی بنیاد پر یورپ میں سیاست کو مذہب سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس کے برعکس اسلام میں قیصریت یا پاپائیت کا کوئی وجود نہیں۔ یہاں حکمرانی کے سارے اختیارات ذات باری تعالیٰ میں مرتکز ہیں اور اس کے اقتدار اعلیٰ اور حکومت میں اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں۔ اس لیے قرآن نے ساری دنیا کے سامنے اس اصل عظیم کا اعلان کیا۔

ان الحکم الا لله لم یکن له شریك فی الملك۔

"دیکھو کسی کا حکم نہیں سوائے اللہ کے۔ حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔"

اس کے علاوہ اسلام عیسائیت کی طرح آئین و قانون سے تہی دامن بھی نہیں۔ اس کا اپنا مکمل نظام' جو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اور ریاست اور سیاست کی رہنمائی کے لیے بھی موجود ہے' اسلام میں حق سبحانہ تعالیٰ کی حاکیت اعلیٰ کے ساتھ اقرار رسالت کا عقیدہ ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے۔ دین حق کی شرط اول ہی کلمہ طیبہ لا اله الا الله محمد رسول الله ہے۔ یہ وہ عہد و پیان ہے جس کے ذریعہ بندہ اس کائنات میں اللہ کے اقتدار اور حاکیت اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے پیغمبر اعظم و آخر کی اطاعت کا اعلان و اقرار کرتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص کسی اسلامی مملکت میں رہتے ہوئے رب ذوالجلال کی حاکیت اعلیٰ کو تسلیم کرنے سے انکار کردے اور ذات ختمی مرتبت جو خلیفۃ اللہ فی الارض اور بذات خود سرچشمہ آئین و قانون ہے' کی رسالت سے منحرف ہو جائے اور ان کی ذات گرامی کو ہدف تنقیص و استہزا بنائے' تو یہ نہ صرف اس مملکت کے ساتھ بلکہ پوری امت مسلمہ اور خود اسلام کے ساتھ غداری ہے' جو نہایت سنگین اور

ناقابلِ معافی جرم ہے۔

آئینی ریاست:

ایک عام ریاست میں بھی کسی شہری کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آئین مملکت سے عہد وفاداری استوار کرنے کے بعد اس کو توڑ ڈالے' یا اس کی آئین و قانون اور اس کے تحت قائم ہونے والی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ ایسے شخص کو ہماری مروجہ اصطلاح میں غدار کہا جاتا ہے اور اس کو اس جرم کی پاداش میں سزائے موت ہی دی جاتی ہے۔ آئین پاکستان کی رو سے ایسا جرم کھلی بغاوت اور غداری (High Treason) ہے یہی قانون دنیا کے سارے ملکوں میں نافذ العمل ہے۔ خواہ وہ جمہوری ہوں یا اشتراکی۔

ارتداد کی سزا:

جب یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ذات مصطفوی ہی سراپا دین ہے' جس کو اقبالؒ نے زبان شعر میں اس طرح بیان کیا ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

(اقبال)

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد سرکار رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی ان کی جناب میں توہین یا تنقیص دین متین سے "انحراف" اور "ارتداد" ہے' اس لیے مرتد کو بھی سزائے موت بطور حد دی جائے گی۔ کیونکہ حضور ﷺ کی رسالت سے انحراف اور آپ ﷺ کی اطاعت سے انکار' اصل میں حق سبحانہ تعالیٰ کی اطاعت سے انکار ہے۔ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حاکیت اعلیٰ کو تسلیم کرکے اقرار رسالت کے بعد اسلام کی عالمی ریاست کا شہری بن جائے' تو پھر اس کے بعد اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس ریاست کے حاکم مطلق اور اس کائنات میں اس کے نائب اعلیٰ کی اطاعت سے انکار کرے۔ یہ دراصل اعلان بغاوت ہے' اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جس کی پاداش میں وہ نہ صرف ان تمام شہری حقوق سے محروم ہو جائے گا' جو اسلام کی بدولت اسے حاصل ہوئے تھے بلکہ اسلامی حد کے مطابق وہ سزائے موت کا مستحق ہوگا۔

مرتد کے بارے میں قرآن کا اعلان:

مرتد کی سزائے موت کے ثبوت میں سورۂ احزاب کی آیت 57 اور سورہ انفال کی آیت 13 توہین رسالت کی سزا اور اللہ کے فرستادہ پیغمبر کے ساتھ استہزاء کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور جو کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے اس کی معذرت بھی قابل قبول نہیں۔ اس لئے فرمایا:

"قل ابا للہ وایتہ ورسولہ کنتم تستہزئونO لا تعتذروا قد کفر تم بعد ایمانکم ان نعف عن طائفۃ منکم نعذب طائفۃ بانہم کانوا مجرمینO (سورۂ توبہ 65-66)

ترجمہ: ان سے کہہ دو "کیا تمہاری ہنسی دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ ہی کے ساتھ تھی۔ اب عذرات نہ پیش کرو۔ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیا تو دوسرے گروہ کو ضرور سزا دیں گے کیونکہ (اصل میں) وہ ہی مجرم ہے۔"

اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت 89 میں بھی یہی وعید آئی ہے۔ فرمایا:

ان الذین کفروا بعد ایمانہم ثم ازدادو کفرا لن تقبل توبتہم واولئك ہم الضالونO (سورۂ آل عمران' آیت 89)

"مگر جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے ان کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی۔ ایسے لوگ تو پکے گمراہ ہیں۔"

وہ لوگ جو حصار دین میں داخل ہونے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹ جائیں ان کے لیے دنیا میں عذاب کے علاوہ بارگاہ الٰہی میں بھی در توبہ باز نہیں ہوگا اور ان کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ منزل کا چراغ روشن ہو جانے کے بعد انہوں نے خود ہی اپنی آنکھیں موند لیں اور اپنے آپ کو گمراہی میں مبتلا کرلیا' اس لیے ان کا جرم ناقابل معافی ہے۔

سورۂ توبہ میں تو مرتدین سے عہد شکنی کی بنا پر ان کے ساتھ جنگ کا حکم دیا گیا:

"وان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون"O
(سورۂ توبہ' آیت 12)

ترجمہ: "اگر عہد کرنے کے بعد پھر یہ اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین پر حملہ کرنے شروع کر دیں' تو ان کفر کے علم برداروں سے جنگ کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ شاید کہ وہ باز آجائیں۔"

صاحب روح المعانی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ائمہ کفار کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ ان کا قتل سب سے زیادہ ضروری تھا یہ مطلب نہیں کہ غیرائمہ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

یہ وہ عہد و پیمان تھا جو حامیان کفر نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اسلام قبول کرکے کیا تھا۔ پھر کفر اختیار کرکے اپنے قول وقسم سے منحرف ہو گئے تو ایسے لوگوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے قتال کا حکم دیا گیا۔

احکام الحدیث:

سرکار رسالت مآب ﷺ نے وحی الٰہی کے مطابق مرتد کو سزائے موت کا حکم دیا ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے من بدل دینه فاقتلوه جو شخص اپنا دین (یعنی دین اسلام کیونکہ خود اللہ نے اسلام ہی کو دین کہا ہے۔ ان الدین عند الله الاسلام تبدیل کرے اسے قتل کیا جائے۔ یہ حدیث حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ ' حضرت معاذ بن جبلؓ ' حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ' حضرت خالد بن ولیدؓ اور دوسرے اصحاب رسولؓ نے روایت کی ہے۔ بخاری' مسند احمد اور کنزالعمال میں یہ حدیث موجود ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کسی مسلمان کا خون جائز نہیں جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں' سوائے ان تین جرائم کے جان کے بدلہ میں جان' شادی شدہ ہوکر زنا کرے' اپنے دین کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔ یہ حدیث ابو داؤد کی کتاب

الحدود باب فی الحکم من ارتد کے علاوہ بخاری اور ابن ماجہ میں بھی موجود ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں مرتد کو سزائے موت دی گئی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو آنحضور ﷺ نے عہدہ قضاہ پر مامور فرما کر یمن بھیجا۔ یہ وہی معاذؓ ہیں جن کی بوقت روانگی حضور ﷺ سے شرف تکلم کی بدولت امت پر اجتہاد کے دروازے کھلے اور جو مجتہد دربار نبوت ہیں۔ یمن میں حضرت معاذؓ کی آمد سے قبل حضرت ابو موسیٰؓ وہاں کی عدلیہ کے سربراہ تھے۔ جب جناب معاذؓ ان کے پاس یمن پہنچے تو دیکھا کہ ایک مجرم ان کی عدالت میں پیش کیا گیا ہے۔ جناب معاذؓ اس وقت اپنے مرکب پر سوار تھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے انہیں شریک اجلاس ہونے کی دعوت دی۔ انہوں نے مجرم کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ کون شخص ہے؟ انہیں بتلایا گیا کہ پہلے یہ شخص یہودی تھا' پھر اس نے اسلام قبول کیا' اس کے بعد دین سے منحرف ہو کر دوبارہ یہودی ہو گیا ہے' ملزم نے عدالت میں اقبال جرم کیا ہے۔ اس پر حضرت معاذؓ نے فرمایا "اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے کہ یہ واجب القتل ہے" اور حکم دیا کہ اسی وقت قتل کر دیا جائے۔ اس فیصلہ پر عمل درآمد ہونے کے بعد وہ اپنی سواری سے اترے۔

اس تمام کارروائی میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ مرتد کو توبہ کا موقع دیا گیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمال کی کارروائیوں کی رپورٹ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی جاتی تھی لیکن کہیں ہمیں اس بات کا تذکرہ نہیں ملتا کہ سرور عالم ﷺ نے حضرت معاذؓ کے اس فیصلہ کو غلط اور ناجائز قرار دیا تھا۔ اس واقعہ کو بخاری' نسائی اور ابو داؤد نے "حکم المرتد" میں بیان کیا ہے۔

ابو امامہ بن سہیل بن حنیف سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کو باغیوں نے گھیر لیا تو وہ چھت پر برآمد ہوئے اور ان کی باتوں کو بڑے صبر و تحمل سے سنتے رہے۔ پھر باغیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: "مجھے قتل کی دھمکی دی گئی ہے لیکن یہ دھمکی مجھے کیوں دی جا رہی ہے حالانکہ میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے' آپ نے فرمایا تھا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں سوائے ان تین باتوں کے۔ ایک وہ جو شادی شدہ ہو کر زنا کرے' پس وہ سنگسار کیا جائے۔ دوسرا وہ جو کسی کو ناحق قتل کرے۔ تیسرا وہ جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے۔ خدا کی قسم میں نے زندگی میں کبھی زنا نہیں کیا' نہ ہی جہالت کے زمانہ میں اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد' نہ میں نے کسی مسلمان کا قتل کیا ہے اور نہ ہی میں اسلام لانے

کے بعد مرتد ہوا ہوں۔" مجمع سے کسی شخص نے بھی اس حدیث رسول سے انکار نہیں کیا اور نہ ہی کسی نے حضرت عثمانؓ کی ان باتوں کی تردید کی۔ ان کے مطالبات کچھ اور تھے' جس میں یہودی سازش کا پوشیدہ ہاتھ کار فرما تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے' فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے اس کے کہ اس نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کیا ہو یا مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کیا ہو یا اس نے کسی کی جان لی ہو۔ (نسائی)

فلا وربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما
(سورۂ نساء آیت 65)

ترجمہ: (اے نبی) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا تسلیم نہ کرلیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے سربسر تسلیم کرلیں۔"

اس آیہ مبارکہ کی شان نزول کے بارے میں ثعلبی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ منافقین میں سے ایک شخص' جس کا نام بشر تھا' کسی یہودی سے تنازعہ ہوگیا۔ یہودی نے کہا کہ حضور ﷺ کی عدالت میں یہ معاملہ پیش کریں (کیونکہ وہ جانتا تھا کہ حضور جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ برحق ہوگا لیکن منافق کو اپنے مقدمہ کی کمزوری کا علم تھا) منافق نے کہا نہیں اس معاملہ کو کعب بن اشرف (جو یہودیوں کا سردار تھا اور دوسرے یہودی سرداروں کی طرح رشوت اور سفارش لے کر فیصلہ کیا کرتا تھا) سے یہ معاملہ طے کرائیں گے۔ لیکن بالاخر یہ تنازعہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ یہودی حق پر تھا اس لیے حضور ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں کردیا۔ (لیکن وہ منافق اس پر راضی نہ ہوا) اس لیے اس منافق نے اس کا فیصلہ کرانے کے لیے حضرت عمرؓ کا نام تجویز کیا۔ جب یہ معاملہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو یہودی نے سارا واقعہ انہیں بتلا دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس منافق سے اس کی تصدیق کرلی تو آپ کچھ دیر کے لیے گھر کے اندر چلے گئے اور وہاں سے تلوار لے کر برآمد ہوئے اور اس بدبخت کا سر قلم کردیا اور فرمایا ھکذا اقضی لمن لم یرض بقضاء اللہ تعالٰی ورسولہ "جو اللہ اور

اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو' اس کا یہی فیصلہ ہے۔"

علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں اس فیصلہ اور ان روایات کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ پر بارگاہ الٰہی سے انہیں "فاروق" یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والا خطاب ملا تھا۔ اس آیت مبارکہ اور اس کی شان نزول سے یہ واضح ہوگیا کہ آپ کے فیصلہ سے انکار اور اس سے سرتابی بظاہر اسلام لانے والوں کی حقیقت ظاہر کر دیتی ہے۔ چونکہ یہ سرتابی آپ ﷺ کی شان عظمت کے منافی اور تنقیص رسالت کا باعث تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے اس کو قتل کر دیا اور اسے توبہ کا موقع بھی نہیں دیا۔

جب یہ معاملہ حضور ﷺ کی عدالت میں وارثان مقتول کی جانب سے پیش ہوا تو آپ نے حضرت عمر کے فیصلہ کی توثیق فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا "اس کا خون رائیگاں گیا۔" یعنی وارثان مقتول قصاص یا دیت کے مستحق نہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل اس لیے بیان کی گئی ہے تاکہ یہ نکتہ واضح ہو جائے کہ جس ارتداد میں اہانت رسول ﷺ شامل ہو جائے وہاں توبہ کا موقع بھی باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ مرتد کو توبہ قبل از گرفتاری پر رجوع الی الاسلام کا موقع دینا چاہیے۔

بعض علماء کا موقف ہے کہ حضور ﷺ نے مرتد اور گستاخ رسالت کو حضرت عثمان کی سفارش پر معاف فرماتے ہوئے اس سے بیعت لی تھی اور یہ موقف فیڈرل شریعت کورٹ میں پیش کیا گیا تھا۔ لیکن اس حدیث کے پورے متن کو دیکھا جائے تو یہ موقف درست نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے ہم نے اس حدیث مبارک کا پورا متن کورٹ میں پیش کیا تھا عدالت نے ہمارے موقف سے اتفاق کیا ہے۔

یہ حدیث عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں ہے جو سنن ابو داؤد کے باب "الحکم فی من ارتد" میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے۔ یہ عبداللہ بن ابی سرح وہ شخص ہے جو کسی زمانے میں آنحضرت ﷺ کا کاتب رہا تھا۔ بعد میں گمراہ ہو کر مرتد ہوگیا اور مکہ چلا گیا اور وہاں کافروں سے مل گیا اور پھر حضور ﷺ سے ایسی غلط اور لغو باتیں منسوب کیں، جس سے شان رسالت ﷺ کی صریحاً تنقیص ہوتی تھی۔ اس لیے فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے جن دشمنان اسلام کے قتل کا حکم دیا تھا ان میں یہ بھی شامل تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی زبانی سنئے:

"لما کان یوم فتح مکة اختبا عبداللہ ابن سعد ابی

سرح عند عثمانؓ بن عفان فجابه حتی اوقفه علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ بایع عبداللہ فرفع راسہ فنظر الیہ ثلاثا کل ذلك یابی فبایعہ بعد ثلث ثم اقبل علی اصحابہ فقال اما فیکم رجل رشید یقوم الی ھذا حین رآنی کففت یدی عن بیعتہ فیقتلہ فقالوا ماندری یارسول اللہ مافی نفسك الا اومات الینا بعینك قال انہ لا ینبغی لنبی ان تکون لہ خائنة الاعین"

(سنن ابوداؤد باب الحکم فی من ارتد)

"جب مکہ فتح ہوا تو عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح (حضرت) عثمانؓ کی پناہ میں آگیا۔ (حضرت) عثمانؓ اسے لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اس کی بیعت قبول فرمالیں مگر حضور ﷺ یہ بات سن کر خاموش ہوگئے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے دوبارہ اور تیسری مرتبہ یہی درخواست کی اور تینوں مرتبہ حضرت نبی کرم ﷺ نے اس سے بیعت نہیں لی' صرف آپ اس کی طرف دیکھتے اور خاموشی اختیار فرمالیتے۔ تیسری مرتبہ کے بعد بھی جب حضرت عثمانؓ نے آپ کی خدمت میں یہی درخواست کی تب آپ ﷺ نے اس سے بیعت لی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا' کیا تم میں کوئی ایسا سلیم العقل آدمی موجود نہیں جو اٹھ کر اسے قتل کردیتا جبکہ میں اس کی بیعت نہیں لے رہا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا' یارسول اللہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ بیعت نہ لینے سے آپ کا منشا کیا ہے۔ آپ صرف آنکھ سے اشارہ فرمادیتے۔ جس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' یہ بات نبی ﷺ کو زیب نہیں دیتی کہ وہ آنکھوں سے مخفی اشارے کرے۔"

اس حدیث سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گستاخ رسول' واجب القتل ہوتا ہے اور حضور چاہتے تھے کہ اسے قتل کردیا جائے لیکن آپ ﷺ نے اپنے عفو کریمانہ سے اسے معاف فرمادیا کیونکہ یہ آپ کا ذاتی

حق تھا لیکن اسی وقت آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمادیا کہ ان میں سے کوئی اٹھ کر اس کے سنگین اور گھناؤ نے جرم کی اسے سزا دیتا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ امت کے ہر فرد پر یہ واجب ہے کہ کوئی اگر آپ ﷺ کی جناب میں گستاخی کرے تو اسے کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور امت کو یہ حق نہیں کہ اسے معاف کیا جائے یا اس کی توبہ قبول کی جائے۔ کیونکہ توہین رسالت کا جرم ساری امت مسلمہ کے خلاف سنگین اور ناقابل معافی جرم ہے' جس کی سزا صرف اور صرف سزائے موت ہے۔

ارتداد کے بارے میں خلیفۃ الرسول کا فیصلہ:

جب نبی کریم ﷺ نے اس جہان فانی سے پردہ فرمالیا تو وہ قبائل عرب جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کے دلوں میں مال و منال کی محبت ابھی دور نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے اسلام کے دوسرے ارا کین پر کاربند رہتے ہوئے زکوٰۃ سے وہ اپنے آپ کو مستثنیٰ رکھنا چاہتے تھے۔ مدینہ کے نواحی قبائل عبس اور ذبیان بھی منکرین زکوٰۃ میں شامل ہوگئے۔

حضور اکرم ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں جناب اسامہؓ کو شام کی سرحد پر رومیوں سے جنگ کے لیے روانگی کا حکم دیا تھا۔ اثنائے راہ میں انہیں حضور علیہ الصلوہ والسلام کی وفات کی خبر ملی تو وہ مدینہ واپس آگئے لیکن حضور ﷺ نے چونکہ انہیں امیر لشکر بنا کر روانہ فرمایا تھا' آزاد کردہ غلام کے بیٹے کو سردار ان عرب کا امیر مقرر فرماکر آنحضور ﷺ نے مساوات انسانی کا اعلیٰ ترین نمونہ دنیا کو دکھلا دیا تھا حضرت صدیق اکبرؓ منشائے رسالت سے سرمو انحراف کرنا نہیں چاہتے تھے' اس لیے آپ نے اس مہم پر جناب اسامہؓ ہی کو روانہ کردیا۔ اس وقت اسلامی حکومت کے دارالخلافہ مدینہ میں اتنی فوج نہیں رہ گئی تھی' جو مرتدین کے لئے اور مانعین زکوٰۃ کو ادائے زکوٰۃ پر مجبور کرنے کے لیے کافی ہو۔ اس لیے جب یہ مسئلہ صحابہ کرام کی مجلس شوریٰ میں پیش ہوا' جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے جو اس وقت منکرین زکوٰۃ کے خلاف جنگ کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن ان سب سے اختلاف کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا:

واللہ لا قتلن من فرق بین الصلٰوۃ والزکٰوۃ۔

"واللہ جو صلوٰۃ اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا' میں اس کے خلاف ضرور جنگ کروں گا۔"

اس طرح خلیفہ اول نے اسلام میں اس رخنہ کو جو دین و دنیا میں تفریق کرنے کا باعث تھا' ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ اور یہ واضح کر دیا کہ اسلام کے کسی ایک رکن سے انکار بھی چاہے وہ دنیوی امور ہی سے کیوں نہ متعلق ہو' اسلام سے انکار اور ارتداد ہے۔ اس لیے آپ نے دیگر مرتدین اسلام کے ساتھ منکرین زکوٰۃ کو بھی مرتد قرار دے کر ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا' جس سے تمام صحابہ نے اتفاق کیا۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا' اللہ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے لیے ابو بکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا ہے اور حق وہی ہے جس کا اعلان ابو بکرؓ نے کیا ہے۔" اس کے بعد خلیفہ مسلمین نے عکرمہ بن ابی جہل کو مرتدین کے خلاف جہاد کے لیے روانہ کرتے ہوئے حکم دیا کہ عمان سے حضر موت اور یمن تک جہاں بھی مرتدین کو پاؤ' ان کی سرکوبی کر کے انہیں کچل دیا جائے۔

حضرت ابو بکرؓ کے اس فیصلہ سے کسی صحابی رسول نے اختلاف نہیں کیا کہ مرتدین واجب القتل ہیں اور وہ بھی ایسی کٹھن آزمائش کے وقت جبکہ اسلامی فوج سرحد شام بھیجی جا چکی تھی۔ مرتدین سے مصالحت کی تجویز رد کر دی گئی بلکہ اتفاق رائے سی یہ طے پایا کہ ان کے خلاف جنگ کر کے اس عظیم فتنہ کو ختم کیا جائے۔ چونکہ یہ فیصلہ احکام الٰہی اور منشاء نبوت کے عین مطابق تھا اس لیے حق تعالیٰ نے فتنہ ارتدار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔ اور یہ حضرت صدیق اکبرؓ کا ایسا کارنامہ ہے جس نے نبوت کے بعد خلافت کے ذریعہ اسلام کو استحکام سے ہمکنار کیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد تینوں خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی مرتد کو سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تو ان لوگوں کو زندہ نذر آتش کر دیا تھا جو توحید سے منحرف ہو کر خود حضرت علیؓ کو اپنا رب مانتے تھے۔ البتہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ اسلام سے انحراف کرنے والوں کو قتل سے پہلے' رجوع الی الاسلام کی دعوت دی جائے۔ مگر ان ہی کے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس کو ضروری نہ سمجھا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے بھی جو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں کوفہ کے چیف جسٹس

تھے ابن النواحہ کو ارتداد کی وجہ سے سزائے موت اسی وقت دے دی تھی جب اسے گرفتار کرکے آپ کے سامنے لایا گیا تھا اور اس کا سابقہ ریکارڈ آپ کے پاس موجود تھا' اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے۔ لیکن گستاخ رسول کے بارے میں معافی یا توبہ کی کوئی نظیر ہمیں اسلامی دور حکومت میں نہیں ملتی۔ خود حضرت عمرؓ نے دور رسالت میں یہ معلوم ہوتے ہی بشر کا سر قلم کردیا جو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرتے ہوئے اس پر نظر ثانی کے لیے ان کی عدالت میں آیا تھا۔

مرتد کی سزا یہودی اور مسیحی قانون میں:

صرف اسلام ہی میں نہیں بلکہ یہودیت اور عیسائیت میں بھی ارتداد کی سزا قتل ہے۔ احکام توراۃ باب استثنا13:6-10 میں یہ واضح حکم ہے کہ ماں' باپ' بیٹا' بیٹی یا بیوی اور دوست جو بھی دین سے بغاوت پر آمادہ کرے اسے قتل یا سنگسار کردیا جائے۔

انگلستان میں ایک پادری جو یہودی عورت سے شادی کرکے دین مسیحی سے منحرف ہوگیا تھا اسے اکسفورڈ میں 17اپریل 1232ء میں زندہ جلا دیا گیا تھا۔

(ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد-6)

مرتد رسالت کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کا نظریہ اور سفارش

ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کی تحریک پر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کے سینئر ممبر اور سابق اٹارنی جنرل پاکستان جناب شیخ غیاث محمد مرحوم نے گستاخ رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں کونسل میں ایک قرارداد پیش کی' جسے کونسل نے متفقہ طور پر منظور کر کے حکومت پاکستان کو عمل درآمد کے لیے بھیج دیا تھا' جس کا متن حسب ذیل ہے:

سزائے شتم رسول ﷺ:

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنے بیسویں اجلاس منعقدہ کیم جنوری 1984ء مسودۂ قانون ارتداد کی تالیف کے سلسلہ میں یہ محسوس کیا کہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی موجب ارتداد ہے۔ لہٰذا اس کے ارتکاب پر سخت سزا دی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں باتفاق رائے مندرجہ ذیل سفارش کی گئی:

"جو کوئی شخص دانستہ ایسا کلام یا ایسی حرکت کرے گا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ آنحضرت ﷺ کی شان کے بارے میں اہانت آمیز ہو یا اہانت کی طرف مائل ہو یا سوء ادبی ظاہر کرتی ہو' مستوجب سزائے موت ہوگا۔ الا یہ ثابت کرنا کہ اس کی طرف سے دانستہ ایسی حرکت نہیں کی گئی یا کلام نہیں کیا گیا' اس کا بار ثبوت ملزم پر ہوگا۔"

نیز کونسل نے طے کیا کہ اس سفارش کو قانون ارتداد میں شامل کرنے کی بجائے اس کا تعزیرات پاکستان میں اضافہ کیا جائے۔

کونسل نے ارتداد بوجہ اہانت رسول ﷺ کی سزائے موت کے ثبوت میں قرآن مجید اور فقہا کی آراء کے حوالے دیے ہیں' جو درج ذیل ہیں:

امام کاسانی نے لکھا ہے کہ

"کلمہ کفر کا زبان پر جاری کرنا ارتداد کا رکن ہوگا۔ چنانچہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہے' اس کے بارے میں فقہا کبار کا اتفاق ہے کہ وہ

کفر کا مرتکب ہوا۔ خواہ اس نے مزاح یا استہزاء کے طور پر ایسا کیا ہو۔
اس کی دلیل میں سورۂ التوبہ کی آیات 66:65 کا حوالہ دیا ہے:

"اور اگر کوئی ان سے پوچھے تو کہہ دیں گے ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا اللہ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ٹھٹھا کرتے تھے۔ تم اب یہ (بیہودہ) عذر مت کرو۔ تم اپنے آپ کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے۔" (سورۂ توبہ' 65-66)

بعض فقہا نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے والا قتل کیا جائے ا۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ نیز حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو برا کہنے والے کے بارے میں فقہا کا اتفاق ہے کہ ایسا شخص واجب القتل ہے۔ امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "الصارم المسلول" میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس پر بحث کی ہے۔ واقعہ منقول ہے کہ ایک نصرانی نے رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا۔ ابن تیمیہ اپنی تلوار لے کر اس کے پیچھے دوڑے تا آنکہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس موضوع پر شافعی فقیہہ تقی الدین السبکی نے بھی ایک کتاب لکھی ہے اور اس کا نام " السیف المسلول علی من سب الرسول" ہے اور رسول اللہ کو برا بھلا کہنے والے کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ امام ابن حزم بھی ایسے شخص کو مرتد قرار دیتے ہیں اور اس پر مرتد کا حکم مرتب کرتے ہیں۔ البتہ علماء نے اس مسئلہ میں یہ بیان کیا ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ وہ سب و شتم کے کلمات کہنے والے کے حالت پر غایر نظر سے غور کرے اور صورت حال کا جائزہ لے کر فیصلہ کردے۔ ساتھ ہی یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ کلمات کس درجہ کے ہیں۔ نیز یہ کہ کہنے والا دینی حمایت میں کس درجہ متہم ہے۔ نیز یہ کہ کیا اس سے بھول سے یا زبان کی لغزش سرزد ہوئی ہے۔

واضح ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو سب و شتم کرنے والے کا قتل کفراً نہیں ہے بلکہ حداً اور تعزیراً ہے۔ (رد المختار)

نوٹ: اسلامی نظریاتی کونسل نے اہانت رسول ﷺ کو صرف بوجہ ارتداد مستوجب سزا قرار دیا ہے جو قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی رو سے درست نہیں۔ جس کا ہم نے گزشتہ بواب میں تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ یہ درست ہے کہ توہین رسالت کی وجہ سے ایک مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو جاتا ہے لیکن صرف اس طرح ارتداد کو

بنائے سزا قرار دیا جائے تو پھر غیر مسلم جو اہانت رسول ﷺ کے مرتکب ہوں ان پر یہ سزا لاگو نہیں ہو گی۔ یہ قرآن اور سنت کا منشا نہیں کیونکہ اہانت رسول ﷺ کے مرتکب کو، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مرد ہو یا عورت، سب کو بطور حد سزا دی جائے گی۔ جس طرح حدود کی سزا سب پر یکساں طور پر لاگو ہوتی ہے۔

شاتم رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں "الصارم المسلول" کا حوالہ دیتے ہوئے کونسل نے امام ابن تیمیہ سے ایک واقعہ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے ایک عیسائی کا، جس نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی، سرتن سے جدا کر دیا تھا۔ اسی طرح مولانا عبدالقادر آزاد، صدر علماء کونسل خطیب شاہی مسجد لاہور نے بھی توہین رسالت کے مقدمہ کے دوران سماعت اسی واقعہ کو بیان کیا تھا اور اس کو "الصارم المسلول" کی وجہ تصنیف بتلایا تھا، جس کی ہم نے تردید کی تھی۔ کیونکہ تاریخی لحاظ سے یہ قصہ درست نہیں۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ ایک عیسائی نے حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں دشنام طرازی کر کے کسی بدوی کے گھر میں پناہ لی تھی۔ امام ابن تیمیہ کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ اسی وقت اپنے مسند علمی سے اٹھے اور شیخ الحدیث زین العابدین الفارقی کو اپنے ہمراہ لے کر حاکم دمشق کے پاس پہنچے اور ملزم کی گرفتاری اور سزا کا مطالبہ کیا۔ جب شاتم رسول ﷺ اور بدوی طلبی پر حاضر ہوئے تو بدوی نے وہاں موجود لوگوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا جس پر ہجوم مشتعل ہو گیا اور اس نے ان دونوں پر سنگ باری کی۔ حاکم وقت نے امام اور شیخ الحدیث کو نقص امن کے الزام میں گرفتار کر کے قید کر دیا۔ بعد میں حاکم دمشق کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے ان دونوں بزرگ شخصیتوں کو باعزت طور پر رہا کر کے ان سے معافی کا طلب گار ہوا، جسے انہوں نے معاف کر دیا۔ (للمولف)

مولانا مودودی اور مسئلہ ارتداد:

مولانا مودودی نے قرآن وسنت اور عمل صحابہ کے براہین قاطعہ کے علاوہ عقلی دلائل سے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ مرتد سزائے موت کا مستحق ہے۔ مولانا نے پہلے تو قتل مرتد کے بارے میں جو اعتراضات ہوتے رہے ہیں ان کو یکجا کیا ہے اور پھر ہر اعتراض کا مدلل جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

"قتل مرتد پر سب سے پہلا اعتراض تو یہ کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی

شخص اپنے دین و مذہب کو ترک کردے تو اس کو افہام و تفہیم کے بجائے تلوار کے زور پر ارتداد سے روکا جائے یہ بات آزادی ضمیر کے منافی ہے۔ دوسرا اعتاض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بالجبر اسلام ترک نہ کرنے پر مجبور بھی کردیا جائے تو وہ دل سے اسلام کا قائل نہیں ہوسکتا اور یہ منافقت ہوگی جو خود اسلام کے لیے خطرناک بات ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر اسلام سے پھر جانے کی سزا موت ہے تو دیگر مذاہب سے آنے والوں کے لیے بھی وہی سزا ہونی چاہیے۔ اگر اس پر دوسرے پیروان مذاہب کی حکومتیں عمل درآمد کریں تو اسلامی دعوت و تبلیغ کے دروازے بند ہوجائیں گے۔ چوتھا اور بظاہر وزنی اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ارتداد کی سزا اسلام کے اس اعلان کے خلاف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دین میں جبر واکراہ نہیں۔ اس طرح یہ صاف دینی تضاد ہے جسے عقل سلیم تسلیم نہیں کرتی۔

مولانا نے ان اعتراضات کا جواب دینے سے قبل ایک غلط فہمی کو دور کیا ہے جو ان ہی کے الفاظ میں پیش کی جارہی ہے۔

ایک بنیادی غلط فہمی:

حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام کی حیثیت فی الواقع اسی معنی میں ایک "مذہب" کی ہوتی، جس معنی میں یہ لفظ آج تک بولا جاتا ہی، تو یقیناً اس کا ان لوگوں کے لیے قتل کی سزا تجویز کرنا سخت غیر معقول فعل ہوتا، جو اس کے اصولوں سے غیر مطمئن ہوکر اس کے دائرے سے باہر نکلنا چاہیں۔ مذہب کا موجودہ تصور یہ ہے کہ وہ مابعد الطبیعی مسائل کے متعلق ایک عقیدہ و خیال ہے، جس آدمی اختیار کرتا ہے اور حیات بعد الموت میں نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے جس پر انسان اپنے عقیدے کے مطابق عمل کرتا ہے۔ رہی سوسائٹی کی تنظیم اور معاملات دنیا کی انجام دہی اور ریاست کی تشکیل، تو وہ ایک خالص دنیوی معاملہ ہے، جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس تصور کے مطابق مذہب کی حیثیت صرف ایک رائے کی ہے اور رائے بھی ایسی جو زندگی کے ایک بالکل ہی دور از کار پہلو سے تعلق رکھتی ہے، جس کے قائم ہونے اور بدلنے کا کوئی قابل لحاظ اثر حیات

انسانی کے بڑے اور اہم شعبوں پر نہیں پڑتا۔ ایسی رائے کے معاملے میں آدمی کو آزاد ہونا ہی چاہیے۔ کوئی معقول وجہ نہیں کہ امور مابعد الطبیعت کے بارے میں ایک خاص رائے کو اختیار کرنے میں تو وہ آزاد ہو' مگر جب اس کے سامنے کچھ دوسرے دلائل آئیں' جن کی بنا پر وہ سابق رائے کو غلط محسوس کرنے لگے' تو اس کے بدل دینے میں وہ آزاد نہ ہو اور اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ جب ایک طریقہ کی پیروی میں اسے اپنی نجات اخروی کی توقع ہو' تو اسے اختیار کر سکے اور جب وہ محسوس کرے کہ نجات کی امید اس راستہ میں نہیں' کسی دوسرے راستے میں ہے' تو اسے پچھلے راستے کو چھوڑنے اور نئے راستے کے اختیار کر لینے کا حق نہ دیا جائے۔ پس اگر اسلام کی حیثیت یہی ہوتی' جو مذہب کی حیثیت آج کل قرار پاگئی ہے' تو اس سے زادہ نامعقول کوئی بات نہ ہوتی کہ وہ آنے والوں کے لیے تو اپنا دروازہ کھلا رکھے' مگر جانے والں کے لیے دروازے پر جلاد بٹھا دے۔

لیکن دراصل اسلام کی یہ حیثیت سرے سے ہے ہی نہیں۔ وہ اصطلاح جدید کے مطابق محض ایک "مذہب" نہیں ہے بلکہ ایک پورا نظام زندگی ہے۔ اس کا تعلق صرف مابعد الطبیعات ہی سے نہیں ہے بلکہ طبیعات اور مافی الطبیعات سے بھی ہے۔ وہ محض حیات بعد الموت کی نجات ہی سے بحث نہیں کرتا بلکہ حیات قبل الموت کی فلاح و بہتری اور تشکیل صحیح کے سوال سے بھی بحث کرتا ہے اور نجات بعد موت کو اسی حیات قبل الموت کی تشکیل صحیح پر منحصر قرار دیتا ہے۔ مانا کہ پھر بھی وہ ایک رائے ہی ہے' مگر وہ رائے نہیں جو زندگی کے کسی دور ازکار پہلو سی تعلق رکھتی ہو' بلکہ وہ رائے جس کی بنیاد پر پوری زندگی کا نقشہ قائم ہوتا ہے۔ وہ رائے نہیں جس کے قائم ہونے اور بدلنے کا کوئی قابل لحاظ اثر زندگی کے بڑے اور اہم شعبوں پر نہ پڑتا ہو' بلکہ وہ رائے جس کے قیام پر تمدن اور ریاست کا قیام منحصر ہے اور جس کے بدلنے کے معنی نظام تمدن و ریاست کے بدل جانے کے ہیں۔ وہ رائے نہیں جو صرف انفرادی طور پر ایک شخص اختیار کرتا ہو' بلکہ وہ رائے جس کی بنا پر انسانوں کی ایک جماعت تمدن کے پورے نظام کو ایک اص شکل پر قائم کرتی ہے اور اسے چلانے کے لیے ایک ریاست وجود میں لاتی ہے۔ ایسی رائے اور ایسی نظریہ کو انفرای آزادیوں کا کھلونا نہیں بنایا جاسکتا' نہ اس جماعت کو جو اس رائے پر تمدن و ریاست کا نظام قائم کرتی ہے راہ گزر بنایا جاسکتا ہے کہ جب فضائے دماغی میں ایک لہر اٹھے تو اس میں داخل ہو جائے اور جب دوسری لہر اٹھے تو اس سے نکل جائے اور پھر

جب جی چاہے اندر آیئے اور جب چاہے باہر چلے جایئے۔ یہ کوئی کھیل اور تفریح نہیں ہے جس سے بالکل ایک غیر ذمہ دارانہ طریقہ پر دل بہلایا جائے' یہ تو ایک نہایت سنجیدہ اور انتہائی نزاکت رکھنے والا کام ہے جس کے ذرا ذرا سے نشیب و فراز سوسائٹی اور سٹیٹ کے نظام پر اثر انداز ہوتے ہیں' جس کے بننے اور بگڑنے کے ساتھ لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کی زندگیوں کا بناؤ اور بگاڑ وابستہ ہوتا ہے' جس کی انجام دہی میں ایک بہت بڑی جماعت اپنی زندگی و موت کی بازی لگاتی ہے۔ ایسی رائے اور ایسی رائے رکھنے والی جماعت کی رکنیت کو انفرادی آزادیوں کا کھلونا دنیا میں کب بنایا گیا ہے اور کون بتاتا ہے کہ اسلام سے اس کی توقع رکھی جائے۔

اس عام فہم غلطی کو دور کرنے کے بعد مولانا نے قتل مرتد کے ان تمام اعتراضات کا جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جواب دیا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:۔

اعتراضات کا جواب:

قتل مرتد کو جو شخص یہ معنی پہناتا ہے کہ یہ محض ایک رائے کو اختیار کرنے کے بعد اسے بدل دینے کی سزا ہے' وہ دراصل ایک معاملہ کو پہلے خود ہی غلط طریقے سے تعبیر کرتا ہے اور پھر خود ہی اس پر ایک غلط حکم لگاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے' مرتد کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ اپنے ارتداد سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ سوسائٹی اور سٹیٹ کی تنظیم جس بنیاد پر رکھی گئی ہے' اس کو وہ نہ صرف یہ کہ قبول نہیں کرتا' بلکہ اس سے کبھی آئندہ بھی یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ اسے قبول کرے گا۔ ایسے شخص کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب وہ اپنے لیے اس بنیاد کو ناقابل قبول پاتا ہے' جس پر سوسائٹی اور سٹیٹ کی تعمیر ہوئی ہے' تو خود اس کی حدود سے نکل جائے۔ مگر جب وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کیلئے دو ہی علاج ممکن ہیں: یا تو اسے سٹیٹ میں تمام حقوق شہریت سے محروم کر کے زندہ رہنے دیا جائے' یا پھر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ پہلی صورت فی الواقع دوسری صورت سے شدید تر سزا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ لا یموت فیھا ولا یحیی کی حالت میں مبتلا رہے اور اس صورت میں سوسائٹی کے لیے بھی وہ زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی ذات سے ایک مستقل فتنہ لوگوں کے درمیان پھیلتا رہے گا اور دوسرے صحیح و سالم اعضا میں بھی اس کے زہر کے سرایت کر جانے کا

اندیشہ ہو گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسے موت کی سزا دے کر اس کی اور سوسائٹی کی مصیبت کا بیک وقت خاتمہ کر دیا جائے۔

قتل مرتد کو یہ معنی پہنانا بھی غلط ہے کہ ہم ایک شخص کو موت کا خوف دلا کر منافقانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ دراصل معاملہ اس کے برعکس ہے۔

ہم ایسے لوگوں کے لیے اپنی جماعت کے اندر آنے کا دروازہ بند کر دینا چاہتے ہیں، جو تلون کے مرض میں مبتلا ہیں اور نظریات کی تبدیلی کا کھیل تفریح کے طور پر کھیلتے رہتے ہیں اور جن کی رائے اور سیرت میں وہ استحکام سرے سے موجود ہی نہیں ہے، جو ایک نظام زندگی کی تعمیر کے لیے مطلوب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عین حکمت و دانش ہے کہ ہر اس شخص کو، جو اس جماعت کے اندر آنا چاہے، پہلے مطلع کر دیا جائے کہ یہاں سے پلٹ کر جانے کی سزا موت ہے، تاکہ وہ داخل ہونے سے پہلے سو مرتبہ سوچ لے کہ آیا اسے ایسی جماعت میں داخل ہونا چاہیے یا نہیں۔ اس طرح جماعت میں آئے گا ہی وہ، جسے کبھی باہر جانا نہ ہو گا۔

تیسرے نمبر پر جو اعتراض ہم نے نقل کیا ہے، اس کی بنیاد بھی غلط ہے۔ معترضین کے پیش نظر دراصل ان "مذاہب" کا اور انہی کے پرچار کا معاملہ ہے جن کی تعریف ہم ابتدا میں کر چکے ہیں۔ ایسے مذاہب کو واقعی اپنا دروازہ آنے اور جانے والوں کے لیے کھلا رکھنا چاہیے۔ وہ اگر جانے والوں کے لیے اسے بند کریں گے تو ایک بے جا حرکت کریں گے۔ لیکن جس مذہب فکر و عمل پر سوسائٹی اور سٹیٹ کی تعمیر کی گئی ہو، اسے کوئی معقول آدمی، جو اجتماعیات میں کچھ بھی بصیرت رکھتا ہو، یہ مشورہ نہیں دے سکتا کہ وہ اپنی تخریب اور اپنے اجزائے تعمیر کے انتشار اور اپنی بندش وجود کی برہمی کا دروازہ خود ہی کھلا رکھے۔ کسی مزاحمت کے بغیر خود تبدیل ہونے کے لیے صرف وہی نظام زندگی تیار ہو سکتا ہے، جس کی جڑیں گل چکی ہوں اور جس کی بنیاد میں اپنے استحقاق وجود کا یقین باقی نہ رہا ہو۔

رہا تناقض کا اعتراض تو اوپر کی بحث کو بغور پڑھنے سے بڑی حد تک وہ خود بخود رفع ہو جاتا ہے۔ لا اکراہ فی الدین کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی کو اپنے دین میں آنے کے لیے مجبور نہیں کرتے اور واقعی ہماری روش یہی ہے۔ مگر جسے آ کر واپس جانا ہو، اسے ہم پہلے ہی خبردار کر دیتے ہیں کہ یہ دروازہ آمدورفت کے لیے کھلا ہوا نہیں ہے، لہٰذا اگر

آتے ہو تو یہ فیصلہ کرکے آؤ کہ واپس نہیں جانا ہے ورنہ براہ کرم آؤ ہی نہیں۔ کوئی بتائے کہ آخر اس میں تناقض کیا ہے؟ بلاشبہ ہم نفاق کی مذمت کرتے ہیں اور اپنی جماعت میں ہر شخص کو صادق الایمان دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر جس شخص نے اپنی حماقت سے خود اس دروازے میں قدم رکھا' جس کے متعلق اسے معلوم تھا کہ وہ جانے کے لیے کھلا ہوا نہیں ہے' وہ اگر نفاق کی حالت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ اس کو اس حالت سے نکالنے کے لیے ہم اپنے نظام کی برہمی کا دروازہ نہیں کھول سکتے۔ وہ اگر ایسا ہی راستی پسند ہے' کہ منافق بن کر نہیں رہنا چاہتا' بلکہ جس چیز پر اب ایمان لایا ہے' اس کی پیروی میں صادق ہونا چاہتا ہے' تو اپنے آپ کو سزائے موت کے لیے کیوں نہیں پیش کرتا؟

ہاں اعتراض بظاہر کچھ وزن رکھتا ہے کہ اسلام جب خود اپنے پیرووں کو تبدیل مذہب پر سزا دیتا ہے اور اسے قابل مذمت نہیں سمجھتا' تو دوسرے مذاہب کے پیرو اگر اپنے ہم مذہبوں کو اسلام قبول کرنے پر سزا دیتے ہیں' تو وہ ان کی مذمت کیوں کرتا ہے؟ لیکن ان دو رویوں میں بظاہر جو تناقض نظر آتا ہے' فی الواقع وہ نہیں ہے' بلکہ اگر دونوں صورتوں میں ایک ہی رویہ اختیار کیا جاتا تو البتہ تناقض ہوتا۔ اسلام اپنے آپ کو حق کہتا ہے اور بالکل خلوص کے ساتھ حق ہی سمجھتا ہے' اس لیے وہ حق کی طرف آنے والے اور حق سے منہ موڑ کر واپس جانے والے کو مساوی مرتبہ پر ہرگز نہیں رکھ سکتا۔ تناقض اس رویہ میں نہیں ہے' البتہ اگر اسلام اپنے آپ کو حق بھی کہتا اور پھر ساتھ ہی اپنی طرف آنے والے اور اپنے سے منہ موڑ کر جانے والے کو ایک ہی مرتبہ میں رکھتا' تو بلاشبہ یہ ایک متناقض طرز عمل ہوتا۔

مجرد مذہب اور مذہبی ریاست کا بنیادی فرق:

اوپر ہم نے قتل مرتد پر اعتراض کرنے والوں کے جو دلائل نقل کیے ہیں اور ان کے جواب میں اپنی طرف سے جو دلائل پیش کیے ہیں' ان کا مقابلہ کرنے سے ایک بات بالکل واضح طور پر نظر کے سامنے آجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ معترضین مرتد کی سزا پر جتنے اعتراض کرتے ہیں' محض ایک "مذہب" کو نگاہ میں رکھ کر کرتے ہیں اور اس کے برعکس ہم اس سزا کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیتے ہیں' ان میں ہمارے پیش نظر مجرد "مذہب" نہیں ہوتا' بلکہ ایک ایسا اسٹیٹ ہوتا ہے جو کسی خاندان یا طبقہ یا قوم کی

حاکمیت کے بجائے ایک دین اور اس کے اصولوں کی حاکمیت پر تعمیر ہوا ہو۔ جہاں تک مجرد مذہب کا تعلق ہے' ہمارے اور معترضین کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایسا مذہب مرتد کو سزا دینے کا حق نہیں رکھتا' جبکہ سوسائٹی کا نظم و نسق اور ریاست کا وجود عملاً اس کی بنیاد پر قائم نہ ہو۔ جہاں اور جن حالات میں اسلام فی الواقع ویسے ہی ایک مذہب کی حیثیت رکھتا ہے' جیسا کہ معترضین کا تصور مذہب ہے' وہاں ہم خود بھی مرتد کو سزائے موت دینے کے قائل نہیں ہیں۔ فقہ اسلامی کی رو سے محض ارتداد کی سزا ہی نہیں' اسلام کے تعزیری احکام میں سے کوئی حکم بھی ایسے حالات میں قابل نفاذ نہیں رہتا' جب کہ اسلامی ریاست (یا بہ اصطلاح شرع "سلطان") موجود نہ ہو۔ لہٰذا مسئلہ کے اس پہلو میں ہمارے اور معترضین کے درمیان بحث خودبخود ختم ہو جاتی ہے۔

کافر اور مرتد کے ساتھ مختلف معاملہ کیوں ہے؟:

جو لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ کافر اور مرتد کے ساتھ اسلام دو مختلف رویے کیوں اختیار کرتا ہے' انہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی اجتماعی نظام ایسا نہیں ہے جو اپنے اندر شامل نہ ہونے والوں اور شامل ہو کر الگ ہو جانے والوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا ہو۔ الگ ہونے والوں کو اکثر کسی نہ کسی نوعیت کی سزا ضروری دی جاتی ہے اور بارہا ان کو واپس آنے پر مجبور بھی کیا جاتا ہے۔ خصوصاً جو نظام جتنی زیادہ اہم اجتماعی ذمہ داریوں کا حامل ہو' اس کا رویہ اس معاملہ میں اتنا ہی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فوج کو لیجیے۔ قریب قریب تمام دنیا کے فوجی قوانین میں یہ بات مشترک ہے کہ فوجی ملازمت اختیار کرنے پر تو کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا' مگر جو شخص باختیار خود فوجی ملازمت میں داخل ہو چکا ہو' اسے ملازمت میں رہنے پر لازماً مجبور کیا جاتا ہے۔ وہ استعفا دے تو ناقابل قبول ہے' خود چھوڑ جائے تو مجرم ہے۔ جنگ کی عملی خدمت (Active Service) سے فرار ہو تو سزائے موت کا مستحق ہے۔ عام فوجی خدمات سے بھاگے' تو حبس دوام تک سزا پا سکتا ہے اور جو کوئی اس بھاگنے والے کو پناہ دے یا اس کے جرم پر پردہ ڈالے' تو وہ بھی مجرم ٹھہرتا ہے۔ یہی طرز عمل انقلابی پارٹیاں اختیار کرتی ہیں۔ وہ بھی کسی کو اپنے اندر شامل ہونے پر مجبور نہیں کرتیں' مگر جو شامل ہو کر الگ ہو جائے اسے گولی مار دیتی ہیں۔

اسلامی رویہ کی معقولیت:

سائل کا آخری سوال یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت کے دائرے میں تبلیغ کفر کی اجازت نہیں ہے' تو عقلی حیثیت سے اس ممانعت کو کیسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟

اس باب میں کوئی بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جس تبلیغ کفر کی اسلام ممانعت کرتا ہے' اس کی نوعیت واضح طور پر سمجھ لی جائے۔ اسلام اس چیز میں مانع نہیں ہے کہ دارالاسلام کے حدود میں کوئی غیر مسلم اپنی اولاد کو اپنے مذہب کی تعلیم دے' یا اپنے مذہب کے عقائد اور اصول لوگوں کے سامنے تحریر یا تقریر کے ذریعے سے بیان کرے' یا اسلام پر اگر وہ کچھ اعتراضات رکھتا ہو تو انہیں تہذیب کے ساتھ تقریر و تحریر میں پیش کرے۔ نیز اسلام اس میں بھی مانع نہیں ہے کہ کسی غیر مسلم کے خیالات سے متاثر ہوکر دارالاسلام کی ذمی رعایا میں سے کوئی شخص اس کا مذہب قبول کرلے۔ ممانعت دراصل جس چیز کی ہے' وہ یہ ہے کہ کسی مذہب یا نظام فکروعمل کی تائید میں کوئی ایسی منظم تحریک اٹھائی جائے' جو دارالاسلام کی حدود میں رہنے والوں کو اس مذہب یا نظام کی طرف دعوت دیتی ہو۔ ایسی منظم دعوت' قطع نظر اس سے کہ وہ ذمیوں میں سے اٹھے یا باہر سے آنے والے غیر مسلموں ی طرف سے بہرحال اسلام اپنے حدود میں اس کے ظہور کو برداشت کرنے لیے تیار نہیں ہے۔

یہاں پھر وہی سوال ہمارے سامنے آتا ہے جو قتل مرتد کے مسئلہ میں آیا کرتا ہے' یعنی یہ کہ اگر غیر مسلم حکومتیں بھی اسی طرح اپنے حدود میں اسلام کی دعوت کو خلاف قانون قرار دے دیں تو کیا ہو؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اسلام اس قیمت پر حق و صداقت کی اشاعت کی آزادی خریدنا نہیں چاہتا کہ اس کے جواب میں اسے جھوٹ اور باطل کی اشاعت کی آزادی دینی پڑی۔ وہ اپنے پیرووں سے کہتا ہے کہ

> اگر تم سچے دل سے مجھے حق سمجھتے ہو اور میری پیروی ہی میں اپنی اور انسانیت کی نجات دیکھتے ہو تو میری پیروی کرو' مجھے قائم کرو اور دنیا کو میری طرف دعوت دو' خواہ اس کام میں تم کو گلزار ابراہیمؑ سے سابقہ پیش آئے یا آتش نمرود سے گزرنا پڑے۔ یہ تمہارے اپنے ایمان کا تقاضا ہے اور یہ بات تمہاری خدا پرستی پر منحصر ہے کہ اس کی رضا

چاہتے ہو تو اس تقاضے کو پورا کرو ورنہ نہ کرو۔ لیکن میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ تمہیں اس راہ کی خطرناکیوں سے بچانے اور اس کام کو تمہارے حق میں سہل بنانے کی خاطر باطل پرستوں کو یہ جواب "حق" عطا کروں کہ وہ خدا کے بندوں کو گمراہ کریں اور ایسے راستوں پر انہیں ہانک لے جائیں جن میں مجھے معلوم ہے کہ ان کے لیے تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔"

متذکرہ بالا دلائل و براہین اور حقائق کے بعد کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ توہین رسالت کا جرم ارتداد سے بھی سنگین تر اور ناقابل معافی جرم ہے اور توبہ سے تنقیص رسالت کی حد' جو سزائے موت ہے' وہ ساقط نہیں ہوتی' کیونکہ یہی معاملہ دوسرے حدود کا بھی ہے کہ چوری اور قذف کی سزا توبہ سے ساقط نہیں ہوتی۔ مولانا مودودی ؒ کی گراں قدر تصنیف "مرتد کی سزا" جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے۔ انتہائی اہم اور لائق مطالعہ کتاب ہے جس میں اس اسلامی قانون کا ہر پہلو سے جائزہ لیا گیا ہے۔ (للمولف)

(باب پنجم)

قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ---- عالمی اور ملکی تناظر میں

آج ساری دنیا میں حقوق انسانی کا بڑا چرچا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے دانشور اور اسلامی ملکوں میں ان کے شاگرد رشید اور خوشہ چین چونکہ اسلام کا نام لیتے ہوئے شرماتے ہیں اس لیے وہ بنیادی انسانی حقوق کو بھی جن سے انسان اسلام کی بدولت پہلی مرتبہ اس دنیا میں روشناس ہوا پانچ سو سال قبل مسیح یونانی حکیموں کے کھاتہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس کا سہرا وہاں کے فلسفیوں کے سر باندھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے افکار اور خیالات میں انسانی حقوق کا سرے سے کوئی تصور ہی موجود نہیں۔ فلسفیوں کے مرشد اولین افلاطون نے اپنی ریاست میں صرف فلاسفہ کو حکمرانی کا حق دیا ہے اور دوسرے تمام شہری ان کے خدمتگار یا پھر زر خرید غلام ہیں۔ کیونکہ صرف حکمران طبقہ کے سر پر تاج زر رکھا گیا ہے۔ اس کی جمہوریہ میں انسانی مساوات کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اپنی کتاب قانون (Laws) میں اس نے غلاموں اور آزاد شہریوں کی اقتدار میں شرکت کی سخت مخالفت کی ہے۔ اس لیے ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انسانی حقوق کے ڈانڈے کس طرح یونان سے جا ملتے ہیں۔ یورپ کے محققین اور مستشرقین کی یہ کیسی علمی دیانت ہے کہ وہ انسانی حقوق کا سراغ لگانے کے لئے قبل مسیح کی تاریخ کو کھنگالتے ہیں اور جب وہاں حسب خواہش مواد نہیں ملتا تو پھر بارہویں صدی عیسوی کے یورپ کی طرف زقند لگاتے ہیں اور میگنا کارٹا (Magna Carta) کو فرد کی آزادی کا چارٹر قرار دیتے ہیں، جو طلوع اسلام کے سات سو سال بعد کی پیداوار ہے۔ تاریخ و قانون کے طالب علم اور اہل سیاست جانتے ہیں کہ میگنا کارٹا کی حقیقت کیا ہے۔ اسے کنگ جان نے 1215ء میں جاری کیا تھا جس کے ذریعے طبقہ امرا جو اشرافیہ (Nobility) کہلاتا تھا اور شاہ انگلستان کے درمیان باہمی مفادات کے سلسلہ میں "کچھ لو" اور "کچھ دو" والا معاملہ طے پایا، جس کی تصدیق خود انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopaedia Britannica) کے

مصنفین کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "یہ جاگیردار نوابین کے خود غرضانہ مفادات کے تحفظ کی دستاویز تھی۔" اس میں انسانی حقوق تو درکنار خود انگلستان کے عام شہریوں کے حقوق کے تحفظ کی بھی کوئی شق موجود نہ تھی۔ یہ ہے یورپ کی آزادی کا چارٹر جس پر اسے اتنا فخرو ناز ہے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد طبقہ امراء کو بھی ان مراعات شاہی سے محروم ہونا پڑا کیونکہ میکاولی (Machiavelli) کے نظریات نے پھر سے شاہی اقتدار کو استحکام بخشنے میں بڑی مدد کی۔ البتہ سترہویں صدی کے آخر میں اقتدار شاہی کے خلاف از سر نو ہلچل شروع ہوئی۔ اس سلسلہ میں جان لاک (John Locke) اور ژاں ژزاک روسو (Jean Jacques Rousseoue) کو نمایاں مقام دیا جاتا ہے۔ روسو کے معاہدہ عمرانی (Du Contract Social) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ انقلاب فرانس کی انجیل ہے جس نے عام شہریوں کو جمہوریت کی انقلابی تحریک کے لیے ذہنی طور پر تیار کیا لیکن اس تجاہل عارفانہ کا کیا علاج کہ یورپ کے ان محققین کو پیغمبر اسلام ﷺ کے وہ تمام حقوق انسانی جن کا آپ ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل میدان عرفات سے اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں اعلان فرمایا تھا' علم نہیں۔ حالانکہ حقوق انسانی کا یہی وہ عظیم چارٹر ہے جس سے دنیا سب سے پہلے روشناس ہوئی اور چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں یورپ' ایشیا اور افریقہ میں جہاں جہاں بھی اسلامی یا مسلمانوں کی حکومتیں قائم رہیں' وہاں ان بنیادی حقوق انسانی کی روح کار فرما رہی ہے(!)

ساتویں صدی عیسوی میں جب کہ یورپ ابھی جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا' اسلام اسپین میں علم و ہنر کی روشنی پھیلاتا ہوا پہنچا اور اندلس کی درسگاہیں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتی گئیں۔ "جس کا برملا اعتراف چارلس پرنس آف ویلز (Charles Prince Of Wales) نے سال 1993ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں کیا ہے۔ جس نے عوام میں روح آزادی اور حریت کو بیدار کیا تو انہوں نے اپنے فطری حقوق انسانی کی بازیابی کے لیے وہاں کے مطلق العنان حکمرانوں کے خلاف اپنی جدوجہد کا آغاز کیا جس کے نتائج گیارہویں صدی کے بعد ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔ روسو نے بھی اسلام کے اسی خرمن سے خوشہ چینی کی تھی۔ شاید یہ حقیقت بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ روسو نے اسلامی تعلیمات کا بہت گہرا اثر قبول کیا تھا اور اکثر اپنے دوستوں سے ملاقات کرتے ہوئے اسلامی طریقہ سے سلام کرتا تھا۔ اہل کلیسا نے تو اس پر دین مسیحی سے منحرف ہو کر

حلقہ بگوش اسلام ہونے کا فتویٰ صادر کیا اور حکومت نے اسے باغی قرار دیا تھا' جس کی پاداش میں اسے جلاوطنی کی زندگی بسر کرنا پڑی تھی اور آخر دم تک وہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں پناہ لے کر اپنی جان بچاتا پھرتا رہا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے معاہدہ عمرانی میں اسلامی تعلیمات کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی تھی' ورنہ یہ بھی کوئی حقیقت پسندانہ معاہدہ نہ تھا بلکہ اسے ایک رومانوی اور افسانوی حیثیت حاصل رہی ہے اور اس میں بھی زیادہ تر تحفظات کا تعلق فرانس کے باشندوں سے تھا۔ بنی نوع انسان سے اجتماعی طور پر اس کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ اس کا ایک قول جو ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے "انسان آزاد پیدا ہوا تھا لیکن وہ ہر جگہ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے" قرآنی آیت ہی کا ایک حصہ ہے جو حیات انسانی کے منفی پہلو سے متعلق ہے لیکن اس آیت کے اثباتی اور روشن پہلو تک اس کی نظر نہیں گئی جس میں پیغمبر اعظم ﷺ کی دنیا میں بعثت کا مقصد یہ بتلایا گیا ہے:

"ویضع عنهم اصر هم والا غلل التی کانت علیهم"

(الاعراف:157)

"اور وہ (پیغمبر ﷺ) ان پر سے وہ بوجھ جو ان پر لدے ہوئے تھے اور ان زنجیروں کو جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے اتارتا ہے۔"

اور اس آیت میں خطاب کسی خاص گروہ یا نسل یا قوم سے نہیں بلکہ ساری انسانیت سے ہے۔ اس لئے فرمایا:

قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی له ملك السموت والارض (الاعراف : 158)

"اے پیغمبر کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اسی خدا کا رسول ہوں جو زمین اور آسمان کی بادشاہت کا مالک ہے۔"

انسان جو غلامی کے بوجھ تلے کراہ رہا تھا اور ناروا بندشوں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا' اسے خدا کے آخری پیغمبر ﷺ نے نہ صرف ہر قسم کی غلامی سے آزاد کیا بلکہ اسے وہ بنیادی حقوق بھی عطا کیے جن سے انسان محروم چلا آرہا تھا۔ آپ نے دنیا کے عظیم ترین انقلابی مشن کی تکمیل پر اپنے خطبہ حجتہ الوداع میں دور جاہلیت کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے اپنے دور رسالت اور عہد نو کو علم و حکمت' آزادی و حریت کے نور سے جگمگا دیا

اور دنیا کو یہ خوشخبری سنا دی:

"الا کل شی من امر الجاھلیة تحت قدمی موضوع۔"
(۲)۔

"اور دیکھو دور جاہلیت کے وہ تمام دستور اور قانون جن سے حقوق انسانی پامال ہوتے رہے ہیں وہ سب میرے قدموں تلے روندے گئے۔"

پھر انسانی حق مساوات اور احترام انسانی کا اس طرح اعلان فرمایا:

یا ایھا الناس الا ربکم واحد و ان ابا کم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لا بیض علی اسودو لا لا سود علی الابیض۔" (3)

"اے انسانو! دیکھو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا اب (یعنی باپ) بھی ایک ہی ہے اس لیے تم ایک اور یکساں ہو۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کسی قسم کی کوئی فضیلت یا برتری حاصل نہیں۔"

سب اولاد آدم ہونے کے رشتے برابر ہیں۔ اس اصل عظیم کے اعلان سے قبل انسانی وحدت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ انسان زبان، قوم، ملک، نسل، رنگ اور مذہب کی بنیادوں پر بٹ چکے تھے اور اسی مصنوعی امتیاز پر ہر ایک اپنے آپ کو اعلیٰ و برتر اور دوسرے کو ادنیٰ و کم تر سمجھ کر اسے اپنا زیردست اور غلام بنا لیتا تھا۔ پھر سفید فام لوگ سیاہ فام انسانوں کو صرف رنگ دار مخلوق ہونے کی وجہ سے انہیں ذلیل و خوار سمجھ کر ان پر حکمرانی اپنا حق سمجھتے تھے۔ اس قدیم جاہلیت کی بد ترین مثال بیسویں صدی کے دور میں جنوبی افریقہ کی گوری نسل پرست حکومت کی ملعون شکل میں ہمارے سامنے موجود رہی ہے، جہاں تین سو سال کی عظیم قربانیوں کے بعد آزادی کی صبح نمودار ہوئی۔ اسی تمیز رنگ و نسل کے پھنکارتے ہوئے سانپوں کو داعی اسلام ﷺ نے آج سے چودہ سو برس پیشتر اپنے پاؤں تلے کچل دیا تھا۔ آپ ﷺ نے کامل مساوات انسانی قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام انسان کنگھی کے دانوں کی طرح برابر ہیں۔ پیغمبر اسلام کا یہی وہ انقلابی اقدام تھا جس نے کائنات کی کایا پلٹ دی۔

آپ ﷺ کا عہد تو بلاشبہ خیر القرون ہے۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا

دور بھی عدل و مساوات اور احترام انسانیت کا مثالی دور ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کی گراں بار ذمہ داریوں کے باوجود اپنے ساتھیوں کے اصرار پر اپنے لیے بیت المال سے صرف اتنا روزینہ مقرر کیا جو اس وقت کے ایک عام شہری کی گزر بسر کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کیا گیا تاکہ عدالتیں انتظامیہ کے زیر اثر نہ رہیں بلکہ آزادانہ طور پر حقوق انسانی کی نگہداشت اور حفاظت کرتی رہیں۔

حضرت عمرو بن عاص ؓ گورنر مصر کے بیٹے نے جب ایک قبطی کو کوڑوں سے پیٹا تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کی داد رسی کرتے ہوئے گورنر کے صاحبزادے کو اسی قبطی سے کوڑے لگوائے اور گورنر مصر کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ فقرہ کہا جو آج حقوق انسانی کے چارٹر کا اہم ترین بنیادی نکتہ ہے۔

آپ نے فرمایا "عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کیا' ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا" یہ دراصل لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم و لقد کرمنا بنی آدم "ہم نے انسان کو احسن تقویم کے ساتھ تخلیق کیا اور اسے کائنات میں تکریم اور فضیلت سے سرفراز کیا" جیسے ارشادات باری تعالیٰ کی زندہ اور عملی تفسیر تھی۔ حضرت عمرؓ کا یہی فقرہ اٹھارویں صدی میں روسو کی زبان سے ادا ہو' جسے اہل یورپ انقلاب فرانس کا بنیادی پتھر قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ امریکہ کے دستور کے بارے میں بہت بلند بانگ دعوے کیے جاتے ہیں۔ سال 1776ء میں جیفرسن نے امریکہ کے اعلان آزادی کی دستاویز تحریر کی تھی۔ سال 1791ء میں امریکن کانگریس نے حقوق کابل (American Bill of Rights) منظور کیا۔ پھر فرانس کی قومی اسمبلی نے بھی ان ہی حقوق کے بل کو معمولی ترامیم کے ساتھ منظور کر لیا۔ سال 1926ء میں لیگ آف نیشنز (League of Nations) میں شامل اقوام نے یہ قرارداد منظور کی کہ وہ آہستہ آہستہ غلاموں کی تجارت پر پابندیاں عائد کریں گی۔ غلامی کو ختم کرنے کا یہ وہی اصول اور طریق کار ہے جس کا آغاز اسلام نے کیا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب اقوام متحدہ (United Nations) معرض وجود میں آئی اور سال 1948ء میں اس نے انسانی حقوق کے عالمی منشور کا اعلان کیا جسے اقوام متحدہ کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ منشور تیس (30) شقوں (Articles) پر

مشتمل ہے جن میں چار شقیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(1) تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں۔ عزت' وقار اور حقوق کے معاملہ میں سب یکساں اور برابر ہیں۔

(2) ہر شخص نسل' رنگ' جنس' زبان' مذہب' سیاسی' قومی اور سماجی' پیدائشی یا اور کسی حیثیت سے کسی امتیاز کے بغیر تمام حقوق اور مکمل آزادی کا مستحق ہوگا۔

(3) ہر شخص کو زندہ رہنے اور اپنی جان ومال کی حفاظت کا حق حاصل ہوگا۔

(4) قانون کی نظر میں ہر شخص کی حیثیت مساوی اور برابر ہوگی۔

باقی 26 آرٹیکلز بھی ان ہی چاروں بنیادی نکات کی ضمن میں آتی ہیں۔ اس کے بعد اسی سال اور پھر سال 1951ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے غلامی کے انسداد کے لیے اور مہاجرین اور جلاوطن لوگوں کی بحالی اور تحفظ کے لیے متعدد قرار دادیں منظور کی ہیں۔ (4)

برطانیہ کے میگنا کارٹا' فرانس کے معاہدہ عمرانی' امریکہ کے اعلان آزادی اور ان سب سے بڑھ کر اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی تمام دفعات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان کا سرچشمہ قرآن کی تعلیمات ہیں اور یہ سب اسی کے نقش نا تمام اور خطبہ حجتہ الوداع کا جو نسل انسانی سے پیغمبر اسلام ﷺ کا الوداعی خطاب ہے' کی صدائے بازگشت ہیں۔ قرآن حکیم اور اس خطبہ مبارکہ میں انسان کو نہ صرف ان تمام حقوق کی ضمانت دی گئی ہے بلکہ اسے وہ تمام حقوق بھی مل گئے' جن کا براہ راست تعلق انسانی شرف و تکریم سے ہے۔ اسلام کے ان انسانی حقوق کے بارے میں سب سے اہم تر بات یہ ہے کہ یہ قوموں اور حکومتوں کی مرضی کے تابع نہیں بلکہ یہ احکام الٰہی ہیں۔ اس لیے ان میں کسی کو ترمیم یا تنسیخ کا کوئی حق حاصل نہیں۔ نہ ان کو کسی مارشل لاء کے ذریعہ یا ہنگامی حالات کے تحت معطل کیا جاسکتا ہے جو ہر مقام اور ہر زمانہ میں تمام انسانوں کو یکساں طور پر حاصل ہیں۔ چنانچہ یہ تاریخی صداقت ہے کہ یہ تمام حقوق نہ صرف عہد رسالت مآب ﷺ اور دور خلافت راشدہ میں بلکہ مسلمان حکمرانوں کے دور میں بھی اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کو بلا تفریق مذہب و ملت' رنگ و نسل' تہذیب و تمدن یکساں اور عملی طور پر حاصل رہے ہیں۔

یورپ' امریکہ' روس اور دنیا کی دیگر لادینی ریاستوں کے آئین اور دساتیر میں اور

اقوام متحدہ کے عالمی منشور اور قراردادوں میں آزادی' مساوات' انسانی جان و مال' عزت و آبرو کے تحفظ اور دیگر تمام انسانی حقوق کے خوش نما الفاظ کی نمائش تو ضرور موجود ہے لیکن عمل سرے سے مفقود' بلکہ اقوام غالب اپنی طاقت کے بل بوتے کمزور قوموں کے معاملہ میں انسانی حقوق کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہی ہیں اور ساری دنیا تماشائی بنی ہوئی ہے۔ اس وقت یورپ کے ایک آزاد خودمختار ملک بوسنیا' جو اسی اقوام متحدہ کا باقاعدہ رکن ہے' کے خلاف سربیا کے خونخوار درندے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے مسلسل نہتے شہریوں کا' جن میں بوڑھے' بچے' عورتیں' سبھی شامل ہیں' قتل عام اور نسل کشی کر رہے ہیں جو صرف جنگی جرائم ہی نہیں بلکہ انسانیت کے خلاف نہایت سنگین' بھیانک اور بہیمانہ جرائم ہیں' جن کی مثال تاریخ کے تاریک ترین دور وحشت میں بھی نہیں ملتی۔ اس غریب' مظلوم اور آفت زدہ ملک کو اقوام متحدہ نے اپنے دفاع کے لیے ہتھیار حاصل کرنے کی بھی اجازت نہیں دی جب کہ دوسری طرف سربیا کی ظالم' جارح اور سفاک حکومت کو روس اور اس کے حمایتیوں کی پشت پناہی حاصل ہے' جہاں سے اسے مسلسل اسلحہ اور ہر قسم کی امداد مل رہی ہے اور وہ اپنی تمام ہلاکت سامانیوں کے ساتھ بوسنیا کے تمام شہریوں کو نیست اور نابود کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ اقوام متحدہ نے اس انسانیت سوز نسل کشی کے خلاف آج تک کوئی موثر کاروائی نہیں کی۔ معاملہ جب کمزور کا ہو تو پھر یو۔ این کا معیار بدل جاتا ہے۔ انسانی حقوق کے عالمی منشور کی منظوری کے فوراً بعد کشمیریوں کے حق خود ارادیت استعمال کرنے کے اور آزادانہ رائے شماری (Plebisite) کے لئے اقوام متحدہ نے ابھی تک کئی قراردادیں منظور کی ہیں لیکن کشمیری 51 سال سے اپنا یہ حق طلب کر رہے ہیں مگر اس کے جواب میں بھارت نے وہاں کشت و خون کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ بوسنیا کی طرح وہاں بھی دن رات اجتماعی عصمت دری ہو رہی ہے' نہتے شہریوں کے گھروں کو آگ لگا کر انہیں زندہ جلایا جارہا ہے۔ اسی طرح فلسطین میں کشمیر کی طرح برسوں سے اسرائیل' امریکہ کی حمایت سے انسانی حقوق کو نہایت بے دردی سے پامال کر رہا ہے لیکن اقوام متحدہ کا ضمیر بے حس بلکہ مردہ ہوچکا ہے۔ یوگوسلاویہ میں کوسوا (Kosova) مسلمانوں کی بھی یہی حالت زار ہے۔ اقبالؒ نے جمعیت اقوام (League of Nations) کو انجمن تقسیم قبور سے تعبیر کیا تھا۔ یہ بات بالکل درست ثابت ہوئی لیکن اقوام متحدہ تو اس سے بھی ایک قدم آگے ہے'

جس کے دور میں انسانیت کی لاش بے گور و کفن سر راہ ہے پڑی ہوئی ہے۔ حقیقت میں اقوام متحدہ نام نہاد سپرپاور امریکہ کی آلۂ کار بنی ہوئی ہے اور س کے چشم و ابرو کے اشارے پر بلا پس و پیش ان قراردادوں پر عمل در آمد ہوتا ہے جو امریکہ کے کاروباری مفادات اور ہوس اقتدار سے وابستہ ہوں۔ چنانچہ اسی اقوام متحدہ نے عراق کے معاملہ میں جس طرح پھرتی دکھائی اور پھر وہاں جو ہنگامہ محشر بپا ہوا' وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ اس فکر و عمل کے تضاد کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان حقوق کے پیچھے کوئی ایسی قوت نافذہ Sanction موجود نہیں جو گروہی یا قومی مفادات سے ہٹ کر ساری انسانیت کے تحفظات کی نگران ہو۔ انسانی جان و مال کی شق کو لیجئے۔ اقوام متحدہ نے ایک امریکی طیارے کے حادثہ پر صرف شک اور شبہ کی بنا پر لیبیا کے خلاف انتہائی سخت اور ناروا پابندیاں عائد کی ہیں لیکن اسی اقوام متحدہ نے ایرانی مسافر بردار طیارے کے گرائے جانے پر امریکہ کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔ اس پر یہودیوں کا تالمودی قانون سامنے آتا ہے' جس کی رو سے ایک غیراسرائیلی ڈوب رہا ہو تو اس کو بچانا اس قانون کی رو سے درست نہیں بلکہ یہ ان کے نزدیک قومی جرم ہے۔ یہودیوں کے مذہب کی بنیاد چونکہ نسل پرستی پر رکھی لی گئی ہے اس لیے وہ اس قانون کو جائز سمجھتے ہیں۔ دوسری اقوام کے لئے امریکہ اور اس کے آلہ کار اقوام متحدہ کا طرز عمل بھی اسی تحریف شدہ تالمودی قانون کے زیر اثر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن نے ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اور جس کسی نے ایک انسان کی جان بچائی اس نے گویا ساری انسانیت کو بچالیا۔

من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس جميعًا ومن احياها فكانما احيا الناس جميعًا (المائدہ: 32)

"جس کسی نے انسان کو جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی انسان کی جان بچالی گویا اس نے ساری انسانیت کو بچالیا۔"

یہی بنیادی فرق ہے وضعی' تحریف شدہ اور فطری یا الٰہی قانون میں جس میں ایک انسانی جان کو اتنا محترم اور حرمت والا بنادیا گیا ہے کہ

اسے بچا لینا ساری انسانیت کے تحفظ اور بقا کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اسلام میں کسی کے بلاوجہ قتل کو سارے انسانوں کا قتل قرار دے کر مجرم کو دنیا میں سزائے موت دی گئی ہے اور آخرت میں ابدی جہنم کا سزاوار بنا دیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان جو اپنے دین و مذہب پر ایمان رکھتا ہو' کسی کے ناحق قتل کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس جرم کی سزا سے وہ دونوں جہانوں میں کہیں بھی بچ نہیں سکتا۔ اسلام میں کسی شخص کو نسل' قوم مذہب' رنگ' زبان' سماجی یا سیاسی یا فوجی یا کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ صرف انسان ہونے کے ناطے اسے زندگی کے تحفظ کا لاینفك (Inalienable) حق حاصل ہے۔ اس لیے پاکستان یا کسی بھی اسلامی ملک میں غیر مسلموں یا اقلیتوں کے اسلامی قوانین کے بارے میں جو اندیشہ ہائے دور و دراز ہیں' وہ سراسر بے بنیاد اور غلط فہمی پر مبنی ہیں اور قانون توہین رسالت کی وجہ سے تو ان کی زندگیوں کو قانونی اور عدالتی تحفظ دیا گیا ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اور چاہتا ہے کہ دنیا میں ہر شخص امن و سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ اس لیے وہ فتنہ اور فساد کو جو امن و سلامتی کے دشمن ہیں' قطعاً پسند نہیں کرتا بلکہ شدت سے اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے بارے میں قرآن کا یہ واضح اعلان ہے:

" الفتنة اشد من القتل "

"قتل اگرچہ کہ برا ہے مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔"

اس لیے وہ نہیں چاہتا کہ دنیا میں فتنہ و فساد برپا رہے جس کی وجہ سے ہزاروں' لاکھوں انسانوں کا جنگ اور فسادات کی صورت میں قتل عام ہوتا ہے اور جو بچ جاتے ہیں' ان کی عزت و آبرو محفوظ نہیں رہتی۔ توہین رسالت کی سزا اس لیے ناگزیر ہے کہ یہ شرارت ہمیشہ فتنہ اور فساد کا سبب بنی ہے۔ انسان کی عزت اور تکریم جب اس کا بنیادی حق تسلیم کرلیا گیا ہے تو ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کی توہین اور تذلیل نہ کرے۔ کیونکہ یہ انسان کے بنیادی حق کی سنگین خلاف ورزی ہے مگر جب یہ معاملہ اس ذات گرامی سے متعلق ہو جس نے خود انسان کو عزو ناموس کا شرف بخشا اور جسے اس کے

پیروان مذہب خدا کا فرستادہ پیغمبر مانتے ہوں اور جان و مال' ماں باپ' اولاد' عزت و ناموس اس کے نام پر قربان کرنا اپنے لیے انتہائی سعادت سمجھتے ہوں تو جب ایسی ہستی کی توہین اور اہانت کی جائے تو اس سے دنیا میں بسنے والے کروڑوں انسانوں کی نہ صرف دل آزاری ہوتی ہے بلکہ یہ بات ان کے لیے ناقابل برداشت بھی ہے اور اس سے فتنہ اور فساد برپا ہوتا ہے۔ اس لیے اس فتنہ کو روکنے کے لیے اگر قانون توہین رسالت نافذ العمل کر دیا گیا ہے تو اس سے کون سے حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہوئی جس پر اتنا قبل از مرگ واویلا ہو رہا ہے۔ تعصبات سے بلند ہو کر اگر انصاف کی حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی وجہ انسانی عزت و وقار اور شرف و تکریم کا تحفظ ہوتا ہے۔ انسان اور قومیں ایک دوسرے کے عقیدہ' جذبات اور احساسات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی تعظیم و تکریم کو اپنا شعار بنا لیتی ہیں۔ اس لیے اس بنیادی انسانی حق کی حمایت اور پاسداری ہر ملک اور ہر قوم کو انفرادی اور اجتماعی طور پر کرنا چاہیے تاکہ یہ دنیا فتنہ و فساد اور شر انگیزیوں سے محفوظ رہے اور اسے امن و امان اور سلامتی نصیب ہو۔

یورپ اور قانون توہین انبیاء علیہم السلام

پاپائے روم یا چرچ کے اقتدار میں آنے سے قبل یورپ میں رومن لا (Roman Law) کی عمل داری تھی چونکہ انجیل میں کوئی قانونی احکام موجود نہ تھے لیکن جب کلیسا نے اسٹیٹ (State) پر غلبہ واقتدار حاصل کرلیا تو پوپ کے منہ سے نکلے ہوئے ہر حکم کو قانون کی بالادستی حاصل ہوگئی۔ توراۃ کے برعکس انجیل صرف پند و نصائح کا مجموعہ تھا' اس لیے یورپ اور ایشیا میں جہاں جہاں عیسائی حکومتیں قائم ہوئیں' وہاں کاروبار حکومت چلانے کے لیے اہل کلیسا کو رومی قانون اور یہودیوں کے تالمودی قانون ہی پر انحصار کرنا پڑا۔

موسوی قانون کے تحت قبل مسیحؑ کے انبیاءؑ کی اہانت اور توراۃ کی بے حرمتی کی سزا سنگسار مقرر تھی۔ رومن امپائر کے شہنشاہ جسٹینین (Justinian) کا دور حکومت طلوع اسلام سے چند سال قبل 528 تا 565 صدی عیسوی پر محیط ہے۔ رومن لا کی تدوین کا سہرا بھی اسی کے سر ہے اور اس کو عدل و انصاف (Justice) کا مظہر بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس نے جب دین مسیحی قبول کرلیا تو قانون موسوی کو منسوخ کرکے انبیائے بنی اسرائیل کی بجائے صرف یسوع مسیحؑ کی توہین اور انجیل کی تعلیمات سے انحراف کی سزا سزائے موت مقرر کی گئی۔ اس کے دور سے قانون توہین مسیحؑ سارے یورپ کی سلطنتوں کا قانون بن گیا۔ روس اور سکاٹ لینڈ میں اٹھارویں صدی تک اس جرم کی سزا سزائے موت ہی دی جاتی رہی ہے۔(5)

روس میں بالشویک انقلاب کے بعد جب کمیونسٹ حکومت برسراقتدار آئی تو سب سے پہلے اس نے دین و مذہب کو سیاست اور ریاست سے کلیتاً خارج کردیا۔ اس کے بعد یہاں سزائے موت برقرار رہی لیکن اہانت مسیحؑ کے جرم کی پاداش میں نہیں بلکہ مسیحؑ کی جگہ اشتراکی امپیریلزم کے سربراہ نے لے لی۔ اسٹالن جو رشین امپائر کا سربراہ بن بیٹھا تھا' اس کی اہانت تو بڑی بات تھی' اس سے اختلاف رائے رکھنا بھی ممالک محروسہ روس کا سنگین جرم بن گیا۔ ایسے سرپھرے لوگوں کے یا تو سر کچل دیے جاتے تھے جس کی مثال لینن کے ساتھی ٹراٹسکی کی خونچکاں موت کی صورت میں موجود ہے' جو اپنی جان بچانے کی خاطر روس سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ گزیں تھا یا پھر ایسے مجرموں کو سائبیریا کے بیگار

کیمپوں میں موت کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ایسی اذیت ناک سزاؤں اور موت کی گرم بازاری نے زار روس کے دور سیاہ کی عقوبتوں کو بھی بھلا دیا۔

برطانیہ میں بھی اگرچہ توہین مسیحؑ کی جسمانی سزائے موت موقوف کر دی گئی تھی' لیکن وہاں بھی اس جرم کی سزا کا قانون کامن لا کے علاوہ بلاس فیمی ایکٹ (Blasphemy Act) کی صورت میں تبدیل ہوگیا۔ مناسب ہوگا کہ یہاں بلاس فیمی کے معنی کے ساتھ اس کی تعریف (Definition) کی بھی وضاحت کر دی جائے تاکہ اس کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہوسکے۔

بلاس فیمی لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اہانت کے ہیں۔ لاطینی اصطلاح میں خداوند خدا کے وجود اور دین مسیحؑ کی صداقت سے انکار یا نجات دہندۂ عالم یسوع مسیحؑ کی شان میں اہانت اور انجیل مقدس کی تحقیر اور تضحیک کو بلاس فیمو کہا جاتا ہے۔ انگریزی زبان کی مستند قانونی لغت بلیکز لا ڈکشنری (Black's Law Dictionary) کی رو سے بلاس فیمی ایسی تحریر یا تقریر ہے جو خدا' یسوع مسیحؑ) انجیل یا دعائے عام کے خلاف ہو اور جس سے انسانی جذبات مجروح ہوں یا اس کے ذریعہ قانون کے تحت قائم شدہ چرچ کے خلاف جذبات کو مشتعل کیا جائے اور اس سے بدکرداری کو فروغ حاصل ہو۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں بلاس فیمی کی تعریف ذرا کچھ مختلف ہے' جس میں بتلایا گیا ہے کہ مسیحی مذہب کی رو سے بلاس فیمی گناہ ہے اور علمائے اخلاقیات بھی اس کی تائید کرتے ہیں' جبکہ اسلام میں نہ صرف خدا کی شان میں بلکہ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی بھی بلاس فیمی کی تعریف میں آتی ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا' ج2' ص74)

برطانیہ میں توہین مسیحؑ (Blasphemy) کامن لا کے تحت قابل تعزیر جرم ہے' جبکہ بلاس فیمی ایکٹ (Blasphemy Act) میں مجرم کے لیے جسمانی موت کی بجائے شہری موت (Civil Death) کی سزا مقرر ہے جس کی رو سے حکومت ایسے مجرم کے سارے شہری حقوق سلب کرنے کی مجاز ہے۔ بلاس فیمی اگر تقریری ہو تو دو معتبر گواہوں کی شہادت لازمی ہوگی اور اگر تحریری ہو تو ایسی تحریر ثبوت جرم میں پیش کی جائے گی۔

معروف جج پولاک کے خیال میں بلاس فیمی ایکٹ کے تحت کسی شخص کو تادیبی موت (Civil Death) کی سزا نہیں دی گئی مگر برطانیہ ہی کے ایک دوسرے ممتاز جج برام ویل نے صحیح طور پر جج پولاک (Pollock) کی تردید کی ہے۔ ہم برام ویل جج کی تائید میں

ڈینس لی مون (Denis Lemon) ایڈیٹر گے نیوز (Gay News) کے ایک اہم مقدمہ کا حوالہ دیں گے۔ لی مون پر 1978ء میں توہین مسیحؑ کے الزام میں برطانیہ کی عدالت میں کیس دائر ہوا۔ ایڈیٹر لی مون پر الزام یہ تھا کہ اس نے حضرت مسیحؑ پر ایک مزاحیہ نظم لکھی ہے۔ جس میں اس نے ان کو ہم جنس پرستی کی طرف مائل دکھلایا تھا۔ اس مقدمہ کی اہم ترین بات یہ ہے کہ صفائی کے وکلاء نے ملزم کی طرف سے دفاع میں یہ نکتہ اٹھایا کہ ملزم نے بلاس فیمی کا ارتکاب ارادتاً (Wilfully) یا قصداً (Motive) نہیں کیا تھا۔ یہ بات اس نے بطور تفریح کہی ہے جس سے اہانت یا توہین مقصود نہیں۔ یہ وہی عذر ہے جو گستاخان رسالت شروع سے کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کا ذکر کلام الٰہی میں آج سے چودہ سو سال سے قبل ہی کر دیا تھا اور انہیں یہ بھی جتلایا تھا کہ یہ عذر قابل قبول نہیں ہو گا۔ دیکھئے قرآن حکیم کا یہ ارشاد:

قل اباللہ وٰایاتہٖ و رسولہٖ کنتم تستھزِءُون٥لاتعتَذِرُوْا قد کفرتم بعد ایمانکم (التوبہ:65)

"تم اللہ کے ساتھ۔ اس کی آیات کے ساتھ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ استہزا (ہنسی مذاق) کرتے ہو۔ تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔" بلاشبہ تم نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔"

لی مون (Lemon) کے مقدمہ میں میں صفائی کے وکلاء کا تمام تر زور اسی نکتہ پر تھا کہ گے نیوز (Gay News) میں ملزم نے مسیحؑ کے بارے میں ایسی بات تفریحاً یا دل لگی کے طور پر کی ہے جس میں اس کی نیت یا ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات بدنیتی سے کہی گئی ہے لیکن جیوری نے متفقہ طور پر قرآن مجید کے بیان کردہ فیصلہ کے مطابق ملزم کے اس عذر کو مسترد کر دیا اور یہ قرار دیا کہ بلاس فیمی یا توہین مسیحؑ کے کیس میں "نیت" یا "ارادہ" غیر متعلق (Irrelevant) ہیں کیونکہ جو بات جناب مسیحؑ کے بارے میں کہی گئی ہے اس کا براہ راست تعلق ایک واضح حقیقت (Facts) سے ہے جس کی وجہ سے پیروان مسیح کے جذبات مشتعل ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ ہر وہ بات اور ہر وہ چیز جو خدا، یسوع مسیحؑ اور بائبل کی تضحیک، استہزا، توہین اور تنقیص کا باعث ہو وہ بلاس فیمی یا قانون توہین مسیح کے تحت لائق تعزیر جرم ہے۔ اس لئے لی مون کو بلاس فیمی لا کے تحت جیوری نے سزا سنائی۔ فیصلہ میں مزید کہا گیا ہے کہ برطانیہ میں قانون تو اس بات کی اجازت

دیتا ہے کہ مذہب کا انکار کر دیا جائے وہ قابل گرفت جرم نہیں لیکن مذہب کے خلاف ناشائستہ اور اشتعال انگیز زبان استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

اس طرح اہانت رسول ﷺ کے بارے میں قرآن مجید کی یہ وعید کہ استہزا کرنے والوں کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو گا۔ بیسیوی صدی میں خود منکرین ہی کے ذریعہ پوری کر کے دکھلا دی گئی۔ فیصلہ کا اقتباس جو (Blasphemy and Bigotry) کے عنوان سے برطانیہ کے کثیرالاشاعت روزنامہ THE TIMES LONDON میں 27 اگست 1988ء کو ڈیوڈ ہالو وائی (David Hollow Y) نے رپورٹ کیا ہے درج ذیل ہے:

BLASPHEMY AND BIGOTORY

"Sincerity" and an "atmosphere of reverence" are not a sufficient defence against blasphemy. The 1978 conviction of Denis Lemon, editor of "Gay News", for publishing a poem suggesting that Jesus was a promiscuous homosexual established that the intention, or motive, of an artist is irrelevant. It is a question of fact: is Christian religious feeling "outraged and insulted"?

The law is clear: "Every publication is said to be blasphemous which contains ay contemptuous, reviling, scurrilous or ludicrous matter relating to God, Jesus Christ, or the Bible." The law allows you to attack, subvert or deny the Christian religion, but not in a way that is "indecent" or "intemperate".

راقم کے قیام انگلستان کے دوران یا اس کے بعد مندرجہ بالا فیصلہ کی کوئی تردید نظر سے نہیں گزری۔

امریکہ اور اس کی اکثر سیکولر ریاستوں میں قانون توہین مسیحؑ کو امریکی آئین کے بنیادی انسانی حقوق کے منافی نہیں قرار دیا گیا۔ اس سلسلہ میں امریکہ کی سپریم کورٹ نے بڑے دور رس فیصلے دیے ہیں جو ملک عزیز کے معروضی حالات میں نہایت اہم ہیں۔ یہاں ہم امریکی سپریم کورٹ کے ایک معرکۃ الارا فیصلے سٹیٹ بنام موکس

(State Vs. Mokas) سے ضروری اقتباس پیش کریں گے' جس میں آزادی مذہب اور آزادی پریس کے بنیادی حقوق سے بحث کرتے ہوئے فاضل عدالت عظمیٰ نے جو متفقہ فیصلہ دیا ہے' اس کی تلخیص حسب ذیل ہے:

"اگرچہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں چرچ اور اسٹیٹ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اور ان میں باہمی کوئی ربط اور تعلق نہیں لیکن اسلام' بدھ مت اور دیگر مذاہب کے مقابلہ میں پیروان مسیحؑ کی تعداد زیادہ ہے۔ حکومت کی زمام کار بھی ان ہی کے ہاتھوں میں ہونے کی وجہ سے ہر شعبہ زندگی میں ان کا اثر ورسوخ ہے اور عیسائیت ریاست اور ملک کی غالب اکثریت کا مذہب ہے۔" فاضل عدالت نے اپنے بصیرت افروز فیصلہ میں تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے "اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا میں تہذیب و تمدن کے آغاز ہی سے کسی ملک کے طرز حکومت کی تشکیل میں دین و مذہب کا نہایت اہم رول رہا ہے اور اس ملک کے استحکام اور بقا کا انحصار بڑی حد تک اس مذہب کے احترام اور تکریم سے وابستہ ہے جو وہاں کی غالب اکثریت کے دینی شعائر سے علیحدہ نہ ہونے والا لازمی حصہ ہے۔" (6)

فاضل عدالت نے اس کی مزید توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے "صدر امریکہ کی تقریب حلف وفاداری' اس کے علاوہ کانگریس اور مقننہ کی افتتاحی تقاریب اور عدالتوں کی کارروائی شہادت کا انجیل مقدس پر حلف سے آغاز سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مملکت کے تکون یعنی عدلیہ' مقننہ اور انتظامیہ کا بھی مذہب سے یک گونہ بالواسطہ تعلق ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ریفرنس کا جواب دیتے ہوئے حتمی طور پر یہ قرار دیا ہے کہ آزادی مذہب اور آزادی پریس کے آئینی تحفظات اور بنیادی حقوق' توہین مسیحؑ کے قانون اور اس کی بابت قانون سازی کی راہ میں مزاحم نہیں ہیں۔(7)

امریکہ کی سپریم کورٹ کے اس معرکہ الارا اور تاریخی فیصلہ کا حوالہ ہم نے اپنی سپریم کورٹ کے تاریخ ساز فیصلہ ظہیرالدین والی اپیل میں آزادی مذہب اور بنیادی حقوق کے ایشو پر دوران بحث دیا تھا۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں فیصلہ کے اصل متن کا متعلقہ حصہ انگریزی ہی درج کر رہے ہیں۔

The Relevant portion reads as under:-

"It is farthest from our thought to claim superiority for any

religious sect, society, or denomination, or even to admit that there exists any distinct, avowed connection between church and state in these United States or in any individual state, but, as distinguished from the religions of Confucius, Gautama, Muhammad, or even Abraham, it may be truly said that, by reason of the number, influence, and station of its devotees within our territorial boundaries, the religion of Christ is the prevailing religion of this country and of this state. With equal truth may it be said that from the dawn of civilization, the religion of a country is a most important factor in determining its form of government, and that stability of government in no small measure depends upon the reverence and respect which a nation maintains towards its prevalent religion.

Within the limits of an opinion it would not be expected that all the tenets of the Christian religion could be expounded, or even enumerated, but for our purpose it will be enough to say that this religion teaches acknowledgement of the exitence, presence, knowledge and power of God, as related to human beings in all their walks of life; this religion teaches dependence upon God; this religion teaches reverence toward God and respect for Holy Scripture. Even as we are writing these words the man who is about to assume the duties of the high and responsible station of President of these United States, following the unbroken custom of more than a century, and to the end that his official vow may be more impressive and binding reverently says, "So help me God", and then pausing,

with a kiss. Congress and state Legislatures open their sessions with prayer addressed to the God of the Christian religion. Judicial tribunals, anxious to discover and apply the truth, the whole truth, and nothing but the truth, require justice to be sworn by an oath which recognizes deity. Thus it will be seen that there is acknowledgement of God in each co-ordinate branch of government. Lest any argument in support of the recognition of God in the fundamental law of our state should be overlooked, we point to the very preamble of our Constitution: "We, the people of Maine, in order to establish justice, insure tranquility, provide for our mutual defence, promote our common welfare, and sequre to ourselves and our posterity the blessings of liberty, acknowledging with grateful hearts the goodness of the Sovereign Rule of the Universe in affording us an opportunity so favourable to the design; and imploring His aid and direction in its accomplishment to ordain and establish the followin Constitution". In view of all these things, shall we say that any word or deed which would express the God of the Christian religion, or the Holy Scriptures, "to contempt and ridicule", or which would rob official oaths of any of their sanctity, thus undermining the foundations of their binding force, would be protected by a constitutional religious freedom whose constitutional limitation is nondisturbance of the public peace? We register a most emphatic negative".

State V. Mockus, 113 A, 39, 42, 120 ME. 84, 14A.L.R.871.

No more argument is required after the irrefutable reasoning of

American Supreme Court to prove the law of contempt of the Holy Prophet (PBUH) to be justifiable in Pakistan.

یورپ کے قانون داں بلاس فیمی کے قانون کی توجیہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ اس قانون کا محرک بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب پر حملہ دراصل ریاست پر حملہ کے مترادف ہے۔ ان کی رائے میں اسی وجہ سے اکثر سیکولر ریاستوں میں بھی بلاس فیمی کو قابل تعزیر جرم بنا دیا گیا۔

مقننین کی اس منطقی توجیہ اور امریکہ کی سپریم کورٹ کے ان ناقابل تردید دلائل کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ مملکت خداداد پاکستان' جسے غلامان محمد عربی ﷺ نے علیحدہ قومیت کی بنیاد پر حاصل کیا تھا' جہاں ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہے' جہاں پارلیمنٹ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ شرع محمد ﷺ کے خلاف کوئی قانون سازی کرے' نہ ہی عدلیہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ قرآن اور سنت رسول ﷺ کے خلاف کوئی فیصلہ صادر کرے اور نہ ہی انتظامیہ کو شرع پیغمبر ﷺ سے سرمو اختلاف کی جسارت ہو سکتی ہے' تو ایسے میں کیا جمہوریہ اسلامیہ پاکستان میں ہر کسی کو یہ کھلی اجازت ہے کہ وہ مسلمانوں کے آقا و مولا سرکار ختمی مرتبت ﷺ جن کے نام و ناموس پر مسلمان اپنی جان و مال اور ہر چیز قربان کرنے کو حاصل حیات سمجھتا ہے' کی شان میں گستاخی کرے اور قانون کی گرفت سے آزاد رہے۔

تاریخ کی یہ ایک معروضی حقیقت ہے کہ ماضی میں برطانیہ' امریکہ' روس اور یورپ کے کسی ملک میں بھی جب تک چرچ اور سٹیٹ' دین اور ریاست ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے تھے' اس وقت تک ان سارے ملکوں میں چرچ کو مملکت پر برتری حاصل تھی اور وہاں یسوع مسیحؑ کی پرستش ہوتی رہی اور اس کے درپردہ کلیسا کو ملک کے سیاہ و سفید پر اقتدار کلی حاصل تھا' جس نے نشہ اقتدار میں بدمست ہو کر انسانیت پر لرزہ خیز مظالم کیے' جس کے خلاف بغاوت کے نتیجہ میں چرچ اور مملکت' دین اور سیاست کی تفریق عمل میں آئی۔ اس لیے ان ملکوں نے سیکولر یعنی لادینی طرز حکومت کو اپنا لیا۔ اس کے باوجود ذوق پرستش ختم نہ ہو سکا۔ اور اس نے ایک نئی صورت اختیار کر لی۔ اب یسوع مسیحؑ کی بجائے ریاست کو فیٹش (Fetish) یعنی پوجمان شے بنا لیا گیا اس لیے دنیا میں جہاں جہاں بھی سیکولر حکومتیں قائم ہوئیں' وہاں ریاست کی مخالفت کو سنگین جرم بغاوت اور

غداری قرار دیا گیا۔ آج دنیا کے تمام ملکوں میں خواہ وہ سیکولر ہوں یا غیر سیکولر جرم بغاوت کا قانون موجود ہے' جس کی سزا سزائے موت مقرر ہے۔ جو لوگ اس جرم کے الزام میں ماخوذ ہوں' انہیں گولیوں سے اڑا دیا جاتا ہے یا پھر انہیں تختہ دار پر کھینچا جاتا ہے۔ امریکہ جیسے مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں میں بھی انہیں گیس چیمبرز' الیکٹرک چیئر میں بٹھا کر اذیت ناک طریقہ سے مار دیا جاتا رہا ہے اور جس ملک میں اس جرم کی سزا' عمر قید ہے' وہاں ایسے ملزموں کو عقوبت خانوں میں تڑپ تڑپ کر مرنے کے لیے بند کر دیا جاتا ہے' مگر اس قانون کے خلاف آج تک کسی نے لب کشائی نہیں کی' تو پھر کیا پاکستان ہی میں' جو اس محسن انسانیت ﷺ کی نسبت غلامی کی وجہ سے معرض وجود میں آیا اور جن کا نام نامی ہی اس ملک کے قیام اور بقا کا ضامن ہے' اس کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے والوں کے خلاف قانون توہین رسالت' قابل اعتراض قانون ہے! قانون توہین رسالت پر اعتراض دراصل دین و مذہب بلکہ خود اپنی عقل و دانش اور فہم و فراست سے یکسر انکار ہے۔

اسلامی ملکوں میں قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قبل ازیں ہم نے شاتم رسول کے بارے میں قرآن و حدیث اور ائمہ فقہ کے احکام بیان کرتے ہوئے محدثین' فقہا اور علماء کی تحقیق و اجتہاد کا ذکر مختلف ادوار کے حوالہ سے کیا ہے' اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت رہی ہے' وہاں شاتم رسول کو سزائے موت بطور حد دینے کا قانون ملک کے قانون عام (Common Law) کے طور پر نافذ رہا ہے۔ چنانچہ حجاز' شام' عراق' مصر' سوڈان' مراکش' سپین' ترکی' سمرقند' بخارا' ایران' افغانستان اور ہندوستان میں بھی جب تک اسلامی قانون نافذ رہا ہے' شاتم رسول کو سزائے موت بطور حد دی جاتی رہی اور کسی مسلک یا مذہب اور مکتب فقہ کے گروہ یا جماعت نے اس سے اختلاف نہیں کیا اور مسلمہ طور پر یہ مذہب جمہور چلا آ رہا ہے۔ دیگر پیروان مذاہب و ادیان نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی کیونکہ قرآن اور اسلام کی تعلیمات تو یہ رہی ہیں کہ تمام انبیاؑ اور پیغمبران مذاہب میں کوئی فرق و امتیاز نہیں' البتہ فضیلت اور اتمام نعمت کا معاملہ اور ہے۔ اسلام تو اپنے پیروان مذہب کو اس بات سے بھی منع کرتا ہے کہ وہ دیگر مذاہب وادیان کے معبودوں تک کو' جو معبود حقیقی نہیں' برا بھلا نہ کہیں تاکہ انہیں خدائے بزرگ و برتر اور پیغمبر برحق کی شان میں گستاخی کا موقع نہ مل سکے۔ اس کے باوجود اگر کوئی بدبخت پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام یا کسی اور مذہب کے فرستادہ پیغمبر کی توہین اور تنقیص کرتا ہے' تو اسلام نے اس کے لیے جائز طور پر سزائے موت تجویز کی ہے۔

یورپ میں جب مسلمانوں کی حکومت سپین میں قائم ہوئی' تو وہاں کے عام شہریوں کو کلیسا اور پادریوں کے خود ساختہ نام نہاد مذہبی قوانین کی سخت گیری سے نجات ملی اور اس کے بجائے اسلام کے عادلانہ اور فلاحی نظام کی بدولت انہیں خوش حالی' تعلیم و تمدن اور امن و سلامتی نصیب ہوئی۔ لیکن چونکہ اہل کلیسا کے ہاتھوں سے اقتدار جاتا رہا' اس لیے ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف آتش انتقام بھڑک اٹھی' جس نے انہیں پاگل کر دیا۔ اگر وہ مسلمانوں کی حکومت یا ان کے نظام حکومت پر تنقید کرتے یا اس کے خلاف ہرزہ سرائی بھی کرتے' تو حکومت وقت اسے نظرانداز کر دیتی کیونکہ خلفائے راشدین اور مسلمان حکمرانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی ذات پر حملہ

کرنے والوں کو معاف کرتے رہے ہیں' جس کا عیسائیوں کے مذہبی پیشواؤں کو بخوبی علم تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں اور ان کے حکمرانوں کے لیے اگر کوئی چیز ناقابل برداشت ہے تو وہ ان کے آقا و مولا پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کی شان اقدس میں گستاخی ہے' اس لیے سپین کے پادری اور ان کے حواریوں نے ایک باقاعدہ منظم سازش کے تحت شماتت رسول ﷺ کا ناپاک منصوبہ بنایا۔ اس سلسلہ میں جناب سید سلطان محمد شاہ نے تاریخی حوالوں سے ایک مبسوط مقالہ "اسپین میں تحریک شماتت رسول ﷺ" لکھا ہے۔ جس سے متعلقہ اقتباس صاحب مضمون کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین ہے۔ اس مقالہ کا ماخذ زیادہ ترلین پول اور ڈوزی جیسے متعصب عیسائی مورخین کی تصانیف ہیں' جن میں واقعات کو مسخ کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان مورخین نے اسپین کے مسلمان حکمرانوں کی رواداری' عدل گستری' اسلامی مساوات اور ان کے دور میں علوم و فنون' تہذیب و تمدن' فلسفہ اور سائنس کے فروغ کو تسلیم کیا ہے مگر پھر بھی اسلام کے خلاف ان کی زہر ناکی نمایاں ہے۔

سپین میں تحریک شماتت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم):

"مسلمان اندلس میں حکمران ہوئے تو انہوں نے عیسائیوں سے رواداری کا سلوک کیا۔ عبدالرحمٰن الاوسط انتہائی رحم دل حکمران تھا۔ اس کے عہد میں سپین میں بہت سے نصرانی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ مسلمانوں کے عمدہ اخلاق نے عیسائیوں کو بہت متاثر کیا اور وہ عربی زبان اور اسلامی تمدن کی طرف مائل ہوگئے۔ نصرانی پادریوں کو اس پر سخت غصہ اور رنج ہوا۔ اسی زمانے کا ایک متعصب عیسائی الوارو رقمطراز ہے:

> "میرے ہم مذہب عیسائی عربوں کی شاعری اور افسانوں سے حظ اٹھاتے ہیں۔ وہ مسلمان فقیہوں اور فلسفیوں کی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں۔ اس غرض سے نہیں کہ ان کی تردید کریں بلکہ اس لیے کہ صحیح اور نفیس عربی لکھنی آجائے۔ پادریوں کو چھوڑ کر آج کون سا عیسائی ہے' جو کتب مقدسہ کی تفسیریں لاطینی زبان میں مطالعہ کرتا ہو۔ کون سا عیسائی ہے' جو انجیل یا انبیاء اور حواریوں کے حالات پڑھتا ہو۔ افسوس کہ ایسے نوجوان عیسائی' جو ذہانت اور لیاقت میں اونچا درجہ رکھتے ہیں' ان

کو سوائے عربی کے کسی اور زبان سے واقفیت نہیں۔" (8)

جونہی عیسائیوں میں مشرقیت بڑھتی گئی' پادریوں کی تشویش میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور مسلمانوں کے خلاف انکے نفرت بھرے جذبات بڑھتے گئے۔ امیر عبدالرحمٰن کی رواداری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے شماتت رسول (ﷺ) کی تحریک شروع کی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے لین پول لکھتا ہے:

"اندلس میں عیسائیوں کو اپنے مذہبی مراسم آزادی سے انجام دینے کی جو رعایتیں حاصل تھیں' ان کی طبائع کی کج روی سے اس کا عجیب برعکس قسم کا نتیجہ ظاہر ہوا۔ اندلس کے پادری' کلیساؤں کے پچھلے اقتدار کو بحال کرنے کے خواہاں تھے' لیکن اسلامی حکومت کی اس روادارانہ روش سے ان کو عیسائیوں کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کا موقع نہ مل سکتا تھا' اس لیے انہوں نے چند غالی مسیحیوں میں یہ خیالات پیدا کیے کہ مذہب کی اصل روح تکلیفیں اٹھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے حکمرانوں کو مشتعل کرکے انسانی جسم اور گوشت پوست کو تکلیفیں پہنچائی جائیں تاکہ روح کا تزکیہ و تقدیس ہوسکے۔ اس تحریک کا بانی قرطبہ کا ایک راہب یولوجیس تھا۔ وہ مجاہدے کی راہبانہ زندگی کی وجہ سے عیسائیوں میں عقیدت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس نے چند نوجوانوں میں فدائیت کا جذبہ پیدا کیا کہ اپنی روح کو پاک کرنے کیلئے اس نئے دین اسلام اور اس کے داعی (علیہ الصلوۃ والسلام) پر سب و شتم کریں۔ اسلامی قانون کی رو سے اسلامی حکومت میں شاتم رسول (ﷺ) کی سزا قتل ہے۔ گویا یہ نوجوان حضرت مسیح (علیہ السلام) کی پیروی کریں گے اور اپنی جانوں کو قربان کرنے کے لیے صلیب پر چڑھ جائیں گے۔" (۹)

"امیر (عبدالرحمٰن) کے عہد دولت کے آخری ایام عیسائیوں پر (ان کی ناپاک جسارت کے سبب) سختی اور تشدد کی وجہ سے بہت برے گزرے۔ عیسائی مذہبی دیوانے' بے ہودہ شہرت اور مفروضہ قربانی کی خاطر مسجدوں کو ناپاک بنا دیتے اور نبی اکرم ﷺ کی شان عالی میں بے

ہودہ باتیں کہتے۔ سختی سے کام لیا گیا اور نرمی سے بھی لیکن یہ سلسلہ بند نہ ہوا۔ ان واقعات نے امیر کی صحت پر برا اثر ڈالا اور وہ 852ء میں دنیا سے رخصت ہوئے۔"(10)

"شاتت رسول ﷺ کی یہ تحریک امیر عبدالرحمٰن الاوسط کے دور میں شروع ہوئی اور اس کے فرزند ارجمند امیر محمد بن عبدالرحمٰن کے عہد میں اپنے انجام کو پہنچی۔ دونوں باپ بیٹوں نے توہین رسول ﷺ کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے شرعی قانون کے مطابق سزائے موت کا فرمان جاری کیا تھا۔ یہ تحریک 234 ہجری (850ء) میں شروع ہوئی اور 246 ہجری (860ء) میں ختم ہوئی۔"(11)

اس دوران بہت سے شاتمان مصطفیٰ (ﷺ) کو واصل جہنم کیا گیا۔ سٹینلے لین پول کے بقول 851ء کے موسم گرما کے دو مہینے سے کم عرصے کے اندر گیارہ گستاخوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ ہیرلڈ لیور مور تعداد بتائے بغیر بہت سے عیسائیوں کے قتل کیے جانے کا ذکر کرتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں 53 افراد کے شاتت رسول (ﷺ) کی پاداش میں قتل کی جانے کا تذکرہ ملتا ہے۔ این میری شمل بھی عیسائی گستاخوں کی دانستہ طور پر پیغمبر اسلام ﷺ کی بے ادبی کرنے کی سزا میں قتل ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اب ان بدبختوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے جھوٹی شہرت کے لیے اپنی آخرت برباد کرلی۔

یولوجیئس:

اندلس میں چلائی جانے والی تحریک شاتت رسول (ﷺ) کا بانی پادری یولوجیئس تھا۔ وہ قرطبی خاندان کا آدمی تھا۔ یہ خاندان جس قدر عیسائی مذہب سے شغف رکھتا تھا' اسی قدر اسلام سے عداوت رکھنے میں مشہور تھا۔ یولوجیئس کا دادا (اس کا نام بھی یولوجیئس ہی تھا) جس وقت مسجد کے مینار سے موذن کی آواز سنتا تھا' تو اپنے جسم پر نشان صلیب بناتا تھا اور داؤد نبی کا یہ زبور گانے لگتا تھا۔ "اے خدا! چپ نہ ہو۔ اے خدا! چین نہ لے' کیونکہ دیکھ تیرے دشمن اودھم مچاتے ہیں اور ان لوگوں نے جو تجھ سے کینہ رکھتے ہیں' سر اٹھایا ہے۔" یولوجیئس کی تعلیم شروع ہی سے اس غرض سے ہوئی تھی کہ پادری بنے۔

خانقاہ سنت زولوس کے پادریوں کی شاگردی میں اس نے رات دن اس قدر محنت کی کہ اپنے ہم مکتبوں ہی سے نہیں بلکہ استادوں سے بھی (مسلم دشمنی میں) بڑھ گیا۔ اس کے بعد وہ پوشیدہ طور پر قرطبہ کے مشہور و معروف مسیحی علماء بالخصوص رئیس راہبان اسپرا کے درس میں شریک ہونے لگا' جو انتہائی متعصب اور اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اس نے یولو جیئس پر اپنا اثر دکھایا اور اسی رئیس راہبان نے اس کے دل میں اسلام کی طرف سے وہ عداوت پیدا کر دی جو بعد میں یولوجیئس کی طبیعت کا خاصا ہو گئی۔

یولو جیئس شروع میں سنت زولوس کے گرجا میں شماس کے عہدے پر مقرر ہوا' پھر وہاں کا پادری ہو گیا۔ عیسائی اس کی نیکیوں کی تعریف کرنے لگے۔ یہ بدبخت جہاں پیغمبر اسلام ﷺ سے عداوت رکھتا تھا' وہاں جب بھی کوئی مہوش اور پری جمال چہرہ دیکھتا' اس کی زلف پر پیچ کا اسیر ہو کر رہ جاتا۔ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی نے کئی موقعوں پر اس حقیقت کی طرح اشارہ کیا ہے کہ یولو جیئس دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ لکھتا ہے "راہبات کی خانقاہوں کا جاکر معائنہ کرنے میں اس کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا"۔ ایک اور مقام پر لکھتا ہے "باوجود اس سخت اور افسردہ زندگی کے' عشق مجازی کی ایک نازک شعاع نے اس کے دل کو روشن کر دیا۔"

قرطبہ کے اسی پادری نے 850ء میں سر عام پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی گستاخی اور بے ادبی کرنے کی تحریک کا آغاز کیا۔ یہ امیر عبدالرحمٰن کا دور حکومت تھا۔ یولو جیئس نے لاطینی زبان میں کسی عیسائی کی لکھی ہوئی پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کی کتاب کا مطالعہ کیا' جس میں معجزات مصطفیٰ ﷺ کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس سے اس کے دل میں حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے خلاف نفرت میں اور اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اتفاق سے اس کی ملاقات رسول اکرم ﷺ پر سب و شتم کرنے کی سزا میں کوڑے کھانے والی فلورا سے ہو گئی۔ پہلی ملاقات ہی میں اس نے یولو جیئس کو اپنے دام محبت میں اسیر کر لیا۔ ایک خط میں پہلی ملاقات اور کوڑوں کے زخموں کا ذکر کرتے ہوئے یولو جیئس اپنی محبوبہ فلورا کو لکھتا ہے۔

> "ایک زمانہ تھا کہ تم نے اپنی مجروح گردن' جس پر تازیانے کے نشان تھے' مجھے دکھانے کی عزت بخشی تھی۔ افسوس اس وقت وہ خوبصورت لمبے لمبے بال' جن میں حسین گردن چھپی رہتی تھی' موجود نہ

تھے۔۔۔ نرمی سے میں نے اپنا ہاتھ تمہارے زخموں پر رکھا۔ اے کاش مجھ کو یہ مسرت نصیب ہوتی کہ ایک بوسے سے ان زخموں کو اچھا کر دیتا۔ مگر ہمت نہ پڑی۔۔۔ جس وقت تم سے رخصت ہوا تو زمین پر میرے قدم اس طرح پڑتے تھے جیسے کوئی خواب میں چلتا ہوا اور میری آہوں کا یہ حال تھا کہ بند ہونا نہ جانتی تھیں۔"

یہ ہے اس رسوائے زمانہ شخص کا ذاتی کردار' جو خلاصہ موجودات اور دیباچہ کائنات ﷺ جیسی ہستی کے متعلق نازیبا باتیں گھڑتا اور عیسائیوں کو ان کی توہین و تضحیک پر اکساتا تھا۔ امیر عبدالرحمٰن نے تحریک شاتمت رسول (ﷺ) کے سرگرم ارکان کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ ان میں یولو جیئس بھی تھا۔ جب فلورا کو بھی زنداں میں ڈالا گیا' تو یہاں بچھڑے دلوں کو ایک بار پھر وصل کی گھڑیاں میسر آئیں' جس کا یولو جیئس بے چینی سے منتظر تھا۔ یہاں اس نے اپنا رسالہ "یادگار شہداء" مکمل کیا اور 24 نومبر851ء کو اپنی محبوبہ فلورا کے قتل پر ایک پردرد گیت لکھا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن کی وفات سے ایک سال قبل اسے رہا کیا گیا' لیکن یہ اپنی مجنونانہ حرکتوں سے باز نہ آیا اور عبدالرحمٰن کے فرزند کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا۔ اس کے قتل کے بعد اس کی چلائی ہوئی تحریک خودبخود ختم ہوگئی۔ لیور مور نے لکھا ہے کہ یولو جیئس کا 859ء میں سر قلم کیا گیا۔(12)

کیمبرج میڈیول ہسٹری ج سوم ص416۔417 میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ مطالعہ مزید کے لیے ول ڈیوراں "عہد مذہب" صفات 300۔301 رابن ہارٹ ڈوزی ہسپانوی اسلام صفحہ 268

فلورا:

فلورا قرطبہ کی ایک نوجوان اور حسین دوشیزہ تھی۔ اس نے تحریک شاتمت رسول (ﷺ) میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور خود کو جہنم کا ایندھن بنا کر اپنی جوانی کی خواہشات کو دل میں بسائے یولو جیئس کی آنکھوں سے ہمیشہ کے لیے اوجھل ہوگئی۔ فلورا کا باپ مسلمان اور ماں عیسائی تھی۔ باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے اسے عیسائیت کی تعلیم دی۔ بائبل کی اس عبارت سے کہ "وہ شخص جو لوگوں کے سامنے میرا انکار کرے گا' میں اس باپ کے سامنے' جو آسمان میں ' اس سے انکار کردوں گا" اس کے جذبات

برانگیختہ ہوئے۔ وہ بھائی کے گھر سے نکل بھاگی اور عیسائیوں میں جاکر پناہ گزین ہوگئی۔ جب اس کے فرار ہونے کی ذمہ داری عیسائی پادریوں کے سر ڈالی گئی تو وہ گھر واپس آئی اور دین مسیحی قبول کرنے کا اعلان کیا۔ بھائی نے اس کو سمجھایا مگر وہ عیسائیت پر قائم رہی۔ اس کا معاملہ شرعی عدالت میں لایا گیا۔ اس کے بھائی نے قاضی سے کہا "یہ میری بہن ہے۔ ہمیشہ اسلام کی عزت کرتی تھی اور میرے ساتھ نماز روزہ کرتی تھی مگر عیسائیوں نے اسے گمراہ کر دیا۔ ہمارے رسول مقبول ﷺ کی طرف اس کے دل میں نفرت پیدا کی اور اس بات کا یقین دلایا کہ عیسیٰ خدا ہے۔" قاضی نے فلورا سے پوچھا "تمہارا بھائی جو کچھ کہتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ فلورا نے جواب دیا: قاضی! کیا تو اس بے دین کو میرا بھائی کہتا ہے؟ یہ میرا بھائی نہیں ہے' میں اس کو اب اپنا بھائی نہیں سمجھتی۔ جو کچھ وہ کہتا ہے' سب جھوٹ ہے۔ میں کبھی مسلمان نہ تھی۔ میں نے بچپن سے ہمیشہ مسیح پر ایمان رکھا اور مسیح ہی میرا خدا ہے۔"

قاضی نے فلورا کی کم سنی کے باعث اس کے قتل کا حکم جاری کرنے کے بجائے اس کی گردن پر کوڑے لگوائے اور اسے بھائی کے حوالے کر کے کہا "اس کو دین برحق کی تعلیم دو۔ اگر پھر بھی وہ اس حالت کو نہ بدلے تو اسے میرے پاس لاؤ۔" اسے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ چند دن بعد وہ چھت پر چڑھ کر وہاں سے گلی میں کود گئی اور ایک عیسائی کے گھر میں روپوش ہوگئی۔ یہیں اس کی ملاقات یولوجیئس پادری سے ہوگئی' جو اس کے عشق میں گرفتار ہوا۔ کافی عرصہ کے بعد ایک دن کلیسا گئی اور وہاں میری نامی عیسائی لڑکی سے ملی۔ وہ بھی اس کی طرح آنحضرت ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ کہتی تھی' چنانچہ دونوں قاضی کے پاس آئیں اور آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات پے در پے کہے۔ قاضی نے ان کو باز رہنے کی تلقین کی۔ پھر گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیج دیا جہاں یولوجیئس پہلے ہی قید تھا۔ یہ دونوں لڑکیاں گستاخی کا ارتکاب کرتی رہیں' چنانچہ 24 نومبر 851ء کو انہیں قتل کر دیا گیا۔ لین پول اس کے قتل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ فلورا اگر کسی جائز مقصد پر اپنی جان قربان کرتی تو اس سے زیادہ ناموری کی مستحق ہوتی۔(13)

اسحاق راہب:

اسحاق قرطبہ کے عیسائی ماں باپ کا بیٹا تھا۔ عربی زبان خوب جانتا تھا۔ ابھی نو عمر ہی

تھا کہ امیر عبدالرحمٰن کے دربار میں اس کو کاتب کی جگہ مل گئی۔ لیکن 24 برس کی عمر میں دنیا سے کنارہ کش ہو کر حبانوس کی مسیحی خانقاہ میں گوشہ نشین ہوگیا' جہاں متعصب پادریوں کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کی وجہ سے اس کے دل میں جوش پیدا ہوا کہ وہ اپنی جان دے کر بزرگی حاصل کرے۔ ایک دن وہ خانقاہ سے نکل کر قرطبہ پہنچا اور قاضی کے سامنے آکر کہا "میں آپ کا دین قبول کرنا چاہتا ہوں۔ مہربانی کرکے آپ مجھے اس کی ہدایات کریں۔" قاضی اس سے خوش ہوکر اسے دین اسلام کے متعلق بتانے لگا تو اس نے برملا حضور نبی کریم ﷺ پر سب و شتم کیا۔ جب قاضی نے سمجھایا تو اس کو بھی برا بھلا کہا۔ قاضی نے اسے جیل بھیج دیا۔ امیر عبدالرحمان نے اس گستاخ رسول (ﷺ) کی بابت حکم جاری کیا کہ اسے پھانسی دی جائے۔ چنانچہ جون 851ء میں ان احکام کی تعمیل ہوئی۔(14)

سانکو:

اسحاق کے قتل کے دو دن بعد ایک افرانجی عیسائی نے' جس کا نام سانکو تھا اور امیر عبدالرحمٰن کی محافظ فوج کا ایک سپاہی اور پادری یولوجیئں کا شاگرد تھا' پیغمبر اسلام (ﷺ) کو گالیاں دیں اور قتل ہو کو واصل جنہم ہوا۔ رائن ہارٹ ڈوزی کے علاوہ لین پول کی کتاب کے ترجمے میں اس کا نام سانچو لکھا ہے۔ شاید اصل نام سینکو تھا۔(15)

جرمیاس اور چھ راہب:

سانچو کے قتل کے بعد اتوار کے دن (7 جون 851ء) چھ راہب جن میں ایک اسحاق کا چچا جرمیاس اور دوسرا ایک راہب جانبتوس تھا' جو اپنے حجرے میں ہمیشہ تنہا پڑا رہتا تھا۔۔ قاضی کے سامنے آئے اور کہا "ہم بھی اپنے دینی بھائیوں سانکو اور اسحاق کے الفاظ کا اعادہ کرتے ہیں اور پھر پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام) پر سب و شتم کرنے لگے۔ یہ چھ کے چھ قتل کر دیئے گئے لین پول نے بھی ان کے نام بتائے بغیر ان کے توہین رسول (ﷺ) کے ارتکاب کرنے اور قتل کردیئے جانے کا ذکر کیا ہے۔(16)

سیسی نند:

سنت ایکس کلوس کے گرجا کا ایک پادری' جس کا نام سیسی نند تھا' نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی گستاخی کا مرتکب ہوکر واصل جنہم ہوا۔ (10)

پولوس:

پولوس سنت ایکس کلوس کے گرجا میں شماس تھا۔ سیسی نند نے قتل ہوتے وقت اسے اس ذلت کی موت مرنے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ یہ لعین بھی سیسی نند کے قتل کے چار دن بعد جولائی کو حضور سید عالم ﷺ کے خلاف نازیبا کلمات کہنے کے باعث قتل کر دیا گیا۔(17)

تھیودو میر:

تھیودو میر شہر قرمونہ کا ایک جوان راہب تھا۔ توہین رسول (ﷺ) کا مرتکب ہو کر مسلم حکومت کے حکم سے قتل ہوا۔(18)

آئیزک:

آئیزک عیسائی نے بھی قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جیسے ہی اس کو مسلمان کرنے کے لیے دینی عقائد اس کے سامنے بیان کئے گئے اس نے بھی سب و شتم شروع کر دیا۔ قاضی کے لیے برداشت کرنا دشوار ہو گیا۔ اس نے اس ذلیل کو ایک طمانچہ رسید کر کے کہا کہ جانتا ہے کہ اسلام میں اس کی سزا قتل ہے۔ اس نے کہا کہ وہ جان بوجھ کر یہاں آیا ہے۔ اس لیے کہ خدا فرماتا ہے کہ مبارک ہیں وہ لوگ جو دین داری کے لیے ستائے گئے۔ آسمان کی بادشاہت انہی کے لیے ہے۔ اس شاتم رسول (ﷺ) کو بھی قتل کر دیا گیا۔ شاید آئیزک' جرمیاس اور جانبتوس کا ساتھی تھا۔ کیونکہ پروفیسر رائن ہارٹ ڈوزی نے میری کے ذکر میں آئیزک کو مذکورہ بالا چھ راہبوں میں شمار کیا (رابن ہارٹ ڈوزی ہسپانوی اسلام۔)

میری:

میری آئیزک کی بہن تھی جو قرطبہ کی ایک مسیحی خانقاہ کی راہبہ تھی۔ اتفاقاً اس کی ملاقات فلورا سے ہو گئی۔ دونوں نے قاضی کے سامنے پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں بے ادبی کی۔ میری نے قاضی سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں ان چھ "شہیدوں" میں سے ایک کی بہن ہوں جو تیرے پیغمبر (ﷺ) کو دشنام دے کر قتل ہوا ہے۔ پھر اس نے بھی دشنام طرازی کی۔ چنانچہ اسے بھی فلورا کے ساتھ 24 نومبر 851ء کو قتل کر دیا گیا۔

یہ ان بدنصیب مردوں اور خواتین کا ذکر تھا جنھوں نے حضرت محمد ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کیا اور ان کو امیر عبدالرحمٰن اور اس کے بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن کے عہد میں قتل کیا گیا۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ مسلم مؤرخین نے اول تو ان کا ذکر کرنا ہی مناسب نہیں سمجھا اور اگر ان کے متعلق کچھ لکھا بھی ہے تو انتہائی مختصر لکھا ہے۔ تاہم مسیحی مؤرخین نے خوب بڑھا چڑھا کر اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔

تحریک شماتت رسول ﷺ کا اختتام:

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس تحریک کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور زیادہ تر پادری ہی لقمہ اجل بنے۔ کیونکہ عیسائی شرفاء امیر عبدالرحمٰن کے اس قدر گرویدہ اور جانثار تھے کہ انہوں نے اپنی متحدہ کوشش سے عوام الناس کو پادریوں کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھا۔ سب ان خود غرض پادریوں کو یہ جواب دیتے تھے کہ عربوں کی حکومت سے ہم کو کیا نقصان پہنچا ہے جو ہم بلاوجہ تمہارا ساتھ دیں اور اپنی جانوں اور آزادی کو کھو دیں۔ ہم ہر طرح آزاد اور ہماری جان اور مال ہر طرح محفوظ ہے۔ عرب ہمارے مذہب میں بالکل دخل نہیں دیتے۔ ہم بالکل مطلق العنان اور خوش حال ہیں۔ ان فوائد کے عوض محض حکومت کی تمنا میں (جیسا کہ پادری چاہتے تھے) اپنی جان اور مال تلف کر دینا عقل و دانش سے بالکل بعید ہے۔ لین پول لکھتا ہے۔ "ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مسیحی "شہداء" راہ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ بے شک انہوں نے اپنی عزیز جانوں کو مفت ضائع کیا اور انہوں نے جو کچھ کیا' فی الجملہ برا کیا۔"

امیر عبدالرحمٰن نے اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے ایک کلیسائی کونسل بٹھانے کا فیصلہ کیا جو عیسائیوں کو پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کی بے ادبی سے روکے۔ چنانچہ تمام اساقفہ کو ایک مجلس میں جمع کیا گیا اور بادشاہ کی طرف سے ایک عیسائی سرکاری عہدے دار نے اس مجلس میں شرکت کی۔ جس کا نام قومس بن انطونیان تھا۔ لین پول اس کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہے "تمام مجتہدین کی ایک کونسل جس کا صدر نشین اشبیلیہ کا مجتہد اعظم تھا' منعقد ہوئی اور اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ اس وقت تک جس قدر لوگ "شہید" ہو چکے ہیں چونکہ تمام کلیساؤں نے بالاتفاق ان کو "شاہ ولایت" تسلیم کیا ہے لہٰذا وہ ہر قسم

کے جرم و سزا سے بری کیے جائیں مگر آئندہ جو شخص ان کا اتباع کرے گا' وہ مجرم اور خارج از مذہب سمجھا جائے گا۔

لیکن مفسد و مجنون طبیعتوں نے اساقفہ کے اس حکم سے سرتابی کی اور پادری جن کا سرغنہ یولو جیئس تھا' اپنی روش سے نہ ہٹے۔ امیر عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد محمد بن عبدالرحمٰن کے عہد میں پادری یولو جیئس کے قتل کے ساتھ یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا۔(20)

ریجی نالڈ اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ :

شیطان صفت پرنس ارطاۃ "والی کرک" ریجی نالڈ نے جزیرہ نمائے عرب پر لشکر کشی کا قصد کیا تاکہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے مزار مقدس کو منہدم اور مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کو مسمار کر دے۔ جب وہ سمندری راستے سے حملہ آور ہوا تو مسلمان مقابلے کے لیے مدینہ پاک سے روانہ ہوئے۔ اس کی فوج اسلامی لشکر کو دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ اپنے جہازوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی جانب بھاگی۔ مسلم سپاہ نے انہیں پہاڑوں اور باغ سے پکڑ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ریجی نالڈ جیسا شاتم رسول (ﷺ) خود بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن ابلیس کا یہ فرزند اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانا اور حضور ﷺ کی توہین کا ارتکاب کرنا اس کی فطرت کا جزو لاینفک بن گیا۔ لین پول کا بیان ہے کہ ریجی نالڈ نے 1179ء میں مسلمانوں کا ایک کارواں لوٹ لیا اور اس کے تمام آدمی گرفتار کر لیے۔ شاہ یروشلم نے اس پر اعتراض کیا اور کارواں کے لوگوں کی رہائی اور لوٹے ہوئے مال کی واپسی کے لیے سفیر بھیجے۔ ریجی نالڈ نے ان کا مذاق اڑایا۔ 1183ء میں پھر یہی حرکت کی۔ 1186ء میں مسلمان تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹ کر اہل قافلہ کو گرفتار کیا۔ جب ان لوگوں نے اس سے رہائی کے لیے کہا تو اس نے یہ طعن آمیز جواب دیا "تم محمد (ﷺ) پر ایمان رکھتے ہو۔ اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آکر تم کو چھڑا لے۔" جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کو ریجی نالڈ کی اس گستاخانہ گفتگو کی خبر ملی تو اس نے قسم کھا کر کہا۔ اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو میں اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔

صلیبی لڑائیوں کے سلسلے میں ایک موقع پر فرنگیوں کو شکست ہو گئی۔ فرنگی شہنشاہ

اور شہزادے قید ہو کر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے سامنے لائے گئے۔ ان میں ریجی نالڈ بھی تھا۔ سلطان کو دیکھ کر اسے اپنی بد اعمالیاں یاد آگئیں اور ساتھ ہی سلطان کی قسم بھی یاد آگئی۔ جس نے ریجی نالڈ کا خون خشک کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اس کو تمام بداعمالیاں گنائیں اور یہ بھی کہا کہ اس وقت میں محمد ﷺ سے مدد چاہتا ہوں اور یہ کہہ کر اپنے ہاتھوں سے اس موذی کا سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد کہا کہ ہم مسلمانوں کا یہ دستور نہیں ہے کہ لوگوں کو خواہ مخواہ قتل کرتے رہیں۔ ریجی نالڈ تو صرف حد سے بڑھی ہوئی بد اعمالیوں اور حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ گستاخی کی پاداش میں قتل کیا گیا ہے۔

اسی سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے قبلہ اول بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے آزاد کرایا تھا۔ وہ اسلام کا عظیم سپوت تھا اور اس کا دل عشق مصطفیٰ علیہ التحیتہ و السلام کی دولت سے مالا مال تھا۔ اس نے اس عیسائی حکمران کو، جس نے اہانت رسول (ﷺ) کا ارتکاب کیا تھا، اپنے ہاتھوں سے جہنم رسید کیا۔(21)

سلطان نورالدین زنگیؒ اور دو بدبخت نصرانی:

سلطان نور الدین زنگیؒ کے زمانے میں روضہ پاک میں نقب زنی کی ناپاک جسارت کی گئی مگر اللہ تعالیٰ جل مجدہ، نے شرپسندوں کا منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ سلطان کو خواب میں حضور سرور کونین ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ ﷺ نے دو نیلی آنکھوں والے آدمیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ان سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کو سخت تشویش ہوئی، اٹھ کر وضو کیا۔ نفل ادا کئے مگر جونہی لیٹے پھر وہی خواب دیکھا۔ غرضیکہ تین دفعہ ایسا ہوا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے وزیر جمال الدین کے مشورے پر فوراً مدینہ کی تیاری شروع کر دی۔ سولھویں دن مدینہ طیبہ پہنچا۔ ریاض الجنتہ میں تحیتہ المسجد ادا کرنے کے بعد سوچنے لگا کہ حصول مقصد کے لیے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ آخر وزیر نے اعلان کیا کہ بادشاہ مدینہ منورہ میں تشریف لائے ہیں۔ وہ اہل مدینہ کو انعامات سے نوازیں گے۔ ہر شخص حاضر ہو کر اپنا حصہ لے لے۔ ایک ایک آدمی آتا گیا، بادشاہ انعامات تقسیم کرتا رہا۔ وہ ہر شخص کو بغور دیکھتا اور خواب میں نظر آنے والی شکلوں کو تلاش کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مدینہ کے تمام لوگ گزر گئے مگر مجرمین کا کھوج نہ لگایا جاسکا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کوئی رہ گیا ہو تو حاضر کیا جائے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد شاہ کو بتایا گیا کہ

صرف دو فرنگی باشندے ہیں' جو نہایت متقی ہیں اور انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر رکھی ہے۔ ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں بھی طلب کر لیا اور انہیں ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا۔ پوچھا "کون ہو؟ اور یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو؟" انہوں نے بتایا کہ ہم مغرب کے رہنے والے ہیں۔ حج کے لیے آئے تھے۔ روضہ انور کی زیارت کے لیے مدینہ آئے تو حضور ﷺ کے پڑوس میں رہنے کے شوق میں یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ بادشاہ ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر ان کی رہائش گاہ پر پہنچا جو ایک قریبی سرائے میں تھی۔ مگر وہاں کوئی مشکوک چیز نظر نہ آئی جس کی وجہ سے بادشاہ اور پریشان ہو گیا۔

مدینہ پاک کے لوگوں نے ان کی صفائی میں بہت کچھ کہا کہ یہ تو نہایت پرہیزگار ہیں۔ ریاض الجنتہ میں نماز پڑھتے ہیں۔ روزانہ جنت البقیع کی زیارت کرتے ہیں اور ہر شنبہ کو قبا میں نفل ادا کرتے ہیں۔ یہ قائم اللیل اور صائم النہار ہیں۔ اس سے بادشاہ کی تشویش میں اور اضافہ ہو گیا۔ دفعتاً بادشاہ کے دل میں کچھ خیال آیا اور اس نے ان آدمیوں کے مصلیٰ کو الٹ دیا۔ بوریا کا مصلیٰ ایک پتھر کے اوپر تھا۔ پتھر اٹھایا گیا تو نیچے سرنگ نمودار ہوئی جو دور تک روضہ انور کے قریب پہنچ چکی تھی۔

بادشاہ نے اس کمینہ حرکت کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ نصرانی ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے انہیں بیش بہا دولت دے کر اس کام پر مامور کیا ہے کہ کسی طرح وہ حضور نبی کریم ﷺ کے حجرہ مقدسہ میں داخل ہو کر آپ کا جسم عنبریں یہاں سے نکل کر لے جائیں۔ ان کا طریقہ واردات یہ تھا کہ رات بھر سرنگ کی کھدائی کرتے اور مشکوں میں مٹی بھر کر بقیع کے مضافات میں ڈال آتے۔

سلطان نور الدین زنگی یہ باتیں سن کر آتش غضب سے بھڑک اٹھا۔ ساتھ ہی رقت بھی طاری ہوئی کہ اسے اس کام پر مامور کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان دو عیسائیوں کو صبح کے وقت قتل کرا دیا اور شام کے وقت ان کی ناپاک نعشوں کو نذر آتش کر کے خاکستر کر دیا گیا۔

اس کے بعد اس بیدار بخت بادشاہ نے حجرہ پاک کے چاروں طرف اتنی گہری بنیادوں کو سطح زمین تک بھر دیا تاکہ آئندہ کسی ملعون کو نبی پاک ﷺ کی لحد مبارک کے قصد کا موقع نہ مل سکے۔(22)

بلاد مشرق میں قانون توہین رسالت

جزیرۃ العرب میں قرن نبوت اور دور خلافت کے بعد بھی تنقیص رسالت کی سزا' سزائے موت برقرار رہی ہے۔ جس کی تصدیق صاحب "المصنف" کے اس بیان کردہ واقعہ سے ہوتی ہے۔ جس میں ایوب بن یحییٰ نے عدن میں ایک نصرانی کو بطور حد یہی سزا دی۔ جس کی توثیق اس وقت کے حکمران عبدالملک نے کر دی تھی۔

اسی طرح بلاد شام میں بھی یہی قانون نافذ رہا ہے۔ جس کے تحت ایک نصرانی کو امام ابن تیمیہؒ اور شیخ الحدیث علامہ زین العابدین کے استغاثہ پر ماخوذ کیا گیا تھا۔ مصر میں بھی اسی قانون کے مطابق فیصلے ہوتے رہے ہیں کیونکہ وہاں تمام مکاتب فقہ جن کی اپنی اپنی علیحدہ عدالتیں قائم تھیں اسی سزا پر متفق تھے۔

اسپین میں جب تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی ہے وہاں کی تمام عدالتوں میں اسی قانون حد پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے جس کا ذکر قرطبہ کے چیف جسٹس ابو الفضل قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب "الشفا" میں کیا ہے۔ اسی کتاب میں ابن حاتم کے مقدمہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ جس کو گستاخی رسالت مآب ﷺ کے جرم پر علمائے اندلس کے متفقہ فیصلہ کی بناء پر واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔(23)

ترکیہ اور سمرقند اور بخارا میں اسی قانون اسلامی کا ذکر ہمیں علامہ آلوسی اور علامہ ابواللیث سمرقندی کے ذریعہ پہنچا ہے۔ افغانستان میں اسی قانون کے تحت قادیانی مرتد کو سنگسار کیا گیا تھا جس کا تفصیلی ذکر شہیدان ناموس رسالت میں کیا گیا ہے۔

ایران میں آج بھی یہی قانون سزائے موت برطانیہ اور دوسرے یورپی ملکوں سے سفارتی تعلقات کی پروا کئے بغیر نافذ ہے اور اسی کے تحت گستاخ رسول سلمان رشدی کو واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے وہ بدبخت یورپ اور امریکہ کے حفاظتی خول کے اندر زندہ درگور ہے۔

ہندوستان میں جب تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی ہے اسی قانون حد کے تحت مجرموں کو سزا دی جاتی رہی ہے۔

ان میں سے مغل دور حکومت کے دو اہم مقدمات کا ہم یہاں ذکر کریں گے ایک مقدمہ تو اکبر کے دور سے متعلق ہے جبکہ جاہل' ان پڑھ بادشاہ کو اس کے خوشامدی اور

چاپلوس درباریوں نے جن میں فیضی اور ابو الفضل پیش پیش تھے اسلام سے بیگانہ کر دیا تھا اور اکبر مکمل طور پر ہندو مہارانیوں کے زیر اثر تھا۔ تمام کاروبار حکومت دین الٰہی کے نام سے سیکولر خطوط پر چل رہے تھے۔ اس تاریخی مقدمہ کا ذکر تفصیلی طور پر اکبر ہی کے نورتن ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی منتخب التواریخ میں کیا ہے جو درج ذیل ہے:

"عبدالرحیم قاضی متھرا نے شیخ (شیخ عبدالغنی قاضی القضاۃ) کے پاس ایک استغاثہ بھیجا' جس میں بیان کیا گیا کہ وہاں مسلمان ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ کئے ہوئے تھے لیکن ایک سرکش مالدار برہمن نے سارا عمارتی سازو سامان اٹھوا لیا اور اس سے صنم کدے کی تعمیر شروع کرا دی۔ میں نے جب اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا ارادہ کیا تو اس نے گواہوں کی موجودگی میں حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور مسلمانوں کی اس نے سخت توہین کی۔ شیخ موصوف نے اس کو طلب کیا لیکن اس نے پیش ہونے سے انکار کر دیا جس پر بادشاہ نے بیربل اور شیخ ابو الفضل کو بھجوایا اور وہ اسے لے آئے۔ شیخ ابو الفضل نے جو کچھ گواہوں سے سنا تھا بیان کیا اور کہا کہ اس بات کی تحقیق ہوگئی ہے کہ اس نے گالیاں دی تھیں۔ اس کی سزا کے معاملہ میں علماء کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک نے اسے واجب القتل قرار دے کر سزائے موت کا مطالبہ کیا اور دوسرا اس کے خلاف تعزیر اور جرمانہ پر زور دے رہا تھا۔ اس معاملہ میں بحث طول پکڑ گئی شیخ نے بادشاہ سے اس کے قتل پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے صراحتاً اس کی اجازت نہ دی اور گول مول کہہ دیا کہ شرعی سزا کا تعلق تم سے ہے۔ ہم سے کیا پوچھتے ہو؟ وہ برہمن اس جھگڑے میں مدتوں قید میں پڑا رہا۔ شاہی محل کی بیگمات اس کی رہائی کے لیے سفارشیں کرتی رہیں لیکن بادشاہ شیخ کا بہت لحاظ کرتا تھا اس لیے اس نے رہائی کا حکم بھی نہیں دیا۔ شیخ نے جب اس کے قتل کے لیے زیادہ اصرار کیا تو بادشاہ نے وہی جواب دیا ہم تو تم سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ تم جو مناسب جانو کرو (کیونکہ اس معاملہ کا تعلق شرع سے ہے) جس کے بعد شیخ نے فوراً ہی اس برہمن کے قتل کا حکم دے دیا چنانچہ

اس کی تعمیل میں اس کی گردن ماری گئی۔

ملا عبدالقادر بدایونی جو اس مقدمہ کی ساری روداد سے واقف تھے اس سلسلہ میں آگے بیان کرتے ہیں:

"اچانک دور سے بادشاہ کی نظر مجھ پر پڑی تو میری طرف متوجہ ہوا اور نام لے کر آگے بلایا اور کہا "آگے آؤ" میں جب سامنے پہنچا تو پوچھا: کیا تم نے بھی یہ مسئلہ سنا ہے کہ اگر ایک شخص کے قتل پر ننانوے روایتیں ہوں اور رہائی کے لیے صرف ایک روایت ملتی ہو تو مفتی کو چاہیے کہ وہ اس ایک روایت کو ترجیح دے" میں نے کہا: "جی ہاں ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور فرماتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ "ان الحدود والعقوبات تدرو بالشبہات" میں نے اس کا مطلب فارسی میں سمجھایا کہ شبہات سے سزاؤں میں کمی ہو جاتی ہے۔ نہایت افسوس کے ساتھ پوچھا "کیا شیخ اس مسئلہ سے واقف نہ تھا۔" (24)

ہندو رانیوں اور خوشامدی درباریوں کے اکسانے کے باوجود اکبر کو بھی یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ شیخ سے اس بارے میں باز پرس کرسکے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ علماء کی اکثریت شیخ موصوف کی تائید میں ہے۔

دوسرا اہم مقدمہ مغل حکمرانوں کے آخری دور حکومت اور اسی لاہور سے متعلق ہے جس کا ذکر ایک ہندو مورخ ڈاکٹر بی۔ایس نجار (Dr.B.S Nijjar) نے اپنی کتاب "پنجاب آخری مغل دور حکومت میں" (Punjab under the later Mughals) جب کہ زکریا خان 1707ء۔1759ء گورنر پنجاب تھا اس طرح کیا ہے:

"حقیقت رائے باگھ مل پوری' سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا' جس کی شادی بٹالہ کے کشن سنگھ بھٹہ نامی سکھ کی لڑکی کے ساتھ ہوئی تھی۔ حقیقت رائے کو مسلمانوں کے اسکول میں داخل کیا گیا تھا۔ جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے کچھ توہین آمیز باتیں کہیں۔

"حقیقت رائے نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور اس نے بھی انتقاماً پیغمبر اسلام (ﷺ) اور بی بی فاطمہ ؓ کی شان میں نازیبا الفاظ

استعمال کیے۔ اس جرم پر حقیقت رائے کو گرفتار کرکے لاہور عدالتی کارروائی کے لیے بھیجا گیا۔ اس واقعہ سے پنجاب کی ساری غیر مسلم آبادی کو شدید دھچکا لگا۔ کچھ ہندو افسر زکریا خاں (جو اس وقت گورنر لاہور تھا) کے پاس پہنچے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے۔ لیکن زکریا خاں نے کوئی سفارش نہ سنی اور سزائے موت کے حکم پر نظر ثانی سے انکار کر دیا جس کے اجراء میں پہلے مجرم کو ایک ستون سے باندھ کر اسے کوڑوں کی سزا دی گئی اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی یہ سال 1734ء سن عیسوی کا واقعہ ہے جس پر پنجاب کی تمام غیر مسلم آبادی نوحہ کناں رہی۔ لیکن خالصہ کمیونٹی نے آخر کار اس کا انتقام مسلمانوں سے لے لیا اور سکھوں نے ان تمام لوگوں کو جو اس واقعہ سے متعلق تھے انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا۔" اسی کتاب کے صفحہ 279 پر لکھا ہے کہ پنجاب میں بسنت کا میلہ اسی حقیقت رائے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔" (25) (یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ واقعہ ایک متعصب ہندو مورخ لکھ رہا ہے جس کا مقصد سکھوں اور ہندوؤں کے ذہن کو مسلمانوں کے خلاف زہر آلود کرنا ہے۔ حالانکہ اسلام نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ کسی مذہب کے رہنماؤں کو برا بھلا نہ کہیں تاکہ انتقاماً خدا یا رسول اکرم (ﷺ) کی شان میں گستاخی کا امکان ہی پیدا نہ ہو۔ مسلمان تو حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ جو یہودیوں اور عیسائیوں کے پیغمبر ہیں اور ان کے دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے پیروان مذہب سے بڑھ کر احترام کرتے ہیں اور انہوں نے رام چندر جی یا ان کے اوتار کرسن کی تاریخی عظمت سے کبھی انکار نہیں کیا اور نہ ہندوؤں کو ان کی رسوم و عبادات سے روکا جبکہ ان کے مذہب میں بتوں کی پرستش سب سے بڑا گناہ ہے علاوہ ازیں وہ گرو نانک کو توحید کے مبلغین میں سمجھتے ہیں اس لیے مسلمان استاد پر یہ الزام کہ اس نے ہندو اوتاروں کی توہین کی قرین قیاس نہیں بلکہ خلاف حقیقت معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک پیغمبر اسلام علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت فاطمہ الزہرۃؓ

کی توہین اور اہانت کی سزا کا تعلق ہے وہ اسلامی قانون کے مطابق کسی دباؤ میں آئے بغیر اس وقت کے مسلمان گورنر پنجاب نے درست طور پر دی تھی۔ مگر اس واقعہ کا پس منظر مصنف کے متعصب ذہن کی اختراع ہے اور یہ تعصب ساری کتاب میں جابجا نظر آتا ہے۔ مصنف تقسیم ہند کو وحشیانہ اور تاریخ کا ناقابل معافی جرم قرار دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے واقعہ کو کسی طرح اور کیوں مسخ کر کے پیش کیا ہے۔

باب پنجم

کتابیات

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا ج-14' ص-491

(۲) صحیح بخاری باب حج النبی

(۳) مسند احمد اور سیرۃ الرسول ابن ہشام

(۴) اقوام متحدہ میں انسانی حقوق

(۵) انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا ج-11' ص-74

(۶) امریکن سپریم کورٹ کا فیصلہ:

Cowan vs Milbourn L.R 2 Ex.23. State vs Mokas.

(۷) ایضاً

(۸ تا ۲۲) سید محمد سلطان اسپین میں تحریک شاتت رسول میں اسحاق الحق سلیمانی۔ مسلمان یورپ میں رابن پارٹ ڈوزی۔ اندلس

(۲۳) ابوالفضل قاضی عیاض۔ الشفاء

(۲۴) ملا عبدالقادر بدایونی۔ منتخب التواریخ

(۲۵) Dr. B.S Nijjar- Punjab Under The Mughals.

باب ششم

قانون' مقدمات اور نظائر (عدالتی فیصلے)

گزشتہ ابواب میں ہم نے عہد رسالت مآب ﷺ ' دور خلافت راشدہ اور مسلمان سلاطین کے دور حکومت میں توہین رسالت کے قانون کے بارے میں قرآن و سنت اور تاریخ کے حوالہ سے متعلقہ مواد اور اس کے وجوب اور تنقید کے لئے عقلی دلائل اپنی فہم و دسترس کے مطابق پیش کر دیے ہیں۔ اس کے علاوہ قانون توہین مسیحؑ کے بارے میں بائبل کا قانون اور یورپ میں اس کے نفاذ اور موجودہ صورت حال کا جائزہ بھی کتاب کے ذیلی باب "یورپ اور قانون توہین انبیاءؑ" میں پیش کر دیا گیا ہے۔

اس باب میں ہم پاک و ہند کے ان تعزیری قوانین کو' جن کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ قانون توہین رسالت سے ہے' مع تشریحات' قارئین اور خاص طور پر قانون دان حضرات کی سہولت کی خاطر یکجا پیش کر رہے ہیں۔

سلطنت مغلیہ کے سقوط کے بعد جب ہندوستان میں برطانوی راج مسلط ہو گیا تو یہاں 1860ء میں گورنر جنرل ہند کی منظوری سے تعزیرات ہند (The Indian Penal Code) کو نافذ العمل کر دیا گیا۔ اس سے قبل سارے ملک میں اسلامی قانون جاری تھا۔ دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں صادر ہوتے تھے' جن کے حوالے "بلاد مشرق میں قانون توہین رسالت" کے ذیلی باب میں درج ہیں۔ تعزیرات ہند کی تدوین لارڈ میکالے کی سربراہی میں تشکیل شدہ کمیشن نے نپولین کوڈ کو سامنے رکھ کر کی تھی اور اس سلسلہ میں انگلش قوانین اور خاص طور پر انتظامی مصلحتوں کو پیش نظر رکھا گیا تھا' لیکن عجیب تر بات یہ ہے کہ انگلستان میں اس وقت بھی یعنی 1860ء میں قانون توہین مسیحؑ بطور کامن لاء (Common Law) موجود تھا اور آج بھی بلاس فیمی ایکٹ انگلینڈ کے مجموعہ قوانین میں شامل ہے۔ البتہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے خلاف منافرت پھیلانے یا توہین حکومت یا حکومت کے

خلاف اشتعال انگیزی کے جرم کی سزا کے لیے ایک دفعہ تعزیرات ہند میں شامل کی گئی جسے جرم بغاوت قرار دے کر اس کی سزا' سزائے عمر قید مقرر کی گئی' جس کی جگہ 1898ء میں دفعہ 124۔الف کو معمولی ترمیم کے ساتھ شامل تعزیرات کیا گیا مگر سزا اور نوعیت جرم وہی برقرار رہی۔

اسی سال 1898ء میں دفعہ 124۔الف کے ساتھ ہی مزید ایک دفعہ 153۔الف کا بھی اضافہ کیا گیا تاکہ فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کی وجہ سے ملک میں جو فتنہ اور فسادات پیدا ہوں' ان کا سدباب کیا جا سکے اور حکومت ان خطرات سے محفوظ رہ سکے۔
دفعہ 153۔الف کا متن حسب ذیل ہے:

دفعہ 153۔الف:

"جو کوئی الفاظ سے بذریعہ تقریر یا تحریر یا اشاروں سے یا کسی اور طریقہ سے ہندوستان میں ہر میجسٹی کی رعایا کی مختلف جماعتوں میں دشمنی یا منافرت کے جذبات ابھارے یا انہیں بھڑکانے کی کوشش کرے اسے دو سال قید تک سزا یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔"

توضیح (Explaination):

"ایسا کوئی فعل جو بدنیتی کے بغیر نیک نیتی کے ساتھ ان امور کی نشاندہی کرے' جو ہر میجسٹی کی رعایا کی مختلف جماعتوں کے درمیان دشمنی یا منافرت کے جذبات یا رجحانات پیدا کرنے کا باعث ہوں' ختم کرنے کے لیے کیا گیا ہو' مذکورہ بالا جرم کی تعریف میں نہیں آئے گا۔"

تشریحات (Commentary):

اس دفعہ کے اضافہ کا ایک مقصد یہ بھی بتلایا گیا کہ ہر میجسٹی کی رعایا کے درمیان امن و امان قائم کرنا ہے۔

شاتمان رسول ﷺ کے خلاف بھی مقدمات اسی دفعہ 153۔الف کے تحت قائم ہوئے۔ ان میں سب سے مشہور مقدمہ "رنگیلا رسول" کے ناشر راج پال کے خلاف اسی جرم کے ارتکاب پر رجسٹر ہوا اور عدالت سیشن جج سے اسے سزا دی گئی' جس کے خلاف

اس نے لاہور ہائی کورٹ میں نگرانی دائر کی' جو سماعت کے دلیپ سنگھ جج کے سامنے لگوائی گئی' جس نے نگرانی منظور کرتے ہوئے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ مذہبی رہنماؤں پر تنقید یا طنز خواہ کتنا ہی غیر شائستہ یا ناپسندیدہ کیوں نہ ہو' وہ 153۔الف کے تحت قابل تعزیر جرم نہیں بنتا۔ اس فیصلہ کی رو سے ملزم راج پال ایک دفعہ ناقص تعزیرات کے تحت بھی' جس کی سزا زیادہ سے زیادہ دو سال تک ہو سکتی تھی' سزا یاب نہ ہوسکا' جس سے ہندوستان بھر کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ یہ فیصلہ آل انڈیا رپورٹر 1927 ص 250 میں چھپ چکا ہے۔ اس کا مکمل اردو ترجمہ نظائر کے باب میں شامل کر دیا گیا ہے تاکہ قارئین کو ان دلائل کی نامعقولیت کا اندازہ ہو سکے' جو اس فیصلہ میں دیئے گئے ہیں۔
اس فیصلہ کے خلاف اور تعزیرات ہند میں توہین رسالت کے جرم پر کوئی سزا نہ ہونے کی وجہ سے سارے ملک میں مسلمانوں نے ہر پلیٹ فارم سے اس پر سخت احتجاج کیا اور بالآخر غازی علم الدین نے گستاخ رسول ﷺ راج پال کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنے ہاتھوں سے اسے توہین رسالت کی سزا دی اور خود جام شہادت نوش کر کے زندہ جاوید بن گیا۔
اس مقدمہ کی ساری روئیداد ہم نے شہیدان ناموس رسالت کے ذیلی باب میں کی ہے۔
یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سپیشل بنچ نے اختلاف کرتے ہوئے "رسالہ ورتمان" کیس کے ملزم کو' جس نے رسول پاک ﷺ کی زندگی پر بالواسطہ طور پر طنز کیا تھا' اسی دفعہ 153۔الف کے تحت سزا دی اور قرار دیا تھا کہ اس کتابچہ کی تحریر توہین آمیز ہے۔

برٹش گورنمنٹ نے جب دیکھا کہ دلیپ سنگھ کے اس فیصلہ میں دفعہ 153۔الف کی غلط تعبیر اور تشریح کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو رہے ہیں تو ان کی اشک شوئی کے لیے دفعہ 295۔الف کو قانون فوجداری کے ترمیمی ایکٹ مجریہ سال 1927 کے ذریعہ تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا جو حسب ذیل ہے:

295۔الف:

"جو کوئی عمداً اور بدنیتی سے تحریری یا تقریری یا اعلانیہ طور پر ہر میجسٹی کی رعایا کی کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کرے یا توہین کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس جماعت کے مذہبی جذبات مشتعل ہوں تو اسے دو سال تک قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جاسکتی ہیں۔"

دفعہ 295۔الف میں 23 مارچ 1956ء سے صرف "ہر میجسٹی کی رعایا" کے الفاظ کو "پاکستان کے شہریوں" کے الفاظ سے تبدیل کر دیا گیا۔ اس طرح اس دفعہ میں سال 1961ء کے ترمیمی آرڈیننس جس کو سال 1956ء سے موثر بہ ماضی کیا گیا تھا' کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔

سال 1980ء میں دوسرے ترمیمی آرڈیننس کے ذریعہ دفعہ 298۔الف کا اضافہ کیا گیا جو حسب ذیل ہے:

298۔الف: ذوات قدسی کی توہین:

"جو کوئی تحریری یا تقریری یا علانیہ یا اشارتاً "یا کنایتاً" بالواسطہ یا بلاواسطہ "امہات المومنین" یا کسی "اہل بیت" یا "خلفائے راشدین" میں سے کسی "خلیفہ راشد" یا اصحاب رسول ﷺ کی بے حرمتی کرے' ان پر طعنہ زنی یا بہتان تراشی کرے' اسے تین سال تک کی سزا یا سزائے تازیانہ دی جائے گی' یا وہ ان دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو گا۔"

اس دفعہ 298۔الف تعزیرات پاکستان کے اضافہ سے صرف "امہات المومنین" "اہل بیت" "خلفائے راشدین" یا اصحاب رسول ﷺ کی بے حرمتی اور ان کی شان میں گستاخی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا لیکن خود اس مقدس ترین ہستی' جن سے نسبت کی وجہ سے انہیں یہ مرتبہ حاصل ہوا' ان کی جناب میں گستاخی' اہانت' توہین' تنقیص' طعنہ زنی' بہتان تراشی جیسے سنگین اور ناقابل معافی جرم کے بارے میں کوئی سزا تجویز نہیں ہوئی' اس لیے اس کوتاہی اور کمی (Omission) کو پورا کرنے کے لیے سال 1984ء میں راقم کی طرف سے شریعت پٹیشن نمبر1 سال 1984ء فیڈرل شریعت کورٹ اسلامی جمہوریہ پاکستان' میں صدر پاکستان اور گورنرہائے صوبہ جات پاکستان کے خلاف دائر کی گئی' جس کی تفصیل اور پس منظر اس کتاب میں موجود ہے۔ اس شریعت پٹیشن کا فیصلہ ابھی محفوظ تھا کہ نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں عاصمہ جہانگیر نامی خاتون نے بالواسطہ گستاخی کی' جس پر محترمہ آپا نثار فاطمہ نے راقم کے مشورہ سے توہین رسالت کے جرم کی سزا "سزائے موت" کا بل قومی اسمبلی میں پیش کیا' جو فوجداری قانون (ترمیمی) ایکٹ نمبر3 سال 1986 کی صورت میں منظور ہوا' جس کی رو سے تعزیرات پاکستان میں 295۔سی کا اضافہ کیا گیا' جو حسب ذیل ہے:

دفعہ 295۔ سی:

"جو کوئی عمداً زبانی یا تحریری طور پر یا بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ یا بلاواسطہ اشارتاً "یا کنایتاً" نام محمد (ﷺ) کی توہین یا تنقیص یا بے حرمتی کرے، وہ سزائے موت یا سزائے عمر قید کا مستوجب ہو گا اور اسے سزائے جرمانہ بھی دی جائے گی۔"

چونکہ توہین رسالت کے متذکرہ بالا بل میں اہانت رسول ﷺ کی سزا، بطور حد کے سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن اس میں سزائے موت کی متبادل سزا، سزائے عمر قید، جو دفعہ 295۔ سی میں رکھی گئی، وہ قرآن و سنت کے منافی تھی، اس لیے راقم نے دوبارہ اس دفعہ سے "عمر قید" حذف کرنے کا مطالبہ بذریعہ شریعت پٹیشن کر دیا کہ توہین رسالت کی سزا بطور "حد" صرف سزائے موت مقرر ہے اور حد میں کسی قسم کی کمی یا بیشی نہیں کی جا سکتی۔ یہ شریعت پٹیشن فیڈرل شریعت کورٹ نے اپنے فیصلہ 30 اکتوبر 1990ء کے ذریعہ منظور کر لی اور قرار دیا کہ اہانت رسول ﷺ کی سزا بطور حد صرف سزائے موت ہے۔

فیڈرل شریعت کورٹ نے توہین رسالت کا یہ فیصلہ صدر پاکستان کو ارسال کر دیا تھا کہ 295۔ سی تعزیرات پاکستان میں ترمیم کر کے "عمر قید" کے الفاظ 30 اپریل 1991ء تک حذف کر دیے جائیں ورنہ اس تاریخ سے "عمر قید" کے الفاظ اس دفعہ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔ اس فیصلہ میں حکومت پاکستان کو مزید ہدایت کی گئی کہ اس دفعہ میں ایک اور شق کا اضافہ کیا جائے، جس کی رو سے دوسرے پیغمبروں کی اہانت کی سزا بھی سزائے موت مقرر کی جائے۔ اس فیصلہ کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی جو ہمارے مطالبہ پر واپس لے لی گئی۔ اس طرح فیڈرل شریعت کورٹ کا فیصلہ بحال رہا جس کی وجہ سے "عمر قید" کی سزا غیر موثر ہو چکی ہے اور اب پاکستان میں اہانت رسول مقبول ﷺ کی سزا بحمد اللہ بطور حد سزائے موت مقرر ہو کر نافذ العمل ہے۔

دفعہ 295۔ سی سے "عمر قید" کے الفاظ حذف ہو جانے کے بعد حکومت اور قانون ساز اسمبلی نے اس دفعہ کو مکمل طور پر قرآن و سنت کے حکام سے ہم آہنگ کرنے کے لیے مزید کوئی کارروائی نہیں کی۔ اس مرحلہ پر ایک اہم شرعی اور قانونی نکتہ کی نشان دہی کو میں اپنا دینی اور ملی فریضہ سمجھتا ہوں جو ہماری قانون ساز اسمبلی کی فوری توجہ کا مستحق

ہے۔

میری رائے میں اس دفعہ 295۔ سی میں مزید ترمیم کر کے اسے قرآن و سنت کے مطابق بنانا نہایت ضروری ہے ورنہ اگر یہ دفعہ موجودہ صورت ہی میں برقرار رہے تو اس کی وجہ سے "ابہام" اور قانونی پیچیدگیوں کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے قرآن و سنت نے "حد" اور تعزیری سزاؤں کے لیے چند شرائط مقرر کی ہیں۔

اسلام ہی نے دنیا میں سب سے پہلے "نیت" "ارادے" اور قصد (intention) کو جرم کا بنیادی رکن بنایا ہے۔ اس سے قبل رومن لاء یا ہندوستان میں لاگو اینگلو سیکسن لاء جس کا ماخذ بھی یہی رومن لاء ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی تک یورپ کے ان قوانین میں "ارادہ" یا "قصد" یا "نیت" کو جرم کا بنیادی رکن یا اسے جرم سے متعلق جز نہیں سمجھا جاتا تھا مگر آج سے چودہ سو سال قبل شارع اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے ارادہ اور نیت کو جرم اور ہر عمل کی بنیاد بنا کر انسان کو جزا اور سزا کا مستحق قرار دیا' جو دنیائے قانون و عدل میں سب سے پہلا انقلابی اقدام تھا۔ چونکہ ساری دنیا نے اس کو تسلیم کر لیا ہے اور یہ جزو قانون بن چکی ہے' اس لیے اس کی تاریخی حقیقت کو دنیا نے فراموش کر دیا ہے۔

جناب رسالت مآب ﷺ کی یہ مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات" یعنی ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے' کی روشنی میں 295۔ سی کو قرآن اور سنت سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ہمیں اسے دو حصوں میں منقسم کرنا پڑے گا۔ ایک تو بالارادہ جرم توہین رسالت یعنی وہ عمل جو قصداً اور عمداً اہانت رسول اللہ ﷺ اور انبیاء کرام کے لیے کیا جائے تو اس کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر کی جائے' جس میں قطعاً کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور دوسرا جرم جو بلا ارادہ ہو' جس میں اہانت اور گستاخی کے کسی پہلو کی کوئی نیت یا ارادہ کسی صورت ظاہر نہ ہو یا اس میں ایسی کوئی بات نہ ہو جس پر ملزم کی مجرمانہ ذہنیت پر استدلال کیا جا سکے تو ایسے جرم کو مستوجب حد کی بجائے لائق تعزیر بنایا جائے جس کی سزا بھی غیر معمولی مقرر کی جائے' اس لیے کہ مجرم نے بلا قصد و ارادہ سہوا گستاخی کر کے حزم و احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا' جس کی ہر عاقل بالغ شخص سے توقع کی جاتی ہے۔ البتہ جبر و اکراہ میں ملزم مستوجب سزا نہیں ہے مگر جو شخص جبر و اکراہ کا مرتکب ہو' وہ سزائے موت کا مستحق قرار پائے گا قتل جیسے سنگین جرم میں قتل بالارادہ ہو تو وہ قتل عمد کہلائے گا' جس کی سزا بطور حد' سزائے موت ہے۔ لیکن اگر وہ قتل بالارادہ نہ ہو' اسے

قتل خطا کہا جائے گا، جس کی سزا حد کی طرح قتل نہیں بلکہ اس سے کم تر ہے۔ البتہ جبر و اکراہ کا مرتکب شخص مستوجب سزائے موت قرار پائے گا۔ فیڈرل شریعت کورٹ میں شروع ہی سے میرا یہ موقف رہا اور وفاقی شرعی عدالت نے بھی اپنے فیصلہ میں اس سے اتفاق کیا ہے۔ واللہ علم بالصواب۔

ایک اور بات بھی واضعان قانون کے ذہن نشین ہونا چاہیے کہ حدود کے نفاذ کے لیے نصاب شہادت اور تزکیہ الشہود کو ضروری قرار دیا گیا ہے، جس کے بغیر زنا جیسے سنگین جرم میں بھی حد جاری نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اگر جرم زنا میں حد کی شرائط پوری نہ ہوں تو اسے قابل تعزیر جرم قرار دے کر اس کی سزا بھی حدود آرڈیننس 7 مجریہ سال 1979 میں مقرر کر دی گئی ہے، اس لیے اگر توہین رسالت کے جرم میں شرائط حد پوری نہ ہوتی ہوں تو ایسی صورت میں اسے قابل تعزیر جرم قرار دے کر اس کے لیے قرار واقعی سزا، جس میں سزائے تازیانہ اور جرمانہ بھی شامل ہو، مقرر کی جائے۔

فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان

(فیصلہ بمقدمہ توہین رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

- جناب جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس
- جناب جسٹس عبدالکریم خان کندی
- جناب جسٹس عبادت یار خان
- جناب جسٹس عبدالرزاق اے تھیم
- جناب جسٹس فدا محمد خان

شریعت پٹیشن نمبر6۔ ایل سال 1987 منفصلہ 30 اکتوبر 1990ء

مقدمہ:

محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ کنوینر ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس
پٹیشنر

بنام

حکومت پاکستان بذریعہ سیکرٹری قانون و پارلیمانی امور' ریسپانڈنٹ تاریخ ہائے سماعت 26 تا 29 نومبر 1989۔۔۔۔ 4 تا 7 مارچ 1990

جناب جسٹس گل محمد خان چیف جسٹس:

یہ فیصلہ درخواست شریعت نمبر1/ ال اور درخواست ایس۔ایس نمبر106/ 87 میں اٹھائے گئے (شرعی اور آئینی) نکتہ کے بارے میں صادر کیا جاتا ہے۔ درخواست گزار محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ نے تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295۔سی کو ان درخواست ہائے شریعت کے ذریعہ چیلنج کیا ہے' جو بذریعہ آرڈیننس 1988 پاکستان میں نافذ کی گئی۔ قبل ازیں ایسی ہی ایک درخواست شریعت' سائل درخواست گزار نے عدالت ہذا میں دائر کی تھی مگر اس کا فیصلہ ہونے سے پیشتر قانون ساز اسمبلی نے از خود قانون (توہین رسالت

ﷺ) میں ترمیم کر دی اور متذکرہ بالا 295۔سی پاکستان پینل کوڈ میں شامل کر دی گئی' جس سے درخواست گزار مطمئن نہیں' اس لیے عدالت ہذا سے رجوع کیا ہے۔
درخواست کا متن حسب ذیل ہے۔

دفعہ 295 سی: رسول پاک کے لیے اہانت آمیز الفاظ کا استعمال:

"کوئی شخص بذریعہ الفاظ زبانی' تحریری یا اعلانیہ' اشارتاً "کنایتاً" بہتان تراشی کرے اور رسول اکرم ﷺ کے پاک نام کی بے حرمتی کرے' اسے سزائے موت یا "عمر قید" دی جائے گی اور جرمانہ کا بھی مستوجب ہو گا۔"

2۔ اس دفعہ کے خلاف صریح اعتراض یہ ہے کہ اس میں متبادل سزا' سزائے موت عمر قید ان احکامات اسلامی کے خلاف ہے جو قرآن حکیم اور سنت رسول اللہ ﷺ میں دیے گئے ہیں' جو نکتہ اعتراض اٹھایا گیا ہے' وہ یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی شان میں کسی قسم کی کوئی بے ادبی یا اہانت آمیز بات شرعی حد کے دائرہ میں آتی ہے اور اس کی سزا قرآن اور سنت میں بطور حد مقرر ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ فاضل ایڈووکیٹ نے اس سلسلہ میں سورہ انفال کی آیت 13 اور سورہ نساء کی آیت 65 پر حصر کیا ہے اور اپنے اس موقف کی تائید میں کہ توہین رسالت کی سزا' صرف سزائے موت ہے اور کسی عدالت کو یہ اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اس سے کم تر سزا یعنی عمر قید کی سزا دے۔ قرآنی آیات کے علاوہ احادیث نبوی کا حوالہ بھی دیا ہے۔

عدالت ہذا نے اس مقدمہ کی سماعت کے لیے عوام الناس کے نام نوٹس جاری کیے اور فقہاء حضرات سے بھی معاونت طلب کی۔ مقدمہ مذکور کی لاہور' کراچی اور اسلام آباد میں متعدد تاریخوں پر سماعت ہوئی اور عدالت کو مندرجہ ذیل فقہاء حضرات کا تعاون حاصل رہا۔

(1) مولانا سبحان محمود

(2) مولانا مفتی غلام سرور قادری

(3) مولانا حافظ صلاح الدین صاحب

(4) مولانا محمد عبد الفلاح

(5) مولانا فضل ہادی

(6) مولانا سعید الدین شیر کوٹی

مولانا شیر کوٹی کے سوا تمام حضرات نے سائل کے موقف کی تائید کی کہ اس جرم کی سزا صرف سزائے موت ہے۔ لیکن مولانا سبحان محمود' مولانا مفتی غلام سرور قادری اور مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کی رائے میں اگر مجرم توبہ کر لے تو سزا موقوف کر دی جائے گی۔

تاہم مولانا سعید الدین شیر کوٹی نے کہا کہ کم تر سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

4۔ مولانا سبحان محمود نے قرآن مجید کی آیات 65:9' 33:66' 49:57' 217:2' 75:5' 1:39 اور 65' 28:47 پر اعتماد کیا۔ انہوں نے کچھ احادیث اور فقہی آراء بیان کیں جن میں شاتم کو مرتد تصور کیا گیا ہے۔ انہوں نے مزید اس حدیث پر اعتماد کیا جو ابو قلابہ سے مروی ہے' جس میں شاتم کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔ انہوں نے قاضی عیاضؒ سے مروی حدیث پر بھی اعتماد کیا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا "ہلاک کر دو اس شخص کو جو پیغمبر کو گالی دے اور اسے درے لگاؤ جو ان کے اصحاب کو گالی دے۔" انہوں نے ان احادیث پر بھی اعتماد کیا جن کے مطابق رسول پاک ﷺ نے شاتم کو سزائے موت دی۔ انہوں نے فقہاء کے اجماع کا بھی حوالہ دیا کہ شاتم کی سزا موت ہے۔ انہوں نے مزید موقف اختیار کیا کہ عمر قید کی سزا شاتم رسول عورت یا غیر مسلم کو دی جا سکتی ہے۔

5۔ مولانا مفتی غلام سرور قادری نے آیات قرآنی 57:49' 65:9 اور 61:9 اور 42' 8:58' 33' 104,4:57 اور بعض احادیث پر اعتماد کیا۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ شاتم کے لیے صرف سزائے موت ہی مقرر ہے' انہوں نے ان احادیث کے حوالے بھی دیئے' جن میں رسول پاک ﷺ نے شاتم کو معاف کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے آیات قرآنی اور احادیث رسول پاک ﷺ پیش کیں۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ اس نکتہ پر واضح ہیں کہ کس جرم میں توبہ قابل قبول ہے۔ مقتدر حنفی فقہاء خصوصاً ابن عابدین' کے اقوال کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ شاتم کی توبہ قابل قبول ہے اور یہی فقہاء حنفیہ کا ترجیحی نظریہ ہے۔

6۔ مولانا حافظ صلاح الدین یوسف نے حنفی فقہاء کے نظریہ پر اعتماد کیا کہ شاتم کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے اور اس کے بعد اسے سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے آیات قرآنی اور رسول پاک ﷺ کی احادیث کے حوالے بھی دیئے بالخصوص ایک

حدیث جو ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کی جاتی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا "اس شخص کو قتل کر دو جو اپنا مذہب (اسلام) بدل دے۔" ان کے مطابق شاتم چونکہ مرتد ہو جاتا ہے پس اسے سزائے موت دی جانی چاہئے انہوں نے ابن تیمیہؒ کی رائے کا بھی حوالہ دیا کہ شاتم کی سزا موت ہے۔ انہوں نے امام مالکؒ ' امام شافعی اور امام احمدؒ کے فتویٰ پر بھی اعتماد کیا۔ (جس کے مطابق شاتم کی سزا قتل قرار دی گئی ہے۔)

7۔ مولانا محمد عبدالفلاح نے دوسری آیات کے ساتھ ساتھ اس قرآنی آیت 46:4 اور احادیث رسول پاک ﷺ پر اعتماد کیا جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شاتم کی سزا موت مقرر فرمائی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ شاتم کی سزا موت ہے۔

8۔ مولانا سید عبدالشکور نے آیات 24:9' 57:33 اور 12:9 کا حوالہ دیا۔ انہوں نے احادیث رسول پاک ﷺ بھی پیش کیں کہ شاتم کی سزا موت ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے گستاخان رسول کو سزائے موت دی ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے کتاب "الفقہ علی المذاہب الاربعہ" مصنفہ عبدالرحمٰن الجزیری' جلد پنجم صفحات 274-275 اور "ردالمختار" جلد سوم' صفحات 290' 291 سے مختلف فقہاء کی آراء بھی پیش کیں۔

9۔ مولانا فضل ہادی نے آیات 2:49' 57:33' 28' 22:58' 12:9' 65:9 اور 66 پر اعتماد کیا۔ انہوں نے رسول پاک ﷺ کی کچھ احادیث کا حوالہ بھی دیا جن میں شاتم رسول کی سزا موت مقرر کی گئی ہے۔ انہوں نے فقہاء کی آراء بھی پیش کیں کہ شاتم کی سزا موت ہے۔

10۔ مولانا سعید الدین شیر کوٹی نے قرآن شریف کی آیات 9:48' 2:49' 3' 53' 13:4' 187:2' 229 اور 57:33 کے حوالے دیئے۔ انہوں نے متعدد احادیث بھی پیش کیں' جن میں رسول پاک ﷺ نے بعض گستاخان رسالت کو سزائے موت دی اور بعض کو معاف بھی فرمایا۔ انہوں نے فقہاء کی بہت سی آراء کا حوالہ بھی دیا۔ خصوصاً جن کا ذکر مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی کتاب "امداد الفتویٰ" جلد پنجم صفحات 166 تا 168 پر کیا ہے۔

11۔ تقریباً تمام فقہاء نے مندرجہ ذیل آیت پر اعتماد کیا ہے جو یوں ہیں:

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں' ان پر دنیا اور آخرت میں

اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا ہے۔"(1)

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"ہر چیز جو رسول پاک ﷺ کی ایذا کا سبب بن جائے' خواہ وہ مختلف معنی کے حامل الفاظ کے حوالہ سے ہو یا ایسے عمل سے جو آپ کی اذیت کے تحت آتا ہے۔"

(الجامع الاحکام القرآن جلد 14' صفحہ 238)

علامہ اسماعیل حقی اس آیت کی تشریع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دینے کا مطلب' دراصل صرف رسول کو اذیت دینا ہے اور اللہ کا ذکر صرف عظمت اور سرفرازی کے لیے ہے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ رسول کو اذیت دینا' دراصل اللہ کو اذیت دینا ہے۔"

12۔ دوسری آیت جس پر اعتماد کیا گیا ہے' اس طرح ہے:

ان میں سے کچھ لوگ ہیں' جو اپنی باتوں سے نبی ﷺ کو دکھ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کانوں کا کچا ہے۔ کہو وہ تمہاری بھلائی کے لیے ایسا ہے' اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اہل ایمان پر اعتماد کرتا ہے اور سراسر رحمت ہے' ان لوگوں کے لیے جو تم میں سے ایماندار ہیں اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دکھ دیتے ہیں' ان کے لیے دردناک سزا ہے۔"(61:9)

"یہ لوگ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں' حالانکہ اگر یہ مومن ہیں تو اللہ اور اس کے رسول اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ یہ ان کو راضی کرنے کی فکر کریں۔"(62:9)

ابن تیمیہ" ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آیت 62:9 اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانا' اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت ہے۔"(الصارم المسلول' ص20'21)

13۔ ابن تیمیہ" مزید لکھتے ہیں: ابن عباس" سے روایت ہے کہ جب شاتمان رسول ﷺ کے گروہ میں سے ایک شخص رسول ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس سے کہا: تم اور تمہارے دوست مجھ پر کیوں سب و شتم کرتے ہیں' جس پر وہ شخص چلا گیا اور اپنے دوستوں کو لے آیا اور ان سب نے اللہ کی قسم کھائی اور کہا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو برا بھلا نہیں کہا: اس پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

"جس روز اللہ ان سب کو اٹھائے گا' وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے' جس طرح تمہارے سامنے کھاتے ہیں' اور اپنے نزدیک یہ سمجھیں گے کہ اس سے ان کا کچھ کام بن جائے گا۔ خوب جان لو' وہ پرلے درجہ کے جھوٹے ہیں۔" (18:58)

"شیطان ان پر مسلط ہو چکا اور اس نے خدا کی یاد ان کے دل سے بھلا دی ہے۔ وہ شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو' شیطان کی پارٹی والے ہی خسارہ میں رہنے والے ہیں۔" (19:58)

یہ آیات مندرجہ ذیل آیت 20:58 سے منسلک ہیں۔

"یقیناً ذلیل ترین مخلوقات میں سے ہیں وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتے ہیں۔" (20:58)

14۔ اس طرح ان آیات قرآن پاک سے بھی ظاہر ہے کہ یہ گالی دینے والے اور شاتم' اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں' جن کے متعلق قرآن کہتا ہے۔

> "اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو' میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں' پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور پور پور پر چوٹ لگاؤ۔" (12:8)
>
> "یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مقابلہ کرے اللہ اس کے لیے نہایت سخت گیر ہے۔" (13:8)
>
> "اگر اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو دنیا ہی میں وہ انہیں عذاب دے ڈالتا اور آخرت میں تو ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے ہی۔" (3:59)
>
> "یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا اور جو بھی اللہ کا مقابلہ کرے' اللہ اس کو سزا دینے میں بہت سخت ہے۔" (4:59)

چنانچہ یہ آیات واضح طور پر سزائے موت مقرر کرتی ہیں' ان لوگوں کے لیے جو

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہیں' جن میں شاتمان رسول ﷺ شامل ہیں۔

15۔ قرآن پاک اس ضمن میں مزید بیان کرتا ہے:

"اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور جو مدینہ میں ہیجان انگیز افواہیں پھیلانے والے ہیں' اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ان کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے تمہیں اٹھا کھڑا کریں گے پھر وہ اس شہر میں مشکل ہی سے تمہارے ساتھ رہ سکیں گے۔"(60:33)

"ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہو گی' جہاں کہیں پائے جائیں گے' پکڑے جائیں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔"(61:33)

16۔ قرآن پاک نے رسول ﷺ کی تعظیم اور تکریم ایک دوسرے طریقہ سے بیان کی ہے اور مسلمانوں کو اسے قائم رکھنے اور اس معاملہ میں احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے ورنہ ان کے اچھے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ فرمایا:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی ﷺ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کرو' جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔"(2:49)

ابن تیمیہؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس آیت میں مومنین کو اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے ان کی بلند آواز ان کے اچھے اعمال کو غارت نہ کر دے اور وہ اس سے بے خبر ہوں۔"(2)

17۔ قرآن کی مختلف آیات سے یہ واضح ہے کہ کفر اور ارتداد انسان کے اعمال کو ضائع کر دیتے ہیں۔ قرآن پاک کہتا ہے:

"لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو: اس میں لڑنا بہت برا ہے' مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد الحرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے اور فتنہ' خونریزی سے شدید ہے۔ وہ تو تم سے لڑتے ہی جائیں گے' حتیٰ کہ اگر ان کا بس

چلے تو تمہیں اس دین سے پھیر لے جائیں گے۔ (اور خوب سمجھ لو کہ) کہ تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں جان دے گا' اس کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔"(217:2)

"آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں' اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں' خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی' بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ ہو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو اور جس کسی نے ایمان کی روش پر چلنے سے انکار کیا تو اس کا سارا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا اور وہ آخرت میں دیوالیہ ہو گا۔"(5:5)

"یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے' لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔"(88:6)

"تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔"(65:39)

"کیونکہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جسے اللہ نے نازل کیا ہے' لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔"(9:47)

18۔ جناب رسالت مآب ﷺ کے خلاف الزام تراشی کو روکنے کے لیے قرآن پاک نے مومنوں کو ذو معنی الفاظ کے استعمال سے بھی منع فرمایا ہے' جیسا کہ یہودی رسول اکرم ﷺ کی اہانت کے لیے کرتے تھے۔ قرآن پاک کہتا ہے:

"اے ایمان والو! راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہو اور توجہ سے بات کو سنو' یہ کافر تو عذاب الیم کے مستحق ہیں۔"(104:2)

مولانا محمد علی صدیقی اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یہود یہ لفظ رسول اکرم ﷺ کی اہانت کے لیے استعمال کرتے تھے۔ لفظ راعنا کے دو معنی ہیں: اچھے اور برے۔ اس کے اچھے معنی ہیں "ہم پر مہربانی اور توجہ فرمائیے۔" برے معنی ہیں جو یہود راعینا کہتے تھے یعنی "اے ہمارے گڈریئے" اور وہ یہ لفظ رسول ﷺ کی شان گھٹانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ پس یہ ایک طنزیہ اشارہ ہے جو توہین رسالت کے برابر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا گیا تا کہ وہ عام راستے بند ہو جائیں جو رسول ﷺ کا اہانت کا باعث ہوں۔(3)

19۔ یہود لفظ راعنا کو راعینا کی طرح استعمال کرتے تھے' تاکہ اسلام کو عیب لگائیں۔ قرآن پاک کہتا ہے:

> "جو لوگ یہودی بن گئے ہیں' ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کی محل سے پھیر دیتے ہیں اور دین حق کے خلاف نیش زنی کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کر کہتے ہیں۔ سمعنا و عصینا اور اسمع غیر مسمع اور راعنا حالانکہ اگر وہ کہتے سمعنا واطعنا اور اسمع اور انظرنا تو یہ انہی کے لیے بہتر تھا اور زیادہ راست بازی کا طریقہ' مگر ان پر تو ان کی باطل پرستی کی بدولت اللہ کی پھٹکار پڑی ہوئی ہے' اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔" (46:4)

علامہ قرطبی کہتے ہیں:

> "مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے منع کیا گیا' تاکہ رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کے راستے مسدود ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم ہی مذہب کی بنیاد ہے اور یوں اس سے محرومی مذہب سے انحراف ہے۔" (معالم القرآن از محمد علی صدیقی' جلد اول' صفحات 463 تا 468)

20۔ عبداللہ بن عباسؓ کی سند سے روایت ہے کہ بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی سے کسی معاملہ میں تنازعہ تھا۔ یہودی نے فیصلہ کے لیے اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس اور منافق نے اسے کعب بن اشرف کے پاس لے جانے کے لیے کہا۔ بہرحال دونوں رسول پاک ﷺ کی خدمت میں گئے اور آپ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ منافق اس فیصلہ پر راضی نہ تھا۔ چنانچہ وہ تنازعہ حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے۔

یہودی نے حضرت عمرؓ کو بتا دیا کہ رسول پاک ﷺ پہلے ہمارے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں۔ یہ شخص اس پر راضی نہ تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے منافق سے کہا کیا یہ ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ اندر گئے' اپنی تلوار لی اور منافق کو قتل کر دیا اور کہا اس شخص کے لیے میرا یہی فیصلہ ہے جو رسول پاک ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس پر آیت 65:4 نازل ہوئی۔

"نہیں' تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں' پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔" (65:4) (روحانی المعانی جلد پنجم' صفحہ 67)

حضرت عمرؓ کے اس عمل کی قرآن کریم نے توثیق کی اور یہ اہانت رسول پاک ﷺ کے لیے سزائے موت کی نظیر ہے۔

21۔ قرآن پاک نے مزید اعلان کیا ہے کہ اہانت رسول ﷺ ارتداد ہے' خواہ کسی شکل میں بھی ہو۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

"اگر ان سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے تو جھٹ کہہ دیں گے ہم تو یوں ہی ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ ان سے کہو' کیا تمہاری ہنسی اور دل لگی اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ تھی۔" (65:9)

"اب عذر نہ تراشو تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیا تو دوسرے گروہ کو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہے۔" (66:9)

22۔ ابن تیمیہؒ ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"یہ بات اللہ' اس کی آیات اور اس کے رسول کا مذاق اڑانے کے بارے میں ہے۔ پس اہانت کو کفر سے بھی شدید تر گردانا جائے گا۔ جیسا کہ اس آیت سے اخذ ہوتا ہے کہ جو کوئی رسول ﷺ کی توہین کرتا ہے' مرتد ہو جاتا ہے۔" (الصارم المسلول' صفحہ 31)

ابوبکر بن عربی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"منافقین یہ لفظ دانستہ بولتے تھے یا بطور استہزاء' بہرحال صورت جو بھی ہو یہ کفر ہے۔ کیونکہ کفریہ الفاظ سے مذاق کرنا بھی کفر ہے۔" (احکام القرآن' جلد دوم' صفحہ 924)

23۔ قرآن نے رسول پاک ﷺ کی عظمت و شان کے پیش نظر ذرا سی بھی وجہ ناراضی سے منع کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح کرنا مومنوں کے لیے ممنوع ہے۔ تاکہ اہانت رسول ﷺ کا ذریعہ نہ بن سکے قرآن کہتا ہے۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' نبی کے گھروں میں بلااجازت نہ چلے آیا کرو' نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ' مگر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ۔ باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبی کو تکلیف دیتی ہیں' مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ نبی ﷺ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ تمہارے لیے ہرگز یہ جائز نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو' یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔" (55:33)

24۔ رسول پاک ﷺ قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیت کے بہترین شارح ہیں اور یہ آپ کی سنت سے بھی ثابت ہے کہ آپ کا شاتم سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیث کا حوالہ دیا جا سکتا ہے:۔

1۔ حضرت علیؓ کی سند سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا "اس شخص کو قتل کرو جو ایک نبی کو گالی دیتا ہے اور جو میرے صحابہ کو گالی دے اسے درے لگاؤ۔" (الشفاء قاضی عیاض' جلد دوم صفحہ 194)

2۔ ابن عباسؓ کی سند سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ کے زمانہ میں ایک نابینا شخص کے پاس ایک لونڈی تھی' جو رسول پاک ﷺ پر سب و شتم کیا کرتی تھی۔ اس نابینا شخص نے اسے اس حرکت سے باز رہنے کا حکم دیا اور اسے ایسا نہ کرنے پر تنبیہہ کی

مگر اس نے پرواہ نہ کی۔ ایک شب جب وہ حسب معمول رسول پاک ﷺ کو گالیاں دے رہی تھی' اس نابینا نے چھری اٹھائی اور اسے ہلاک کر دیا۔ اگلی صبح جب اس عورت کے قتل کا مقدمہ رسول پاک ﷺ کی عدالت میں پیش کیا گیا تو آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا۔ "یہ کام کس نے کیا ہے' کھڑا ہو جائے اور اقبال کرے' کیونکہ جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے باعث میرا اس پر حق ہے۔" اس پر نابینا شخص کھڑا ہو گیا اور لوگوں کو چیرتا ہوا رسول پاک ﷺ کے سامنے آیا اور بولا۔ "یا رسول اللہ! میں نے اس لونڈی کو قتل کیا ہے کیونکہ اس نے آپ کو گالیاں دی تھیں۔ میں نے مسلسل اسے منع کیا مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اس سے میرے دو خوبصورت بیٹے ہیں اور وہ میری بہت اچھی ساتھی تھی مگر کل جب اس نے آپ ﷺ کو گالیاں دینا شروع کیں تو میں نے اپنی چھری اٹھائی اور اس کے پیٹ پر حملہ کیا اور اسے ختم کر دیا۔" رسول پاک ﷺ نے فرمایا۔ "اے لوگو! گواہ رہنا اس عورت کا خون رائیگاں گیا۔"(4)

3۔ حضرت علیؓ کی سند سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت رسول پاک ﷺ کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ اس کو ایک شخص نے قتل کر دیا۔ رسول پاک ﷺ نے اس کا خون بے حقیقت قرار دیا۔(5۔الف)

4۔ ابو برزہؓ کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔ "میں حضرت ابو بکر صدیق کے پاس بیٹھا تھا۔ جب وہ ایک شخص پر برہم ہوئے' میں نے ان سے کہا۔ "اے خلیفہ رسول اللہ! مجھے حکم دیجئے میں اسے قتل کر دوں۔ اتنی دیر میں ان کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ اندر گئے اور مجھے بلایا اور کہا "تم نے کیا کہا تھا؟" میں نے عرض کیا "مجھے حکم دیجئے اسے قتل کرنے کا۔" آپ نے فرمایا "اگر میں تمہیں حکم دے دیتا تو کیا تم اسے قتل کر دیتے؟" میں نے کہا "ہاں" انہوں نے کہا "نہیں' اللہ کی قسم رسول پاک ﷺ کے سوا کوئی شخص اس حیثیت میں نہیں کہ اس کو برا کہنے والا قتل کیا جائے۔"

5۔ جابر بن عبداللہ کی سند سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "کعب بن اشرف کے خلاف کون میری مدد کرے گا۔ بلاشبہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی۔" اس پر محمد ابن مسلمہ کھڑے ہوئے اور بولے "اے اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں سے ہلاک کر دوں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں۔" چنانچہ وہ عباس ابن جابرؓ اور عباد ابن بشرؓ کے ہمراہ گئے اور اسے قتل کر

دیا۔(بخاری جلد دوم صفحہ 88)

6۔ براء ابن عازب سے سند کے ساتھ روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول پاک ﷺ نے انصار کے چھ آدمی عبداللہ ابن عتیق کی سرکردگی میں ایک یہودی ابورافع نامی کے پاس بھیجے' جو رسول پاک ﷺ کو ایذا پہنچاتا تھا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔" (الصارم المسلول از ابن تیمیہ صفحہ 152)

7۔ عمیر ابن امیہ کی سند سے روایت ہے کہ اس کی ایک مشرکہ بہن تھی جو اس کو رسول پاک ﷺ سے ملاقات پر طعنے دیتی تھی اور رسول پاک ﷺ کو برا بھلا کہا کرتی تھی۔ آخرکار ایک دن انہوں نے اپنی تلوار سے اسے ہلاک کر دیا۔ اس کے بیٹے چلائے اور بولے "ہم ان قاتلوں کو جانتے ہیں جنہوں نے ہماری ماں کو ہلاک کیا اور ان لوگوں کے والدین مشرک ہیں۔" عمیر نے سوچا کہ اس عورت کے بیٹے کہیں غلط اشخاص کو قتل نہ کر ڈالیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور پورے معاملہ کی اطلاع آپ کو دی۔ نبی ﷺ نے ان سے کہا "کیا تم نے اپنی بہن کو مار ڈالا؟" انہوں نے جواب دیا۔ "ہاں۔" آپ ﷺ نے دریافت کیا "کیوں" انہوں نے کہا کہ وہ مجھے آپ ﷺ کے تعلق کی وجہ سے نقصان پہنچا رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کے بیٹوں کو بلایا اور قاتلوں کے متعلق دریافت فرمایا۔ انہوں نے دوسرے لوگوں کی بطور قاتل نشان دہی کی۔ اس پر اللہ کے رسول نے انہیں بتایا اور اس کی موت کو رائیگاں قرار دیا۔(مجمع الزوائد و منابع الفوائد' جلد پنجم' صفحہ 260)

8۔ بیان کیا جاتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول پاک ﷺ نے عام معافی کے اعلان کے بعد ابن خطل اور اس کی لونڈیوں کے قتل کا حکم دیا' جو رسول پاک ﷺ کی ہجو میں اشعار کہا کرتی تھی۔ "الشفاء از قاضی عیاض" جلد دوم صفحہ 284 اردو ترجمہ)

9۔ قاضی عیاض" نے الشفاء میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول پاک ﷺ کو برا بھلا کہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ؓ سے فرمایا "اس شخص کو کون ہلاک کرے گا؟" اس پر خالد بن ولید ؓ نے کہا۔ "میں اسے قتل کروں گا۔" رسول پاک ﷺ نے انہیں حکم دیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔(الشفاء' قاضی عیاض" ' جلد دوم' ص 284)

10۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص رسول پاک ﷺ کے پاس آیا اور بولا "اے اللہ کے نبی ﷺ ! میرے باپ نے آپ کو برا بھلا کہا' میں اسے برداشت نہ کر سکا اور

اسے قتل کر دیا۔" رسول پاک ﷺ نے اس کے اس عمل کی توثیق فرمائی۔(الشفاء از قاضی عیاضؒ جلد دوم' صفحہ 285)

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت جو بنی خطمہ سے تعلق رکھتی تھی' رسول پاک ﷺ کو برا بھلا کہتی رہتی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا "اس بدزبان عورت سے کون انتقام لے گا۔" اس کے قبیلہ کے ایک شخص نے یہ ذمہ داری اٹھائی اور اسے قتل کر دیا۔ پھر وہ رسول پاک ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا "اس قبیلہ میں دو بکریاں بھی نہیں لڑیں گی اور لوگ اتحاد اور یگانگت سے رہیں گے۔"(الشفاء از قاضی عیاضؒ' جلد دوم صفحہ 286)

25۔ حضرت عبدالرزاق نے اپنی "تصنیف" میں مندرجہ ذیل احادیث توہین رسول پاک ﷺ اور اس کی سزا کے متعلق بیان کی ہیں:

حدیث نمبر9704: حضرت عکرمہؓ کی سند سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول پاک ﷺ کو گالی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے اس دشمن کے خلاف کون میری مدد کرے گا؟" زبیر نے کہا۔ "میں۔" پس وہ (زبیر) اس سے لڑے اور اسے قتل کر دیا۔

2۔ حدیث نمبر9705: عروہ ابن محمد کی سند سے روایت ہے کہ (جو نبی ﷺ کے ایک صحابی کے حوالہ سے کہتے ہیں) ایک عورت رسول پاک ﷺ کو برا بھلا کہتی تھی۔ آپ نے فرمایا "میری اس دشمن کے خلاف کون میری مدد کرے گا۔" اس پر خالد بن ولیدؓ اس کے تعاقب میں گئے اور اسے قتل کر دیا۔

3۔ حدیث نمبر9706: عبدالرزاق کی سند سے بیان کیا جاتا ہے (جو اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں) کہ جب ایوب ابن یحییٰ عدنان کے پاس گئے' ان کو ایک آدمی کی نشاندہی کی گئی' جو رسول پاک ﷺ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ انہوں نے اس معاملہ میں علماء سے صلاح مشورہ کیا۔ عبدالرحمٰن ابن یزید سنانی نے انہیں مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ عبدالرحمٰن نے انہیں ایک حدیث سنائی تھی کہ وہ حضرت عمرؓ سے ملے اور ان سے بہت علم حاصل کیا۔ ایوب نے اس عمل کا ذکر عبدالملک (یا ولید ابن عبدالملک) سے بھی کیا۔ انہوں نے جواباً ان کے عمل کی تعریف کی۔

4۔ حدیث نمبر7907: سعید ابن جبیر کی سند سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے

رسول پاک ﷺ کی نقل کی۔ آپ ﷺ نے علی اور زبیر کو بھیجا اور ان سے کہا۔ "جب تم اسے پاؤ تو قتل کر دو۔"

5۔ حدیث نمبر9708: ابن تیمی کی سند سے روایت ہے جو اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اس آدمی کے قتل کا حکم دیا جس نے رسول پاک ﷺ پر الزام لگایا۔(مصنف عبدالرزاق' جلد پنجم' صفحات 378-377)

26۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اپنے بعض شاتمین کو معاف فرما دیا تھا۔ لیکن فقہاء کا اتفاق ہے کہ رسول پاک ﷺ کو بذات خود ہی معافی کا اختیار تھا لیکن امت کو آپ ﷺ نے شاتمین کو معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں دیا۔(الصارم المسلول' ابن تیمیہ' صفحات 222-223)

27۔ ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں کہ ابو سلیمان خطابی نے کہا۔

"اگر شاتم رسول ﷺ مسلمان ہو تو اس کی سزا موت ہے اور اس میں میرے علم کے مطابق مسلمانوں میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔"(الصارم المسلول' صفحہ4)

قاضی عیاض لکھتے ہیں:

"اس نکتہ پر ائمہ کا اجماع ہے کہ ایک مسلمان مرتکب توہین رسالت کی سزا موت ہے۔"(الشفاء' جلد دوم' صفحہ211)

قاضی عیاض رقم طراز ہیں:

"ہر وہ شخص جو رسول پاک ﷺ کو گالی دے' آپ ﷺ میں کوئی نقص نکالے یا آپ ﷺ کے نسب میں یا آپ ﷺ کی کسی صفت میں یا آپ کی طرف کوئی کنایہ کرے یا کسی دوسری چیز سے آپ کی مشابہت کرے آپ ﷺ کی توہین' بے عزتی' تذلیل' بے لحاظی یا نقص کے طور پر تو وہ آپ ﷺ کا شاتم ہے اور وہ قتل کیا جائے گا اور علماء و فقہاء کا اس نکتہ پر اجماع صحابہ کے زمانہ سے آج تک ہے۔"(الشفاء از قاضی عیاضؒ جلد دوم' صفحہ 214)

29۔ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں:

"مسلمانوں میں اس امر میں کوئی اختلاف رائے نہیں کہ ایک

مسلمان جو دانستہ رسول پاک ﷺ کی تضحیک و توہین کرتا ہے' مرتد ہو جاتا ہے اور سزائے موت کا مستوجب ہوتا ہے۔"(احکام القرآن' جلد ہشتم' صفحہ 106)

یہاں ایک اور حدیث بیان کرنا مفید ہو گا۔

(عبداللہ ابن عباس کی سند سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اس شخص کو قتل کر دو جو اپنا مذہب (اسلام) تبدیل کرتا ہے۔"(بخاری' جلد دوم' صفحہ 123)

30۔ قاضی عیاض نے بیان کیا ہے کہ ہارون الرشید نے امام مالک" سے شاتم رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں دریافت کیا اور کہا کہ عراق کے کچھ فقہاء نے اس کو درے لگانا تجویز کیا ہے۔ اس پر امام مالک" غضب ناک ہو گئے اور کہا۔

"اے امیرالمومنین! اس امت کو زندہ رہنے کا کیا حق حاصل ہے جب اس کے رسول کو گالیاں دی جائیں۔ پس اس شخص کو' جو رسول ﷺ کو برا بھلا کہے' قتل کر دو اور اس کو درے لگاؤ جو آپ کے صحابہ کو برا بھلا کہے۔"(الشفاء' جلد دوم صفحہ 215)

31۔ ابن تیمیہ اس ضمن میں فقہاء کی آراء بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ابوبکر فارسی شافعی نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں اس بات پر اجماع ہے کہ شاتم رسول ﷺ کی سزا موت ہے' اگر وہ مسلمان ہے۔"(الصارم المسلول' صفحہ 3)

32۔ مندرجہ بالا بحث سے کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا کہ قرآن پاک کے مطابق جب رسول پاک ﷺ نے اس کی تشریح فرمائی ہے اور اس کے بعد امت میں تواتر سے اس پر عمل ہو رہا ہے کہ رسول پاک ﷺ کی توہین کی سزا موت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ کی توہین کی سزا موت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ کے بعد کسی نے سزا میں کمی یا معافی کا حق استعمال نہیں کیا اور نہ کسی کو اس کا اختیار تھا۔ اس طرح مقدمہ میں پیدا ہونے والا دوسرا سوال اہانت رسول ﷺ کا تعین یا اس کی واضح تعریف ہے۔

33۔ سب و شتم کے الفاظ اور اذی' توہین رسول ﷺ کے لیے قرآن پاک اور سنت میں استعمال ہوئے ہیں۔ سب کے معنی تکلیف اٹھانے' نقصان پہنچانے' تنگ کرنے' اہانت کرنے' بے عزتی کرنے' ناراض کرنے' مجروح کرنے' تکلیف میں مبتلا کرنے' بدنام کرنے' درجہ گھٹانے اور طنز کرنے کے ہیں۔

(Arabic English Dictionary, E.W. Lane. Book I, Part I, Page-24)

لفظ شتم کے معنی ہیں بے عزتی کرنا' گالی دینا' ملامت کرنا' جھڑکنا' بددعا دینا' بدنام کرنا۔ (ایضاً صفحات 212-249)

علامہ رشید رضا لفظ "اذی" کے معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کے معنی کوئی ایسی چیز ہے جس سے زندہ شخص کے جسم یا ذہن کو تکلیف پہنچے' خواہ ہلکی ہی ہو۔" (تفسیر المنار جلد دہم' صفحہ 445)

علامہ ابن تیمیہ توہین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس کے معنی رسول کو لعنت کرنے' ان کے لیے کسی مشکل کی دعا کرنے یا ان کی طرف کسی ایسی چیز کو منسوب کرنا ہے جو ان کے رتبہ کے لحاظ سے نازیبا ہو۔ یا کوئی توہین آمیز' جھوٹے اور نامناسب الفاظ استعمال کرنا' یا ان سے جہالت منسوب کرنا یا ان پر کسی انسانی کمزوری کا الزام لگانا وغیرہ۔" (الصارم المسلول' ابن تیمیہ صفحہ 526)

34۔ ابن تیمیہ توہین رسالت ﷺ کے جرم کے دائرہ اور لوازمات پر بحث سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعض اوقات ایک حالت میں ایک لفظ ہی ضرر اور توہین بن جاتا ہے' جب کہ دوسرے موقع پر ایسا لفظ ضرر بنتا ہے نہ توہین۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ذو معنی اور مختلف مطالب والے لفظ کی توضیح' حالات اور مواقع کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ جب کہ سب (توہین و تذلیل) کی تعریف شرع میں دی گئی نہ لغت میں' تو اس کی توضیح کے لیے رواج اور محاورہ پر انحصار کیا جائے گا۔ وہی شرع میں توہین و تذلیل قرار پائے گا اور اس کے برعکس بھی۔" (الصارم المسلول' ابن تیمیہ صفحہ 540)

35۔ فوجداری مسئولیت کے لیے خطا کاری دانستہ طور پر ارادتاً ہونا چاہیئے یا کسی مجرمانہ غرض سے کی جائے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ غفلت سے نہ کی گئی ہو اور ہر موقع پر فاعل کی ذہنی کیفیت ایسی ہو جو سزا کو موثر بنا سکے۔ اگر ایک شخص دانستہ غلط کاری اختیار کرتا ہے تو تعزیری نظام آئندہ کے لیے اسے راہ راست اختیار کرنے کے لیے وافر قوت محرکہ فراہم کرے گا۔ اگر دوسری طرف اس سے ممنوعہ فعل خطا کارانہ نیت کے بغیر سرزد ہوا ہے' تب بھی نقصان دہ نتائج کے امکان کو محسوس کرتے ہوئے سزا آئندہ کے لئے بہتر طرز عمل کے لیے موثر ترغیب ہو سکتی ہے۔

36۔ تاہم دوسرے ایسے مواقع بھی ہوسکتے ہیں جہاں کافی یا ناکافی وجوہ کی بنا پر قانون ایک کم درجہ کے مجرمانہ ذہن پر مطمئن ہو۔ یہ صورت غفلت کے جرائم کی ہے۔ ایک شخص کو کسی جرم کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے اگر اس نے وہ فعل ایک معقول انسان کی طرح متوقع نتائج سے بچنے کے لیے نہ کیا ہو۔ دوسرے معاملہ میں قانون اس سے آگے جا سکتا ہے اور ایک شخص کو بلالحاظ کسی مجرمانہ ذہنی کیفیت یا قابل مواخذہ غفلت کے اس کے فعل کا ذمہ دار قرار دے سکتا ہے۔ ایسی خطاکاریاں جو غلطی سے مبرا ہوں' شدید ذمہ داری والی خطا کاری سے ممیز کی جا سکتی ہیں۔"

37۔ خطا کاریاں تین قسم کی ہیں:

1۔ دانستہ یا غفلت کی خطا کاریاں' جن میں مجرمانہ نیت' مقصد' منصوبہ یا کم از کم پیش بینی شامل ہو۔

2۔ غفلت کی خطاکاریاں جہاں مجرمانہ ذہن محض غفلت کی کم اہم شکل اختیار کر لیتا ہے جو مجرمانہ نیت یا پیش بینی سے متضاد ہے۔ ایسی خطاکاریوں میں غلطی جیسا دفاعی موقف صرف مجرمانہ ذہن کی نفی کرے گا' اگر غلطی بذات خود غفلت نہ ہو۔

3۔ شدید ذمہ داری کی خطا کاریاں' جن میں مجرمانہ ذہن کی ضرورت نہیں اور نہ مجرمانہ نیت یا قابل مواخذہ غفلت کو ذمہ داری کی لازمی شرط تصور کیا جائے گا۔ یہاں اس قسم کے دفاعی موقف' جیسے غلطی سے کسی فعل کا سرزد ہونا قابل قبول نہیں۔

38۔ اس طرح نیت وہ مقصد یا منصوبہ ہے جس کے تحت ایک فعل کیا گیا ہو۔ فرض کریں ایک آدمی بندوق خرید تا ہے' اس کی نیت شکار کھیلنے کی ہو سکتی ہے' اپنے دفاع کے لیے استعمال کی ہو سکتی ہے یا کسی پر گولی چلا کر اسے جان سے مار دینے کی ہو سکتی

ہے تاہم اگر موخرالذکر فعل ذاتی مدافعت ثابت نہیں ہوتا بلکہ قتل ثابت ہوتا ہے' تب نیت ایسا ہی کرنے کی کہی جاسکتی ہے' یعنی جان سے مار دینے کی۔

39۔ ایک غیرارادی فعل وہ ہے جس میں ایسا مقصد یا منصوبہ مقصود ہو۔ ایک فعل جیسے جان سے مارنا' جو ایک وجہ اور اثر کا حامل ہے' اس وقت غیرارادی ہو سکتا ہے جب کہ فاعل ایسے نتائج برآمد کرتا ہے جو اس کی نیت نہ تھے۔ کوئی شخص غلطی سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے جیسے شکار پر گولی چلاتے ہوئے یا غلط فہمی سے اس کو کوئی اور شخص تصور کرتے ہوئے۔ پہلے بیان کردہ صورتوں میں وہ عواقب کا اندازہ نہیں لگا سکتا' جب کہ موخرالذکر صورت میں وہ بعض حالات سے ناواقف ہے۔

40۔ تاہم نظام قانون یہ اصول فراہم کر سکتا ہے کہ ایسے نتائج کے لیے آدمی کو قابل مواخذہ قرار دیا جائے چاہے یہ اس کی نیت نہ رہے ہوں۔ اولاً ایسا اصول ذہنی عناصر کی مشکل تفتیش کا تدارک کرے گا' دوم اور زیادہ اہم یہ ہے کہ یہ اصول اس بنا پر معقول ہوگا کہ کسی شخص کو ایسے افعال نہیں کرنے چاہیں جن کو وہ سمجھتا ہو کہ دوسروں کے لیے باعث آزار ہوں گے۔ خواہ اس کی نیت یہ آزار پہنچانے کی ہو یا نہ ہو۔ ایسا رویہ بظاہر غیرمحتاط اور مورد الزام ہے' تاوقتیکہ خطرہ کا جواز خود فعل کے معاشرتی مفاد کی بنا پر نہ پیش کیا جاسکے۔

41۔ اس خاص تعلق سے اور عموماً ہر دو صورتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ قانون میں یہ اختیار ہو سکتا ہے اور بعض اوقات ہوتا ہے کہ نیت کی محدود تعریف سے باہر اس بنا پر ذمہ داری منسوب کی جائے جس کو تاویلی نیت کہا جاتا ہے۔ وہ نتائج جو دراصل محض غفلت کی پیداوار ہیں' قانون میں بعض اوقات دانستہ گردانے جاتے ہیں۔ پس جو کوئی کسی دوسرے کو شدید جسمانی نقصان پہنچاتا ہے' خواہ اسے ہلاک کرنے کی خواہش یا اس کی یقینی موت کی توقع کے بغیر ہی کیوں نہ ہو' موت واقع ہو جانے کی صورت میں وہ قتل کا مجرم ہوگا۔

42۔ اگرچہ کہ قانون اکثر بلااستثنا ہمیشہ اس قسم کے تغافل سے پیدا ہونے والے عواقب کو' جسے بے احتیاطی سے ممیز کیا جاسکے' دانستہ گردانتا ہے' یعنی جہاں فاعل اپنے خطاکارانہ فعل کے متوقع عواقب کی پیش بینی کر سکتا ہے۔ بے شک ایک معقول آدمی کی پیش بینی بظاہر ایک مفید شہادتی کسوٹی ہے جس سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ فاعل نے خود کیا

بھانپ لیا تھا۔ لیکن متذکرہ اصول نے اسے ایک قانونی قیاس کی شکل دے دی ہے' جو بظاہر رد نہیں کی جا سکتی۔ یوں نیت کے تحت وہ افعال آتے ہیں جو صریحاً مد نظر ہوں یا جو غفلت سے کیئے گئے ہوں۔

43۔ شریعت میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مجرمانہ نیت پہلے سے تھی یا جرم کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئی۔ دونوں صورتوں میں سزا یکساں ہے۔ اس اصول کی تائید درج ذیل حدیث رسول ﷺ سے ہوتی ہے:

> "اللہ تعالیٰ وہ تمام خیالات معاف فرما دیتا ہے جو میری امت کے افراد کے دل میں پیدا ہوتے ہیں جن کو وہ ظاہر نہیں کرتے' یا جن پر وہ عمل نہیں کرتے۔"

یہی وجہ ہے کہ شریعت پہلے سے طے شدہ قتل انسانی اور ایذا رسانی اور بغیر سوچے سمجھے قتل یا ایذا کے درمیان کوئی خط تفریق نہیں کھینچتی اور دونوں صورتوں میں بعینہ وہی سزا مقرر کرتی ہے۔ قتل کی مقررہ سزا قصاص ہے' خواہ وہ سوچا سمجھا ہوا ہو یا نہ ہو۔

44۔ نیت پختہ یا غیر پختہ ہو سکتی ہے۔ کسی مجرم کی کسی بھی شخص کو صاف ضرر پہنچانے کی نیت ایک واضح نیت سمجھی جائے گی۔ اگر مجرم اپنے نتائج پیدا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو باوجود غیر واضح نتائج کے اس کا جرم ایک واضح فعل گردانا جائے گا' خواہ اس سے کچھ بھی نتائج پیدا ہوں۔ حنفیہ' حنابلہ اور بعض شافعی فقہاء مجرمانہ معاملات بشمول قتل کی واضح اور غیر واضح نیت میں کوئی تمیز روا نہیں رکھتے۔ لہٰذا اگر مجرم کا فعل قتل پر منتج ہوتا ہے تو وہ دانستہ قاتل ہے' خواہ اس کی نیت کسی خاص مقتول کی نہ ہو۔

مزید برآں مجرم کی ذمہ داری کا تعین اور اس جرم کی قسم طے کرنے کے لیے جس' کا وہ مرتکب ہے' فقہاء پختہ اور غیر پختہ نیت کو ایک سطح پر رکھتے ہیں اور انہیں ایک ہی حکم کے تابع خیال کرتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ جرم میں قتل اور ناپختہ نیت جرم شامل ہو۔

45۔ شریعت نے مجرمانہ نیت اور مقصد جرم کے فرق کو ابتدا ہی سے پیش نظر رکھا ہے مگر ارتکاب پر مقصد کے اثر اور طرز جرم اور اس پر عائد سزا کو تسلیم نہیں کیا۔ یوں شرع میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مقصد جرم پسندیدہ ہے' جیسے اپنے کسی قریبی عزیز کے قصاص یا مجرم کے ہاتھوں اس کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے یا یہ کہ مقصد جرم

غیر پسندیدہ ہے جیسے روپے کے لالچ یا سرقہ کے لیے قتل کرنا۔

46۔ دوسرے الفاظ میں مقصد جرم کی مجرمانہ نیت سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس سے طرز جرم یا اس کی سزا متاثر ہوتی ہے۔ پس عملاً یہ ممکن ہے کہ جہاں تک حد اور قصاص کے جرائم کا تعلق ہے' مقصد کے اثر کو مسترد کر دیا جائے مگر ایسا کرنا تعزیری سزاؤں کے معاملات میں ممکن نہیں۔ مقصد حد اور قصاص کے جرائم کو متاثر نہیں کرتا۔ کیونکہ قانون ساز ہستی نے ارتکاب جرم کے پس پردہ مقصد پر غور کو قبول نہ کرکے عدالت کے اختیار کو مقررہ سزاؤں تک محدود کر دیا ہے۔ لیکن تعزیری سزاؤں کے مقدمات میں اس نے عدالت کو مقدار سزا اور قسم سزا متعین کرنے کا اختیا دیا ہے' تاکہ عدالت کے لیے مقدار سزا کے تعین میں مقصد جرم کو پیش نظر رکھنا ممکن ہو۔

47۔ دوسرے الفاظ میں انسان کے بنائے ہوئے رائج الوقت قوانین اور شریعت اسلامی میں یہ فرق ہے کہ موخرالذکر ان مقدمات میں' جو حدود اور قصاص کے زمرہ میں آتے ہیں' مقصد کے اثر کو تسلیم نہیں کرتا۔ شریعت میں ایسی کوئی چیز نہیں جو عدالت کے لیے مقصد جرم پر غور کرنے میں مانع ہو۔ اگرچہ اصلاً یہ سزا پر اس کے اثر کو تسلیم نہیں کرتی۔

48۔ مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہے کہ شریعت کسی جرم کو صرف اس وقت قابل حد تسلیم کرتی ہے جب اس کے ساتھ واضح نیت موجود ہو۔ شریعت سزائے حد موقوف کر دیتی ہے۔ اگر اس امر میں کوئی شک ہو کیونکہ شبہات حد کو زائل کر دیتے ہیں۔

49۔ چنانچہ پیرا 37 کی صرف پہلی قسم کی خطائیں سزائے حد کو اپنی طرف متوجہ کریں گی اور اس کا اطلاق شاتم رسول ﷺ پر ہوگا۔ مزید یہ کہ چونکہ نیت کا پتہ وقوعہ کے گرد کے حالات سے چل سکتا ہے' دوسری اور تیسری قسم کے اعمال حدوں کی سزاؤں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کریں گے۔ بشرط یہ کہ ملزم یہ ثابت کرے کہ اس کا ارادہ کبھی بھی جرم کرنے کا نہ تھا اور وہ نادم ہو' اگر کہے گئے الفاظ' کئے گئے اشارے یا عمل' مبہم ہوں یا وہ مجرمانہ ذہن یا بغض کے کچھ رجحانات ظاہر کرتے ہوں۔ یہاں ہم یہ بھی واضح کر دیں کہ توہین رسول ﷺ کے جرم میں ندامت کا فائدہ یہ ظاہر کرنے کے لیے اٹھایا جا سکتا ہے کہ مجرم کے ذہن میں کوئی مجرمانہ خیال یا بغض نہ تھا اور سزا اسی بنا پر موقوف کر

دی جائے گی' اس لیے نہیں کہ ندامت ایک سوچی سمجھی توہین کو ختم کردے گی۔
قرآن پاک کہتا ہے:

"نادانستہ جو بات تم کہو اس کے لیے تم پر کوئی گرفت نہیں ہے' لیکن اس بات پر ضرور گرفت ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔ اللہ درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔" (5:33)

"جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو تم پر سلامتی ہے' تمہارے رب نے رحم و کرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو' پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے۔" (54:6)

"جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کرلیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔" (106:6)

"اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے اور وہ راز تک جانتا ہے جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں۔" (19:40)

50۔ حضرت عمرؓ کی سند سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے نبی ﷺ کو کہتے سنا:

"اعمال کی جزا کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو جو اس کی نیت رہی ہوگی اسی کے مطابق جزا ملے گی۔" پس جنہوں نے دنیاوی فائدے کے لیے ہجرت کی اس کی ہجرت اس فائدے کے لیے تھی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔ (بخاری' جلد اول' صفحہ 1' حدیث(1)

51۔ ابی ابن کعب کی سند سے روایت ہے کہ "انصار میں ایک شخص تھا' جس کا گھر مدینہ کے آخری سرے پر تھا۔ لیکن اس نے رسول ﷺ کے ساتھ اپنی کوئی نماز قضا نہ ہونے دی۔ ہمیں اس پر ترس آیا اور اس سے کہا: اے بھلے آدمی! تم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کوئی گھر کیوں نہیں خرید لیتے تاکہ تم گرمی اور اتنی دور سے آنے کی تکلیف

سے بچ سکو۔ اس نے کہا: سنو' اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ میرا گھر رسول اللہ ﷺ کے قریب واقع ہو۔ مجھے اس کے یہ الفاظ برے لگے اور اللہ کے نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو (ان الفاظ کی) اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے اسے طلب فرمایا اور اس نے بالکل وہی کہا' جو اس نے ابن ابی کعب سے کہا تھا' مگر یہ بھی کہا کہ وہ اپنے ہر قدم کی جزا چاہتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حقیقت میں تمہارے لیے وہ جزا ہے جس کی تم نے نیت کی۔" (مسلم' جلد اول' انگریزی ترجمہ از عبدالحمید صدیقی' صفحات 323-324 حدیث 1404) مندرجہ بالا حدیث صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ بظاہر جو الفاظ کہے گئے' وہ توہین آمیز معلوم ہوتے ہیں مگر یہ کہنے والے کی نیت نہ تھی' پس اسے سزا سے مبرا قرار دیا گیا۔

52۔ یحییٰ ابن سعد کی سند سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما تھے جب کہ مدینہ میں ایک قبر کھودی جا رہی تھی۔ ایک آدمی نے اچانک قبر میں جھانکا اور بولا اک مومن کی بری آرام گاہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پلٹ کر فرمایا: "کیا بری شے تم نے دیکھی ہے!" اس شخص نے بات کھل کر کہی' میرا یہ مطلب نہ تھا بلکہ میرا مطلب تھا کہ اللہ کی راہ میں جہاد بہتر ہے۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے تین مرتبہ کہا: "اللہ کی راہ میں مرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں' دنیا میں کوئی دوسرا خطہ زمین ایسا نہیں سوائے جہاد کے جہاں میں اپنی قبر پسند کروں۔" (مشکوۃ جلد سوم' صفحات 662-663 انگریزی ترجمہ از فضل الکریم' حدیث 575)

53۔ یہاں یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ صرف یہ حقیقت' کہ کہے گئے الفاظ رسول ﷺ کی شان میں بے ادبی ہیں' جرم نہیں' جب تک کہ یہ پرخاش یا تذلیل پر مبنی نہ ہوں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے روبرو بلند آواز سے بولنا منع ہے۔

قرآن پاک کہتا ہے۔

> "اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔"(2:49)

اس ضمن میں علامہ قرطبی آیت 2:49 کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"چیخنے اور اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی' تاہم یہ جرم نہیں اگر بغرض جنگ یا دشمن کو خوفزدہ کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔"(6)

54۔ علامہ آلوسی آیت 2:49 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب یہ آیت نازل ہوئی' ثابت ابن قیس' جس کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی' اپنے گھر گئے اور دروازہ بند کر کے رونا شروع کر دیا۔ جب انہوں نے نبی ﷺ کی مجالس میں لمبے عرصہ تک حاضری نہ دی تو رسول پاک ﷺ نے ان کے متعلق دریافت فرمایا۔ صحابہ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ انہوں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا ہے اور گھر کے اندر رو رہے ہیں۔ رسول پاک ﷺ نے انہیں بلوایا اور پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: "اے اللہ کے نبی' جب سے یہ آیت نازل ہوئی' بلند آواز کا مالک ہونے کی وجہ سے مجھے خوف آیا کہ میں ان میں سے ایک نہ ہوں' جن کے نیک اعمال ضائع کر دیے جائیں گے۔" رسول پاک ﷺ نے ان سے کہا۔ "تم ان میں سے نہیں' تم برکتوں کے ساتھ زندہ رہو گے اور برکتوں کے ساتھ ہی وفات پاؤ گے.........." کے مطابق اس کی بنیاد یہ تھی کہ اس کی بلند آواز قدرتی چیز تھی' کیونکہ وہ بہرے تھے اور بہرے اکثر بلند آواز میں بولتے ہیں اور ان کی بلند آواز رسول پاک ﷺ کی تحقیر و تذلیل کی غرض سے نہ تھی' جیسا کہ منافقین کی' جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔" (روح المعانی' جلد 26' صفحات 124-125)

55۔ علامہ آلوسی مزید لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ کے سامنے ان کا چیخ کر بولنا دو طرح کا ہے:

(1) جو اچھے اعمال کو غارت نہیں کرتا۔

(2) جو نیک اعمال کو ضائع کرنے کے برابر ہے۔

اول بغض اور توہین کرنے والے عمل پر مبنی نہیں جیسے کہ جنگوں میں چیخنا اور اونچی آواز سے بولنا' دشمنوں کے ساتھ جھگڑے کے دوران

ضرب اور توہین کے لیے' جیسے رسول ﷺ نے یوم غزوہ حنین کے موقع پر حضرت عباس ؓ کو لوگوں کو بلند آواز سے پکارنے کا حکم دیا اور انہوں نے لوگوں کو ایسی بلند آواز سے پکارا کہ اس سے حاملہ عورتوں کے حمل گر پڑے۔ دوسری قسم بغض اور توہین آمیز اعمال پر مبنی ہے' جیسا کہ منافقین اور کفار کرتے تھے۔" (روح المعانی جلد 26' ص 124-125)

56۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت کا آخری حصہ ایک شخص کے متعلق نازل ہوا جو کہتا تھا۔ "اللہ کے نبی ﷺ کی وفات کے بعد میں حضرت عائشہ ؓ سے نکاح کروں گا۔" جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت اذیت ہوئی۔ اس موقع پر وہ آیت نازل ہوئی جس نے ہمیشہ کے لیے جناب رسالت مآب ﷺ کی ازواج سے نکاح ممنوع قرار دیا اور رسول پاک ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی زوجہ کلیبہ کو طلاق دے دی اور اس نے عکرمہ بن ابو جہل سے نکاح کر لیا اور بعض کے نزدیک' اس نے ابن قیس کندی سے نکاح کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت ان کے خیال میں آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ سے نکاح آپ ﷺ کی وفات کے بعد نکاح کا اظہار باعث اذیت رسول ﷺ نہ تھا' کیونکہ یہ ممنوع نہ ہوا تھا۔ (الجامع الاحکام القرآن ص 230)

57۔ رسول پاک ﷺ نے مسطح ؓ' حسان ؓ اور حمنہ ؓ کو جنہوں نے حضرت عائشہ ؓ پر الزام تراشی میں حصہ لیا تھا' سزا نہیں دی اور آپ ﷺ نے انہیں منافق بھی قرار نہیں دیا۔ ابن تیمیہ ؒ اس صورتحال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کی نیت اللہ کے رسول کو ایذا دینے کی نہ تھی اور اس کی کوئی علامت بھی موجود نہ تھی' جبکہ ابن ابی ایذا کی نیت رکھتا تھا۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ اس وقت یہ نہیں کہا گیا تھا کہ اللہ کے نبی ﷺ کی اس دنیا میں ازواج دوسری دنیا میں بھی آپ ﷺ کی ازواج ہوں گی اور یہ ان کی بیویوں کے لیے عرف عام میں ممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول

پاک ﷺ نے ان کے معاملہ میں تذبذب فرمایا اور علیؓ و زیدؓ سے مشورہ کیا اور بریرہؓ سے دریافت کیا اور ان لوگوں کو منافق قرار نہیں دیا جن کی نیت نبی ﷺ کے ایذا کی نہ تھی۔ ان کے ذہن میں اس امکان کی بنا پر' کہ شاید رسول پاک ﷺ اپنی متہم بیوی کو طلاق دے دیں' لیکن اس حکم کے بعد' کہ اس دنیا میں آپ ﷺ کی ازواج آخرت میں بھی آپ ﷺ کی ازواج ہوں گی اور یہ کہ امہات مومنین ہیں' ان پر الزام لگانا ہر قیمت پر نبی ﷺ کی اذیت ہوگا۔" (الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ' ص 49)

مولانا احمد یار خاں بدایونی لکھتے ہیں:

- "شاتم کی نیت اہانت رسول پاک ﷺ ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اگر ایک شخص نے کہا' رسول پاک ﷺ غریب تھے اور خوش قسمت نہ تھے' تو وہ صرف اس وقت کافر ہو جائے گا' جب اس سے اس کی نیت اہانت رسول ﷺ ہو۔" (نور العرفان' حصہ دہم' ص 74)

59۔ تاہم بعض فقہاء کی رائے ہے کہ اگر اہانت رسول پاک ﷺ واضح اور صریح الفاظ میں ہے تو شاتم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اس کی نیت کیا تھی لیکن اگر الفاظ ایسے ہیں جو مختلف معنی اور مفہوم رکھتے ہیں یا اس امر کی صلاحیت رکھتے ہیں جن میں سے صرف ایک مفہوم توہین کا حامل ہے تو اس سے اس کی نیت دریافت کی جائے گی۔ (الشفاء قاضی عیاضؒ' جلد دوم' ص 221)

60۔ تاہم ہمیں اس سے اتفاق نہیں۔ اولاً الفاظ کے معنی و مفہوم موقع محل سے بدل جاتے ہیں' سیاق و سباق بھی مختلف معنی ظاہر کر سکتا ہے' للٰذا ملزم کو وضاحت کا موقع دینا چاہیے' تاکہ کہیں کوئی معصوم شخص سزا نہ پا جائے۔ ایک روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: "ایک مجرم کو بری کر دینے کی غلطی ایک معصوم شخص کو سزا دینے کی غلطی سے بہتر ہے۔" (سنن البیہقی' جلد ہشتم' ص 184) قرآن بھی ہر ملزم کو حق دیتا ہے کہ اسے سنا جائے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ گو اللہ قدر مطلق جانتا ہے کہ جو کچھ امین فرشتوں نے ایک شخص کے اعمال نامہ میں اس کے اس دنیا کے اعمال کے بارے میں لکھا ہے' صحیح و غیر مشکوک ہے' پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کو سنا جائے گا اور اگر اسے

فرشتوں کے لکھے پر اعتراض ہے تو اللہ تعالیٰ شہادت طلب کرے گا' اس کے اپنے ہاتھوں' پیروں' آنکھوں اور کانوں سے۔ ملاحظہ ہو القرآن' آیات 13:17' 14۔ 65:36۔ 20:67' 22۔16:93 اور 23:21۔ ان سنن سے' جن کا حوالہ پیرا 36' 41 میں دیا گیا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ ملزم کا حق وضاحت و صفائی موجود ہے' جسے سلب نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس کے بعد ہی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے کہ کہے گئے الفاظ تہمت کی غرض سے تھے یا وہ بدخواہی اور گستاخی سے استعمال ہوئے تھے یا غیرارادی طور پر منہ سے نکل گئے تھے۔

61۔ عبید اللہ بن رافع کی سند سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو کہتے سنا:

> "اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے' زبیرؓ اور مقدادؓ کو یہ کہہ کر بھیجا کہ "جاؤ! یہاں تک کہ تم روضہ فاخ پہنچو۔ وہاں تمہیں ایک عورت ایک خط کے ساتھ ملے گی۔ اس خط کو حاصل کر لو۔" چنانچہ ہم روانہ ہو گئے اور ہمارے گھوڑے پوری رفتار سے دوڑے' یہاں تک کہ ہم الروضہ پہنچے' اس نے کہا "میرے پاس کوئی خط نہیں۔" ہم نے دھمکی دی کہ "خط نکالو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔" اس پر اس نے وہ خط اپنی چوٹی سے نکال کر دیا۔ ہم خط اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے آئے۔ اس میں حاطب ابن ابی بلتعہ کا ایک پیغام بعض کفار مکہ کے نام تھا' جس میں انہیں اللہ کے رسول ﷺ کے بعض ارادوں کی اطلاع دی گئی تھی۔ تب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "حاطب! یہ کیا حرکت ہے؟" حاطب نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ' میرے متعلق اپنا فیصلہ صادر کرنے میں عجلت نہ کیجئے۔ میں قریش سے قریبی تعلق رکھنے والا آدمی تھا' لیکن اس قبیلہ سے نہ تھا' جب کہ آپ کے ساتھ دوسرے مہاجرین کے رشتہ دار مکہ میں ہیں جو ان کے زیرِکفالت افراد اور ان کی جائیداد کی حفاظت کریں گے' چنانچہ میں نے ان سے اپنے خونی رشتہ کی کمی کو ان کے ساتھ ایک مہربانی سے پورا کرنا چاہا' تاکہ وہ میرے کفیلوں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ نہ تو کفر کی

وجہ سے کیا ہے' نہ ارتداد کی بنا پر اور نہ کفر کو اسلام پر ترجیح دینے کے لیے۔" اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: "حاطب نے تمہیں حقیقت بتا دی ہے۔" (بخاری' جلد چہارم' صفحات 154۔155 حدیث 201)

62۔ ایک حنفی فقیہہ علامہ محی الدین لکھتے ہیں:

"فقہاء کی رائے ہے کہ رسول پاک ﷺ کے معاملات میں حاکم یا جج کو موقع محل اور شاتم کا عام رویہ معاملہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے دیکھنا چاہیے۔" (احکام المرتد' نعمان عبدالرزاق سمرقی' ص 109)

63۔ ایک مشہور اور معروف ہندوستانی عالم مولانا احمد رضا خان بریلوی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"کلمات کفر اور اس شخص کی نوعیت میں فرق ہے' جو ان الفاظ کا حوالہ دیتا ہے اور اس سے کافر ہو جاتا ہے۔" (تمہید ایمان' ص 59)

وہ آگے چل کر فرماتے ہیں:

"لفظ راعنا کا استعمال اب توہین نہیں' کیونکہ یہ آج کل توہین رسول کے سیاق و سباق میں نہیں کہا جاتا۔" (ختم نبوت' ص 71)

64۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک یہودی عورت زینب بنت الحارث نے گوشت میں زہر ملا دیا اور رسول کریم ﷺ کو پیش کیا' جو بکرے کی دستی کا گوشت کھانا پسند فرماتے تھے۔ اس نے گوشت کے اس حصہ میں زہر ملا دیا۔ رسول پاک ﷺ اور بشر بن براء نے' جو آپ ﷺ کے ساتھ تھے' اس میں سے کھا لیا لیکن جب رسول پاک ﷺ نے کھانا شروع کیا تو آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ زہر آلود ہے' تو آپ ﷺ نے اسے تھوک دیا۔ پھر رسول پاک ﷺ نے اس یہودی عورت کو بلایا اور اس سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس نے اس گوشت میں زہر ملانے کا اقبال کیا' پھر رسول پاک ﷺ نے اس سے دریافت کیا کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اگر آپ بادشاہ ہیں تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر آپ ایک نبی ہیں تو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ رسول پاک ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔ (اقضیتہ الرسول از محمد ابن فرج' اردو ترجمہ' صفحات 189۔190)

65۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں کوئی امتیاز یا حیثیت کا

فرق نہیں رکھا حالانکہ اس نے ان میں سے بعض پر دوسروں کی نسبت زیادہ نعمتیں نازل فرمائیں۔ یہاں ہم حوالہ کے لیے قرآن پاک سے مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں:

"ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیئے اور ہم ہی نے داؤد کو زبور دی تھی۔" (55:17)

"یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطاء کیے ان میں سے ایسا تھا جس سے خدا خود ہم کلام ہوا' کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیئے اور روح القدس سے عیسیٰ کی مدد کی۔ اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے' وہ آپس میں لڑتے' مگر (اللہ کی مشیت یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کو جبراً اختلاف سے روکے' اس وجہ سے) انہوں نے باہم اختلاف کیا' پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی۔ ہاں اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔" (253:2)

"مسلمانو! کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ' عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی' ہم ان کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے ماننے والے ہیں۔" (136:2)

(اور آیات 285:2' 150:4 اور 152:4)

66۔ عملاً تمام فقہاء اور علماء نے اتفاق کیا کہ مندرجہ بالا آیات کے پیش نظر اور تمام پیغمبروں کے ہم مرتبہ ہونے کے سبب سے وہی سزائے موت' جو اوپر قرار دی گئی ہے' اس معاملہ میں بھی لاگو ہوگی جہاں کوئی شخص ان میں سے کسی کے متعلق بھی کوئی توہین آمیز بات کہتا یا کسی طرح کی گستاخی کرتا ہے۔

67۔ مندرجہ بالا بحث کے پیش نظر ہماری رائے ہے کہ عمر قید کی متبادل سزا' جیسا کہ دفعہ 295۔سی پاکستان ضابطہ تعزیرات میں مقرر ہے' احکامات اسلام سے متصادم ہے جو قرآن پاک اور سنت میں دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ الفاظ اس میں سے حذف کر دیئے

جائیں۔

68۔ ایک شق کا مزید اضافہ اس دفعہ میں کیا جائے' تاکہ وہی اعمال اور چیزیں جب دوسرے پیغمبروں کے متعلق کہی جائیں' وہ بھی اسی سزا کے مستوجب جرم بن جائے جو اوپر تجویز کی گئی ہے۔

69۔ اس حکم کی ایک نقل صدر پاکستان کو دستور کی آرٹیکل 203 و (3) کے تحت ارسال کی جائے' تاکہ قانون میں ترمیم کے اقدامات کیے جائیں اور اسے احکامات اسلامی کے مطابق بنایا جائے۔ اگر 30 اپریل 1991 تک ایسا نہیں کیا جائے تو یا "عمر قید" کے الفاظ 295۔سی تعزیرات پاکستان میں اس تاریخ سے غیر موثر ہو جائیں گے۔

حوالہ فیصلہ PLD-FSC-1991 Vol XLILL Page 10

حواشی

1۔ پہلی شریعت پٹیشن نمبر1 ایل 1984 میں دفعہ 295 اے تعزیرات پاکستان کو چیلنج کیا گیا تھا۔ جس میں توہین مذہب کی سزا دو سال مقرر تھی اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا بھی یہی تھی۔ اس لیے مطالبہ کیا گیا تھا کہ توہین رسالت سزائے موت بطور حد مقرر کی جائے۔

2۔ مقننہ نے توہین مذہب کی سزا میں جو دو سال تھی ازخود ترمیم نہیں کی۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب فاضل عدالت نے پہلی درخواست توہین رسالت پر اپنا فیصلہ محفوظ کر لیا تو درخواست گزار نے 295۔سی کا مسودہ قانون تیار کیا جسے مرحومہ آپا نثار فاطمہ ایم۔ این۔ اے نے قومی اسمبلی میں پیش کیا لیکن اس وقت کے وزیر قانون خان اقبال احمد خان اور مذہبی جماعتوں کے اراکین اسمبلی بھی اس بل کے حق میں نہیں تھے۔ جو بصد مشکل عمر قید پر راضی ہوئے۔ لیکن بعد میں انہیں عوام کے دباؤ پر عمر قید کے ساتھ سزائے موت کا اضافہ کرنا پڑا مگر عدالت کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ ان دونوں سزاؤں میں جو سزا بھی مناسب سمجھے توہین رسالت کے مجرم کو دے سکتی ہے۔ جس پر دوبارہ مقدمہ مذکورہ الصدر وفاقی شرعی عدالت میں دائر کیا گیا۔ جس میں مطالبہ کیا گیا کہ صدر مملکت اور حکومت پاکستان کو ہدایت کی جائے کہ وہ توہین رسالت کی سزا بطور حد صرف سزائے موت مقرر کریں۔(مولف)

3۔ زیدؓ سے نہیں بلکہ اسامہ بن زیدؓ سے حضور ﷺ نے مشورہ طلب فرمایا تھا۔(مولف)

4۔ عبیداللہ بن ابی رافع، حضرت علیؓ کے کاتب (سیکرٹری) رہے ہیں۔(مولف)

5۔ حزم و احتیاط کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ ادب میں اب بھی " راعنا " لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس وقت بھی اس کے مخاطب اہل ایمان ہی تھے جو اس لفظ کے سوائے "توجہ فرمایئے" کے کوئی اور معنی سوچ ہی نہیں سکتے تھے۔ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے " راعنا " کا استعمال تا قیامت ممنوع قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام ؓ کے اذہان میں اس لفظ کا گستاخانہ مفہوم آ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود انہیں بھی اس لفظ کے استعمال سے منع فرما دیا گیا۔ بایں وجہ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی

رائے سے بصد ادب اختلاف ہے کہ لفظ راعنا کا استعمال اب توہین نہیں رہا۔

6۔ جہاں تک رسالت کا تعلق ہے تفریق نہیں کی گئی لیکن جہاں انبیائے کرام علیہ السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت کا تعلق ہے اس سے قرآن نے انکار نہیں کیا بلکہ تصدیق کی ہے اور احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ حضور ختمی مرتبت امام الانبیاء ہیں۔(مولف)

7۔ فیصلہ کے صفحہ 361 پیرا 57 میں سہوا یہ لکھا گیا ہے کہ مسطح، حسان اور حمنہ کو سزا نہیں دی گئی جب کہ ان تینوں کو حد قذف کی سزا دی گئی تھی۔(مولف)

وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد / لاہور 1/L/84

محمد اسماعیل قریشی سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ پاکستان' لاہور

بنام

(1) اسلامی جمہوریہ پاکستان بذریعہ جنرل محمد ضیاء الحق صدر حکومت پاکستان
(2) صوبہ پنجاب بذریعہ گورنر صوبہ پنجاب
(3) صوبہ سندھ بذریعہ گورنر صوبہ سندھ
(4) صوبہ سرحد بذریعہ گورنر صوبہ سرحد
(5) صوبہ بلوچستان بذریعہ گورنر صوبہ بلوچستان (مسئول علیہم)

درخواست زیر آرٹیکل 203-ڈی آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان (ترمیم شدہ بروئے صدارتی حکم نمبر1 سال 1983ء) بایں نمط کہ تعزیرات پاکستان کے دفعات متعلقہ جرائم تحقیر مذہب و تنقیص نفوس قدسیہ کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ صادر کیا جائے کہ وہ کس حد تک قرآن و سنت کے منافی ہیں تاکہ مسئول علیہم اس کے مطابق قانون میں ترمیم و اضافہ کر سکیں۔ موجبات درخواست حسب ذیل ہیں:

(الف) 295---- عمداً توہین مذہب:

"جو کوئی عمداً اور بدنیتی سے زبانی یا تحریری یا اعلانیہ طور پر پاکستانی شہریوں کے کسی طبقہ کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتے ہوئے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کا مرتکب ہو وہ دو سال تک سزا یا سزائے جرمانہ یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو گا۔"

(ب) دفعہ 295 الف---- ذوات قدسی کی توہین:

"جو کوئی تحریری یا تقریری یا علانیہ یا اشارتاً یا کنایتاً یا بالواسطہ یا بلا واسطہ "امہات المومنین" میں سے کسی "ام المومنین" یا کسی "اہل بیت" یا خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ راشد یا "اصحاب رسول ﷺ" کی بے حرمتی کرے' ان پر طعنہ زنی یا بہتان تراشی کرے اسے تین سال تک قید کی سزا یا سزائے تازیانہ دی جائے گی یا وہ ان دونوں

سزاؤں کا مستوجب ہو گا۔"

2۔ یہ کہ دفعہ 295 الف تعزیرات پاکستان میں حسب ذیل وجوہ کی بنا پر قرآن و سنت کے منافی ہے:

(الف) یہ کہ اسلام میں حق تعالیٰ کی توحید' عظمت اور کبریائی کے ساتھ "ناموس رسالت" کا عقیدہ بھی ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے اور جو کوئی اس عقیدہ کو ٹھیس پہنچا کر ذات حق کی تنقیص یا توہین رسالت کا ارتکاب کرے' اس کی سزا قرآن اور سنت کی رو سے سزائے موت ہے۔ اس لیے دفعہ 295 الف مذکور میں اس کی جو دو سال یا جرمانہ کی سزا رکھی گئی ہے' وہ صریحاً قرآن اور سنت کی مقرر کردہ سزا کے خلاف ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کی متعلقہ آیات درج ذیل ہیں:

ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ و اعدلھم عذابا مھینا (سورہ احزاب:57)

ترجمہ: "بلاشبہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی طرف سے پھٹکار ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر دیا گیا ہے۔"

جرمانہ کی سزا یا دو سال کی سزائے قید "رسوا کن عذاب" کی تعریف میں نہیں آتے' حالانکہ ان سے معمولی جرائم کی سزائیں نسبتاً زیادہ سنگین ہیں۔ دنیا میں تعذیب (Punisment) کا اجرا (Execution) ریاست یا انتظامیہ کے ذریعہ سے ہو گا۔

(ب) اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف سورہ انفال میں قتال کا حکم دیا گیا ہے:

ذلك بانھم شاقوا اللہ و رسولہ و من یشاقق اللہ و رسولہ فان اللہ شدید العقاب (سورہ انفال:13)

ترجمہ: "یہ (حکم قتال) اس لیے دیا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بلاشبہ اللہ اس کے لیے نہایت سخت گیر ہے۔"

(ج) ایمان لانے کا اقرار کرنے کے بعد اللہ' اس کے رسول اور آیات الٰہی سے استہزاء کرنے والوں کو قرآن نے کافر قرار دیا ہے کیونکہ ان کی یہ حرکت ارتداد کفر ہے

اور مرتد کی سزا اسلام میں سزائے موت ہے جس پر ساری امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

ولئن سالتهم ليقولن انما كنا نخوص و نلعب قل ابالله و آياته و رسوله كنتم تستهزئون لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم ان نعف عن طائفته منكم نعذب طائفته بانهم كانون مجرمين O (سورہ توبہ 66:65)

ترجمہ: "اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو (ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟" تو یہ ضرور جواب میں کہیں گے "ہم نے تو یونہی جی بہلانے کو ایک بات چھیڑ دی تھی اور ہنسی مذاق کرتے تھے" تم (ان سے) کہو "کیا تم اللہ کے ساتھ اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟"

بہانے نہ بناؤ! حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایمان کے اقرار کے بعد پھر کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تاہم ایک گروہ کو ضرور عذاب دیں گے اس لیے کہ (اصل میں) وہی مجرم تھے۔"

فرمان رسول ﷺ:

من بدل دينه فاقتلوه "جو اپنے دین کو تبدیل کرے اسے قتل کر دیا جائے۔"

عمل صحابہ:

قتل مرتد:

جب آنحضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو اس وقت وہاں حضور ابو موسیٰ اشعری بطور گورنر کام کر رہے تھے۔ جب ایک یہودی جو مسلمان ہو کر پھر یہودی ہو گیا تھا' آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اس وقت تک سواری سے اترنے سے انکار کر دیا جب تک کہ اس مرتد کی گردن نہ اڑا دی جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

3۔ (الف) توہین رسالت کے جرم کی سزا قرآن اور سنت کی رو سے سزائے موت ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات و احادیث پیش ہیں:

(ا) حضور رسالت مآب ﷺ کے ادب و احترام اور تکریم کے بارے میں قرآن کا یہ واضح حکم موجود ہے:

یا ایھا الذین امنو لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا له بالقرل کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون

ترجمہ: "اے اہل ایمان! اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی ان سے اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔"

تفسیر: سورہ الحجرات کی آیت لا ترفعوا اصواتکم کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب "الجامع الاحکام القرآن" لکھتے ہیں۔

لیس الغرض برفع الصوت والجھر مایقصد به الاستخاف ولا استھانة لان ذالك الکفر (والمخاطبون مئومنون)

"اس آیت میں جس بلند آواز سے منع کیا گیا ہے وہ ایسی آواز نہیں جس کا مقصد آنحضور ﷺ کا استخاف و اہانت ہو کیونکہ ایسی بلند آوازی تو کفر ہے۔"

ملاحظہ ہو الجامع الاحکام القرآن طبع مصر' 1967ء' مصنف ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی۔

(ب) اسی سورہ الحجرات کی اگلی آیت لا تجھروا له بالقول کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

"یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ آنحضور کو کسی قول و فعل کے ذریعہ تکلیف پہنچانا کفر ہے جس سے انسان کے تمام اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اعمال سے بھی منع فرمایا گیا جس سے آپ کو اذیت پہنچانا کا احتمال ہو۔۔۔۔ اور اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ جو شخص بھی ایذائے رسول کا مرتکب ہو وہ واجب القتل ہے اور اس کی معافی اور توبہ قابل قبول نہیں۔"

(ملاحظہ ہو روح المعانی: 136:18' 137' طبع مصر 1301 ہجری)

(ج) یہودیت اختیار کرنے والوں میں سے وہ لوگ جو شرارتاً ذو معنی الفاظ استعمال کرتے تھے ان کے لیے یہ سخت وعید نازل ہوئی۔

من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعه ویقولون سمعنا و عصینا واسمع غیر مسمع و راعنا لیا بالسنتهم وطعنا فی الدین و لو انهم قالو سمعنا و اطعنا واسمع و انظرنا لکان خیر الهم و اقوم ولکن لعنهم الله بکفرهم فلا یومنون الا قلیلا (سورۃ نساء:46)

"(اے پیغمبر) وہ لوگ جنھوں نے یہودیت اختیار کی' ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو لفظوں کو ان کی اصلی جگہ سے پھیر دیا کرتے ہیں اور (جب تم سے ملتے ہیں) تو اس خیال سے کہ دین حق کے خلاف طعن و تشنیع کریں زبان مروڑ مروڑ کر لفظوں کو بگاڑ دیتے ہیں۔ (چنانچہ) کہتے ہیں سمعنا و عصینا اور واسمع غیر مسمع اور راعنا اگر یہ لوگ (راست بازی سے محروم نہ ہوتے اور شرارت آمیز لفظوں کی جگہ سمعنا و اطعنا اور اسمع اور انظرنا کہتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا اور درستگی کی بات تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑ چکی ہے۔ پس ایک چھوٹے سے گروہ کے سوا سب ایمان سے محروم رہیں گے۔"

حدیث:

جب حضرت سعد بن معاذ کو معلوم ہوا کہ یہودی لفظ راعنا کا لفظ بارگاہ رسالت میں بطور طعن و تشنیع استعمال کرتے ہیں (جس کے ایک معنی تو "ہماری طرف التفات کیجیے" کے علاوہ یہ بھی ہیں "اے ہمارے چرواہے" تو آپ نے یہودیوں سے کہا:

"تم پر اللہ کی پھٹکار ہو آئندہ سے اگر میں نے تم میں سے کسی کو لفظ راعنا کہتے ہوئے سنا تو اس کی گردن مار دوں گا۔" (ملاحظہ ہو الجامع الاحکام القرآن 57:2 طبع مصر 1967ء)

جصاص بھی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بتلاتے ہیں:

"یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ لفظ جس میں معنی خیر و شر دونوں کا احتمال ہو اس لفظ کا استعمال اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی ایسی قید نہ لگائی جائے جس سے خیر کا پہلو نمایاں ہو۔"

(ملاحظہ ہو احکام القرآن 66/67 طبع مصر 1347 ہجری)

(ذ) سورہ نور میں پیغمبر کے حضور آداب گفتگو کی تعلیم دیتے ہوئے حکم دیا گیا:

لا تجعلو دعا الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا

(سورہ نور:64)

ترجمہ: "تم لوگ اپنے درمیان رسول کو بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کا سا بلانا نہ سمجھ بیٹھو۔"

تفسیر: مسلمانو! تم پر واجب ہے کہ تم پیغمبر کی عزت و تکریم، تعظیم و توقیر کرو۔ آپ کے حفظ مراتب کا خیال رکھو اور آپ کی موجودگی میں اپنی آوازوں کو پست رکھو اور آپ کو نبی اور رسول اللہ جیسے الفاظ سے مخاطب کرو۔"

(ر) سورہ توبہ میں ایسے لوگوں کو جو اللہ کے رسول کو اذیت دیتے ہیں، دردناک عذاب کی خبر دی گئی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

و منھم الذین یوذون النبی و یقولون ھو اذن قل اذن خیر لکم یومن باللہ و یومن للمومنین و رحمۃ اللذین امنو منکم و الذین یوذون رسول اللہ لھم عذاب الیم O یحلفون باللہ لکم لیرضوکم واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ ان کانو مومنین (سورہ توبہ:62:61)

اور ان ہی (منافقوں) میں (وہ لوگ بھی) ہیں جو اللہ کے نبی کو (اپنی بدگوئی سے) اذیت پہنچانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شخص تو بہت سننے والا (یعنی کان کا کچا) ہے۔ اے پیغمبر! تم کہو ہاں وہ بہت سننے والا ہے مگر تمہاری بہتری کے لیے وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور وہ مومنوں کی بات پر بھی یقین رکھتا ہے۔ (جن کی سچائی ہر طرح کے امتحانوں میں پڑ کر کھری ثابت ہو چکی ہے) اور وہ ان کے لیے سر تا سر رحمت ہے جو تم میں سے ایمان

لائے ہیں اور جو اللہ کے رسول کو آزار پہنچانا چاہتے ہیں تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے لیے عذاب ہے' دردناک عذاب!
(مسلمانو!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کرلیں حالانکہ اگر یہ واقعی مومن ہوتے تو سمجھتے کہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی رکھیں۔"

(ز) سورہ نساء میں ایمان اور کفر کا فرق واضح کرتے ہوئے بتلایا گیا کہ پیغمبر حق کی ہر بات کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہی عین ایمان ہے اور اس کے خلاف اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس کرنا صریحاً کفر ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

فلا و ربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما

(سورہ نساء: 64)

ترجمہ: "(پس اے محمدؐ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی بھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو یہ اپنا حکم نہ بنا لیں اور پھر جو کچھ بھی فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے سربسر تسلیم کرلیں۔"

شان نزول:

سورہ نساء کی متذکرہ صدر آیت مبرکہ کے شان نزول کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی کے درمیان کسی معاملہ پر تنازعہ ہو گیا۔ دونوں اس سلسلہ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فیصلہ یہودی کے حق میں صادر فرمایا۔ جس سے دوسرا فریق راضی نہ ہوا اور اس کے اصرار پر یہ دونوں معاملہ کو لے کراز سرنو فیصلہ کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے (جو ان دنوں آنحضور ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ کے تنازعات اور خصومات کا فیصلہ کیا کرتے اور مرکز میں رئیس القضاء (Chief Justice) تھے۔ آپ نے دونوں سے روئیداد مقدمہ سنی اور جب آپ کو علم ہوا کہ آنحضور ﷺ اس بارے میں یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرما چکے ہیں تو آپ نے خود اس منافق سے اس کی تصدیق کرلی تو اسی وقت

تلوار سے اس منافق کا سر قلم کر دیا۔

ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی جلد پنجم' صفحہ 67' مطبوعہ بیروت۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

هكذا اقضى لمن لم يرض بقضاء الله و رسوله

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ سے راضی نہ ہو اس کے لیے یہی فیصلہ ہے جو میں نے کیا ہے۔"

مقتول کے ورثاء نے حضور رسالت مآب ﷺ کی عدالت میں حضرت عمرؓ کے خلاف قتل کا دعویٰ کر دیا جس پر سورہ نساء کی یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی اور آنحضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو "فاروق" کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی' صفحہ 114)

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرنا بھی توہین اور گستاخی کا موجب ہے جس کا مرتکب واجب القتل ہے اور اس کی تصدیق سورہ نساء کی اس آیہ مبارکہ نے کر دی۔

احکام الحدیث:

(الف) حدیث قولی۔۔۔۔

"ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی تکذیب کی۔ آنحضور ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس طرف روانہ کیا اور فرمایا اگر وہ تم کو مل جائے تو اسے قتل کر دو۔"

(حوالہ سید ابن جبیر حدیث نمبر 9707 صفحہ 308 المصنف عبد الرزاق)

(ب) حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک نابینا صحابی تھے جن کی کنیز حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کیا کرتی تھی اور منع کرنے پر بھی وہ اس سے باز نہ آتی تھی۔ ایک رات اس نے آنحضور ﷺ کی شان اقدس میں بے حد گستاخی کی تو نابینا صحابی نے اسے خنجر گھونپ کر ہلاک کر دیا۔ جب اس قتل کی خبر آپ تک پہنچی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کا خون کس نے کیا؟ اس پر وہ صحابی آپ کی خدمت میں کانپتے ہوئے پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ عورت میری رفیق حیات تھی اور اس کے بطن سے میرے دو بچے بھی ہیں اور وہ میری خدمت بھی کیا کرتی تھی لیکن اس نے آپ

کی شان میں گستاخی کی اس لیے میں نے خنجر سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا اشهدوا ان دمها هدر

"تم سب گواہ رہو کہ اس عورت کا خون ضائع ہو گیا یعنی اس کے خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔" (المصنف: عبدالرزاق)

(ج) فرمایا امیر المومنین حضرت علیؓ نے کہ ایک یہودی عورت حضور علیہ السلام کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ ایک شخص نے ہمیشہ کے لیے اس کا منہ بند کر دیا۔ (یعنی مار دیا گیا) آنحضور ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دیا۔ (اس کے خون کا بدلہ قصاص یا دیت کی صورت میں نہیں دلوایا گیا)۔ (سنن ابو داؤد=۶/۲)

(د) ایک شاعر جو حضور کو اپنے کلام کے ذریعہ ہدف طعن و تشنیع بناتا تھا اسے قتل کر دیا گیا (کتاب البخاری' باب المغازی' صفحہ 576-577)

(ر) حضرت ابو برزہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں (میں امیر المومنین حضرت ابو بکرؓ کے پاس موجود تھا۔ آپ ایک شخص پر ناراض ہوئے اور اسے سخت سست کہا میں نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اگر اجازت ہو تو میں اس (گستاخ) کی گردن اڑا دوں۔ یہ سن کر آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور آپ اٹھ کر اندر چلے گئے۔ پھر آپ نے مجھ (ابو برزہ) کو اندر بلا بھیجا اور پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے جواب دیا اگر اجازت ہو تو اس کی گردن مار دوں۔ اس پر آپ نے پوچھا اگر میں اجازت دیتا تو کیا تم ایسا کر گزرتے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ اس پر آپ نے فرمایا: خدا کی قسم یہ مرتبہ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اور شخص کو حاصل نہیں (کہ اس سے گستاخی کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔) (سنن ابو داؤد۔ المحلی ابن حزم۔ الصحیح البخاری)

عمل صحابہ:

(الف) روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے اپنے ایک غلام کو جو گستاخ رسول تھا' قتل کروا دیا۔ (حدیث 9704 صفحہ 307 جلد نمبر5 (المصنف۔ امام عبدلرزاق)

(ب) ابن وہب نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک راہب نے حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی۔ جب اس کا تذکرہ جناب ابن عمرؓ کے سامنے

کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ سامعین نے اس کو زندہ کیوں چھوڑ دیا؟ (کتاب الشفاء' صفحہ 449' جلد دوم' مصنف قاضی عیاض' مکتبہ نبویہ لاہور)

فتویٰ امام مالکؒ:

ابن قاسم سے روایت ہے کہ امام مالکؒ سے ایک نصرانی کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا کہ اس دریدہ دہن نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے' اس کو کیا سزا دی جائے۔ جس پر امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ (کتاب الشفاء مذکورہ الصدر' صفحہ 452)

فتویٰ امام ابن تیمیہؒ:

امام ابن تیمیہؒ نے اپنی معرکہ الآراء تصنیف "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں فتویٰ دیا ہے کہ شاتم الرسول واجب القتل ہے اور اس کی توبہ اور معافی قابل قبول نہیں۔

دفعہ 298 الف تعزیرات پاکستان بھی قرآن اور سنت سے ہم آہنگ نہیں دفعہ مذکور درج ذیل ہے۔

دفعہ 298 الف 4۔۔۔ ذوات قدسی کی توہین و اہانت:

"جو کوئی تحریری یا تقریری یا اعلانیہ یا اشارتاً یا کنایتاً بالواسطہ یا بلا واسطہ امہات المومنین میں سے کسی ام المومنین یا کسی اہل بیت یا خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ راشد یا اصحاب رسول کریم ﷺ کی بے حرمتی کرے ان پر طعنہ زنی یا بہتان تراشی کرے اسے تین سال تک کی قید کی سزا یا سزائے تازیانہ دی جائے گی یا وہ ان دونوں سزاؤں کا مستوجب ہو گا۔

1۔ یہ کہ دفعہ 298 الف مذکور کی رو سے ذوات قدسی (Holy Personages) میں صرف امہات المومنین' اہل بیت' خلفائے راشدین اور صحابہ کرام شامل ہیں جن کی بزرگی اور تقدیس مسلمہ اور شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن اس عظمت و تقدیس کی اصل وجہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ذات اقدس سے ان کی نسبت ہے۔ اس لیے آنحضور ﷺ کا نام نامی ذوات قدسی (Holy Personages) میں سرفہرست ہونا چاہئے تھا۔

قرآن مجید نے گروہ قدوسین میں سب سے پہلے انبیاء کرام کا ذکر کیا۔ چنانچہ سورہ نساء میں فرمایا:

ومن يطع الله و الرسول فالئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين و الصديقين و الشهداء و الصلحين و حسن اولئك رفيقا (سورہ نساء: 69)

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین' شہدا اور صالحین اور کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔"

2۔ یہ کہ دفعہ 298 الف کی رو سے مذکور الصدر پاکباز ہستیوں کی توہین و اہانت' بے ادبی اور گستاخی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا لیکن خود اس مقدس ترین ہستی جن سے نسبت کی وجہ سے انہیں یہ مرتبہ تقدیس حاصل ہوا' کی جناب میں گستاخی' اہانت' توہین و تنقیص جیسے سنگین اور ناقابل معافی جرم کے بارے میں کوئی سزا تجویز نہیں کی گئی جو اصل کو چھوڑ کر فروع کے استحقاق کو قانونی شکل دینے کے مترادف ہے لہٰذا قرآن اور سنت کے احکام کے منافی ہے کیونکہ قرآن اور سنت کے احکام متذکرالصدر کی روشنی میں توہین رسالت کے جرم کی سزا بطور حد کے سزائے موت مقرر ہے۔

علاوہ ازیں اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی توہین رسالت اور ارتداد کی سزا' سزائے موت مقرر کرنے کی سفارش کر دی ہے۔

بحالات بالا استدعا ہے دفعات 295 الف اور 298 الف تعزیرات پاکستان کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لے کر فیصلہ صادر فرمایا جائے کہ توہین مذہب کی مقرر کردہ سزا قرآن و سنت کے منافی ہے لہٰذا توہین رسالت اور توہین مذہب کے جرائم کی سزا قرآن و سنت کی رو سے سزائے موت قرار دی جائے۔

محمد اسماعیل قریشی
سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ و کنوینر
ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس (پاکستان)
4۔ مزنگ روڈ لاہور
پٹیشنر و کونسل

تصدیق:

شریعت پٹیشن ہذا پہلی دفعہ دائر کی جا رہی ہے۔ اس سے قبل ان دفعات متذکرہ پٹیشن کو چیلنج نہیں کیا گیا۔ گزارش ہے کہ شریعت پٹیشن ہذا کی سماعت لاہور میں کی جائے۔ کیونکہ تمام مکاتب فکر کے علماء جنہوں نے اس پر دستخط کئے ہیں لاہور میں موجود ہیں۔

محمد اسماعیل قریشی

حوالہ جات شریعت پٹیشن:

(1) القرآن الحکیم

(2) کتاب احادیث

(الف) سنن ابی داؤد 2۔6 (طبع کانپور)

(3) تفاسیر

(الف) روح المعانی 8:173۔174 طبع مصر 130 ہجری

(ب) احکام القرآن 1:66 طبع مصر 1347 ہجری

(ج) تفسیر مظہری 9:41 طبع ندوہ المصنفین دہلی

(د) الصارم المسلول علی شاتم الرسول: امام ابن تیمیہ

(ر) کتاب الشفاء، صفحہ 449، جلد دوم، قاضی عیاض اندلسی

(4) آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان

(5) تعزیرات پاکستان

اسمائے گرامی فاضل وکلاء اور علماء حضرات جنہوں نے درخواست گزار کو پیروی مقدمہ کے لیے اختیارات تفویض کئے۔

(1) ڈاکٹر ظفر علی راجہ سیکرٹری جنرل ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس

(2) مولانا مفتی محمد حسین نعیمی سرپرست و ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ لاہور

(3) شیخ غیاث محمد سینئر ایڈووکیٹ و سابق اٹارنی جنرل پاکستان

(4) علامہ سید علی غضنفر کراروی صدر اتحاد بین المسلمین

(5) بی زیڈ کیکاؤس سابق جج سپریم کورٹ

(6) مولانا محمد عبدالستار خان نیازی نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن

(7) ایس ایم ظفر سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(8) مولانا اجمل خان مرکزی نائب صدر امیر جمعیت علماء اسلام پاکستان

(9) جہانگیر اے جھوجہ ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور

(10) علامہ احسان الٰہی ظہیر صدر جمعیت اہل حدیث پاکستان

(11) ڈاکٹر بابر عزیز ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

(12) مولانا محمد مالک کاندھلوی ممبر وفاقی مجلس شوریٰ پاکستان' لاہور

(13) بشیر الدین احمد خان سابق چیف جسٹس پشاور ہائی کورٹ

(14) گلزار احمد مظاہری صدر جمعیت اتحاد العلماء پاکستان

(15) پروفیسر ابو الاعجاز قادری ایڈووکیٹ

(16) مولانا سید محمد عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد' چیئرمین مجلس علماء پاکستان

(17) شیخ مقبول احمد سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(18) ملک محمد اکبر ساقی جنرل سیکرٹری ورلڈ اسلامک مشن

(19) خواجہ محمد اصغر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور

(20) پیر سید اعجاز شاہ فنانس سیکرٹری جمعیت العلماء پاکستان

(21) ایم رفیق بٹ بار ایٹ لاء ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(22) حامد خان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(23) عابد نواز ایڈووکیٹ آن ریکارڈ سپریم کورٹ

(24) سردار ایم ایم لودھی ایڈووکیٹ

(25) خادم محی الدین ایڈووکیٹ

(26) بشیر احمد علوی ایڈووکیٹ

(27) سردار محمد خورشید ایڈووکیٹ

(28) سی۔ایم لطیف ایڈووکیٹ

(29) محمد ارشد خان ایڈووکیٹ

(30) بدر الدین قادری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ پروفیسر لاء کالج

(31) عبدالستار زاہد ایڈووکیٹ

(32) ملک الطاف سکندر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(33) ریاض علی عباسی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(34) رشید مرتضیٰ قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(35) رانا طارق ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

(36) غلام سرور چوہدری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(37) گلزار حسن ایڈووکیٹ آن ریکارڈ سپریم کورٹ

(38) محمد اشرف ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(39) منور احمد وڑائچ ایڈووکیٹ

(40) سید فاروق حسن نقوی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(41) سید توقیر اللہ شاہ ایڈووکیٹ

(42) ایس۔ ایم ناظم ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(43) سردار محبت علی ڈوگر ایڈووکیٹ

(44) محمد اسحاق ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور

(45) ضیاء اللہ خان ذکی ایڈووکیٹ

(46) محمد وحید اختر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

(47) ولایت عمر چودھری ایڈووکیٹ

(48) ضمیر احمد خان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(49) بشیر احمد ایڈووکیٹ

(50) محمد ناصر علی خان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ لاہور

(51) عبدالخالق خان ایڈووکیٹ

(52) نظام الدین نعمانی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

(53) مبشر اقبال علوی ایڈووکیٹ

(54) ملک وقار سلیم ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

(55) چوہدری اعجاز احمد ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(56) مشتاق چوہدری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(57) میاں نذیر اختر ایڈووکیٹ سپریم و ہائی کورٹ

(58) بشیر اے مجاہد ایڈووکیٹ سپریم کورٹ سیکرٹری لاہور ہائی کورٹ بار

ایسو سی ایشن

(59) سید محمد جلال الدین خلد ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

(60) محمد رفیق عارف ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

(61) رانا عبدالرحیم خان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(62) ارشاد احمد قریشی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(63) راجہ محمد اکرم ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(64) اے کے ڈوگر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(65) الٰہی بخش وجدانی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

(66) محمد عارف سابق ایڈووکیٹ جنرل

(67) رانا محمد سرور سابق جج لاہور ہائی کورٹ

(68) میاں شیر عالم سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ و نائب صدر لاہور ہائی کورٹ

(69) چوہدری محمد فاروق وائس چیئرمین پنجاب بار کونسل

(70) محمد صدیق سینئر ایڈووکیٹ سابق جج لاہور ہائی کورٹ

(71) محمد اقبال بدر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

(72) سید افضل حیدر' صدر لاہور ہائی کورٹ بار ایسو سی ایشن

(73) ظفر عالم چوہدری ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

(74) محمد اجمل قادری مدیر خدام الدین

(75) خان اے حمید ایڈووکیٹ

(76) مولانا عبیداللہ انور امیر انجمن خدام الدین لاہور

(77) محمد شاہ نواز خان ایڈووکیٹ

(78) افتخار علی شیخ سینئر ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ

اے آئی آر 1927 لاہور 250

دلیپ سنگھ جج

راج پال ــــــــــــــ سائل

بنام

شہنشاہ ــــــــــــــ مسئول الیہ

فوجداری نگرانی نمبر286 برائے سال 1927 بر خلاف حکم سیشن جج لاہور منفصلہ فروری 1927 مذہبی رہنماؤں پر تنقید خواہ کتنی ہی غیر شائستہ کیوں نہ ہو قابل تعزیر نہیں۔

جی سی نارنگ۔۔۔ ایل بدری داس اور رام لال آنند برائے سائل وکیل سرکار۔۔۔ برائے تاج شاہی۔

فیصلہ: اس مقدمہ میں سائل راج پال کو دفعہ 153 اے' ہندوستانی قانون فوجداری کے تحت سزا سنائی گئی ہے اور بصورت دیگر اسے چھ ماہ قید بامشقت کا حکم دیا گیا ہے۔

زیر نظر نگرانی میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ معلوم حقائق دفعہ 153۔اے کے تحت جرم نہیں بنتے پہلے یہ کہا گیا ہے کہ لفظ "کلاسز" مذہبی فرقوں پر مشتمل نہیں بلکہ اس سے مراد قبیلے ہیں۔ میں اس دلیل کو قبول نہیں کر سکتا۔ جس کے لیے کوئی نظیر پیش نہ کی گئی ہو اور جو لفظ "کلاسز" کے معنی کو یوں محدود کر دے جس کا کوئی جواز خود دفعہ میں موجود نہ ہو۔

مزید یہ کہا گیا ہے کہ بہرطور ایک مذہبی پیشوا پر تنقید یا طنز اس دفعہ کے احاطہ میں نہیں آتے۔

ماتحت عدالت نے قرار دیا کہ ملزم کی نیت اس کے سوائے کچھ نہ تھی کہ پیغمبر اسلام پر بے لگام حملہ کیا جائے' آپ کا تمسخر اڑایا جائے' آپ کو حقیر گردانا جائے' ان کے مذہب کا مذاق اڑائے اور اس طرح آپ کے پیروکاروں کے احساسات کو مجروح کیا جائے۔

اور اس نے قرار دیا کہ اگر یہ ملزم کی یہ نیت تھ تو عدالت کو کوئی شک نہیں کہ

اس کا فعل دفعہ 153-اے کے احاطہ میں آتا ہے۔

اپیل کے فیصلہ میں فاضل سیشن جج نے قرار دیا کہ پمفلٹ کے پورے مطالعے سے یہ واضح ہے کہ پمفلٹ ارادتاً جارحانہ' دریدہ دہن اور مسلمان قوم کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والا تھا اور بلاشبہ کینہ ور لہجہ اور نیت کا حامل تھا اور اس اشاعت کے معاملہ میں بظاہر نیت ایک مخصوص طبقہ کے جذبات کی توہین اور انہیں مجروح کرنا تھی۔

سائل کے کونسل کا موقف ہے کہ پمفلٹ ایسی کسی نیت کو ظاہر نہیں کرتا اور اس کا مقصد صرف تعدد ازواج اور غیر مساوی عمر کی شادیوں کی برائیاں ظاہر کرنا تھا۔ کتاب مذکور کی اس توضیح کو مسترد کرنے میں مجھے کوئی تامل نہیں۔ بلاشبہ یہ مذہب اسلام کے بانی پر گستاخانہ طنز کے سوا کچھ اور نہیں لیکن میں اس میں کوئی ایسی بات نہیں پاتا جو ظاہر کرے کہ اس کا مقصد مذہب اسلام پر حملہ کرنا یا مسلمانوں کو دشمنی اور نفرت کا نشانہ بنانا ہو۔ اس کے برخلاف کتاب میں واضح طور پر کہا گیا کہ لوگوں کو اس طرح کرنا چاہئے جس طرح محمد نے کہا ہے لیکن انہیں اس طرح عمل نہیں کرنا چاہئے جس طرح انہوں نے خود عمل کیا۔ کتاب کا لہجہ بے شک مجموعی طور پر کینہ پرور ہے اور بظاہر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والا ہے۔ خواہ وہ ان کی زیادہ معقول توہین کا سزاوار نہ ہو۔ تاہم فیصلہ طلب سوال یہ ہے کہ آیا کسی مذہبی رہنما کی ذاتی زندگی پر کینہ ور طنز دفعہ 153-اے کے احاطہ میں آتا ہے یا نہیں۔ جلسہ کے صدر کی شہادت' جو کتاب کی مذمت میں ہے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کے مصنف کے خلاف مسلمانوں کا غصہ بھڑک اٹھا۔ بلاشبہ ایسی کتاب کا منطقی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ملزم خود کتاب کا مصنف نہیں لیکن' وہ اس کا تسلیم شدہ ناشر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی تقریباً چار جلدیں مسلمانوں کے ہاتھ فروخت ہوئیں اور باقی آریہ سماجی کتب فروشوں یا مختلف طبقوں کے افراد کو بیچی گئیں۔ فاضل وکیل سرکار کا انحصار شہنشاہ بنام رحمت علی اور گور کے قانون فوجداری جلد اول صفحہ 894 اور سیتھل پرشاد' بنام شہنشاہ کے عدالتی اظہار خیال پر ہے۔ ان کا موقف ہے کہ اولاً تو کسی مذہب کے بانی پر طنز لازماً اس کے پیروکاروں پر طنز کی دلالت کرتا ہے۔ میرے خیال میں ایسا ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسرے فاضل وکیل سرکار نے ایک مفروضہ بنایا ہے کہ کسی مذہبی پیشوا پر ایسے شخص کی طرف سے طنز' جو اس کا پیرو نہ ہو' دفعہ 153-اے کے دائرہ میں آتا ہے۔ اگر

کوئی چیز یہ ظاہر کرتی ہو کہ وہ مذہبی پیشوا پر اس لیے طنز کر رہا ہے کہ وہ خود کسی دوسرے فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔

انہوں نے تیسری دلیل یہ دی ہے کہ اس مخصوص مقدمہ میں بطور جماعت مسلمانوں کے خلاف ہتک آمیز الفاظ استعمال کیے گئے ہیں مگر میں ایسے الفاظ تلاش نہیں کر سکا۔

چہارم ان کا موقف یہ ہے کہ بہرطور اس کتاب کے ہندو قارئین میں مسلمانوں کے لیے حقارت کے جذبات ابھریں گے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ماتحت عدالتوں میں مقدمہ کے اس پہلو پر قطعاً غور نہیں کیا گیا۔

جواباً سائل کے کونسل کا موقف ہے کہ "توہین" "نفرت" یا "دشمنی" نہیں اور ہندوستانی قانون فوجداری کی دفعہ 144-اے کے الفاظ ان الفاظ سے جو دفعہ 153-اے میں استعمال ہوئے ہیں زیادہ وسیع ہیں۔

فاضل وکیل سرکار کا مزید موقف ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین کشیدگی اور اس امر کے پیش نظر کہ مسلمان قوم مذہب کے سلسلہ میں دوسری قوموں سے زیادہ سخت ہے' مذہب اسلام کے بانی پر کوئی طنز عوام کے درمیان نفرت اور دشمنی پیدا کرنے کا زیادہ موجب ہو سکتا ہے' بمقابلہ کسی دوسرے مذہب کے بانی۔ مثلاً عیسائیت کے بانی پر طنز کے۔ میں یہ دلیل قبول نہیں کر سکتا کہ کسی مخصوص فرقہ کی کم علمی اور کٹرپن سے کسی فعل کا تعین کیا جائے۔ بعض صورتوں میں اس سے جرم میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

لیکن محض اس بنا پر کہ ایک فرقہ دوسرے کے مقابلہ میں ایک بانی مذہب کے متعلق مستعملہ الفاظ سے زیادہ برا مانے گا' یہ قرار نہیں دیا جا سکتا کہ پہلی صورت میں وہ الفاظ دفعہ 153-اے کے احاطہ میں نہ آ سکیں اور دوسری صورت میں اس کے احاطہ میں آ جائیں۔ فعل کی نوعیت یعنی کہ وہ جرم ہے یا نہیں' کسی خاص طبقہ کے ردعمل سے متعین نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے یہ ایک مذہب کے بانی پر طنز ایک ایسی چیز ہے' جو ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس لیے ایسا کر رہا ہے کہ وہ دوسری قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص بھی جو کسی مذہب کے پیشوا کو مانتا ہے' اس پر طنز نہیں کرے گا۔ چنانچہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی مذہبی پیشوا پر طنز ہو گا اور یہ

دریافت کرنا ناممکن ہوگا کہ مصنف کس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے' تب اس کے پیروکاروں کے جذبات ان سب کے خلاف بھڑکیں گے' جو اس مذہب کے پیرو نہیں۔ میں قیاس نہیں کرتا کہ دفعہ 153۔اے کا مقصد اسے اتنے وسیع معنی میں استعمال کرنا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دفعہ کا منشاء لوگوں کو کسی خاص فرقہ پر اس کی موجودہ صورت میں حملہ کرنے سے باز رکھنا تھا۔ اس کا منشاء گزرے ہوئے مذہبی پیشواؤں پہ بحث و مناظرہ روکنا نہیں تھا' خواہ ایسے اعتراضات کتنے ہی گستاخانہ اور نازیبا کیوں نہ ہوں۔ مثلاً اگر یہ حقیقت کہ مسلمان اپنے پیغمبر پر حملہ کو برا مانتے ہیں' اس بات کا پیمانہ ہو کہ آیا دفعہ 153۔اے لاگو ہوتی ہے یا نہیں تو کسی سنجیدہ مورخ کی ایک تاریخی تصنیف' جس میں پیغمبر کی زندگی زیرِ غور آئی ہو اور ان کے کردار پر رائے دی گئی ہو' دفعہ 153۔اے کی تعریف میں آ سکتی ہے۔ میں یہ قرار دینے سے قاصر ہوں کہ دفعہ 153۔اے لاگو ہوتی ہے یا نہیں تو کسی سنجیدہ مورخ کی ایک تاریخی تصنیف' جس میں پیغمبر کی زندگی زیرِ غور آئی ہو اور ان کے کردار پر رائے دی گئی ہو' دفعہ 153۔اے کی تعریف میں آ سکتی ہے۔ میں یہ قرار دینے سے قاصر ہوں کہ دفعہ 153۔اے کا مقصد یا منشاء کسی مذہبی پیشوا کی زندگی اور کردار پر مخالفانہ بحث روکنا ہے۔ یہ مخصوص کتاب معاملہ پر اس انداز سے بحث کرتی ہے جیسا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تمام معقول اشخاص کی حقارت ہی کو بیدار کرے گی' خواہ وہ کسی بھی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں اور بعض مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کر سکتا ہے۔ لیکن میں یہ قرار نہیں دے سکتا کہ یہ ہز میجسٹی رعایا کے مختلف طبقوں میں دشمنی اور نفرت کو جذبات کو برانگیختہ کرے گی۔ یہ نتیجہ تو ہو سکتا ہے مگر جیسا کہ میں نے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اس کو دفعہ مذکورہ کی آزمائش کا معیار نہیں بنایا جا سکتا۔ فاضل وکیل سرکار تسلیم کرتے ہیں کہ دوسری کوئی اور دفعہ نہیں جو اس مخصوص مقدمہ پر لاگو ہو سکے۔ شہنشاہ بنام رحمت علی کا مقدمہ زیر دفعہ 153 تھا اور اس میں بہتان ایک زندہ شخص پر تھا اور کتاب دانستہ اس شخص کے پیروؤں کے درمیان تقسیم کی گئی تھی۔ چنانچہ وہ دفعہ 153۔اے کے دائرے میں آئی ہوگی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ دفعہ 297 میں ایک شق کا اضافہ ہونا چاہیئے' جس کے ذریعہ کسی شخص کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے یا کسی شخص کے مذہب کی توہین کی نیت سے شائع کردہ کتاب کو جرم قرار دیا جاتا۔

میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں' اپنی حد تک بات کرتے ہوئے کہ میں ایسی شق کی عدم

موجودگی پر افسوس کر سکتا ہوں، مگر یہ قرار نہیں دے سکتا کہ یہ خاص مقدمہ دفعہ 153۔اے کے دائرہ میں آتا ہے۔ لہٰذا میں پس و پیش کے ساتھ یہ نگرانی منظور کرتا ہوں اور سائل کو بری کرتا ہوں۔

کتابیات باب ششم

(1) القرآن 87:33
(2) الصارم المسلول علی شاتم الرسول۔ ص 41۔42
(3) مولانا محمد علی صدیقی: معالم القرآن۔ ج۔1، ص۔463۔468
(4) سنن ابو داؤد۔ ج۔3، ص 355۔356
(5) الف) ایضاً
(5) ب) ایضاً
(6) امام قرطبی: الجامع الاحکام القرآن۔ ج 5، ص 307
(7) علامہ آلوسی: روح المعانی۔ ج 26، ص 124۔125
(8، 9) سنن ابو داؤد۔ ج 3، ص 356۔357
(10) سنن ابو داؤد ج 3، ص 356

باب 7

سرگزشت عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مرکز عشق و محبت

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے عشق و محبت ہر مسلمان کی رگ و پے میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح شاخ گل کے ریشہ ریشہ میں باد نسیم صبح کا نم رچا اور بسا ہوا ہے جو اسے زندگی اور تر و تازگی بخشتا ہے۔ یہی وہ نقطہ پرکار عشق ہے جس کے گرد اس کی ساری کائنات گھومتی ہے۔ آپ سے والہانہ عقیدت ہی ایک مسلمان کا اصل سرمایہ حیات ہے۔ بلاشبہ فطری طور پر اسے اپنی جان و مال' اپنے ماں باپ اور اولاد سے پیار ہوتا ہے لیکن ایک ہستی ایسی بھی ہے جو اسے ان سب سے محبوب تر ہے اور وہ ہستی ہے سرور کائنات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی' جن کے نام و ناموس پر سب کچھ قربان کر دینے کو وہ حاصل زندگی سمجھتا ہے۔ چنانچہ ظہور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے آج تک کے واقعات اس آیت کتاب کی ترجمانی کرتے چلے آ رہے ہیں' جس میں صاف صاف بتلایا گیا ہے:

النبی اولی بالمومنین من انفسھم

"نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کی ذات پر مقدم ہیں۔" (الاحزاب:6)

اس آیہ مبارکہ کی مزید تشریح خود اس حدیث رسول نے کر دی:

لا یومن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ و الناس اجمعین (1)

"تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل میں اپنے باپ' بیٹے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر میرے لیے محبت موجزن نہ ہو۔"

میرے مشفق دیرینہ حفیظ جالندھری مرحوم نے اسی مضمون کو کچھ اس طرح زبان

شعر میں بیان کیا ہے۔

محمد ہے متاع عالم ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال و جاں، اولاد سے پیارا

یہ عقیدہ محبت ہر دور میں ایک زندہ اور تابندہ حقیقت بن کر جریدہ عالم پر ثبت ہوتا رہا ہے اور اس پر تاریخ کی کسی جرح سے نہ ٹوٹنے والی شہادت موجود ہے۔

عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور رسالت میں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم شمع رسالت پر جس طرح پروانہ وار نثار ہوتے تھے، اس کی مثال اور نظیر سے تاریخ کے اوراق یکسر خالی نظر آتے ہیں، اسی لیے اس دور کو خیر القرون کہا گیا ہے۔

سوز صدیق رضی اللہ عنہ:

پیکر صدق و صفا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ساری زندگی اسی عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار نظر آتی ہے۔ شہادت گہ الفت میں قدم رکھتے ہی ہجوم بلا میں گھر گئے۔ گفتار صدق مایہ آزار بن گیا۔ شہادت حق و رسالت پر کفار مکہ نے آپ کو نرغہ میں لے کر اس بری طرح زد و کوب کیا کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کافروں نے مردہ سمجھ کر وہیں چھوڑ دیا۔ قبیلہ بنی تمیم کے اقربا کو جب اس کی خبر ملی تو وہ اس خستہ و نیم جان کو چادر میں لپیٹ کر گھر لے آئے۔ جب ذرا ہوش آیا اور آنکھ کھلی تو زبان پر سب سے پہلے آقا ہی کا نام آیا۔ پوچھا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟" اپنی جان کی کوئی پرواہ نہ تھی، فکر تھی تو صرف محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کی۔ خاندان والوں نے سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ رفاقت مصائب و آلام کا پیش خیمہ ہے، لیکن یہ جنون عشق کے انداز کہاں چھٹنے والے تھے! اس لیے اہل قبیلہ نے بھی قطع تعلق کر لیا۔ یہ سب کچھ منظور تھا لیکن فراق یار کسی صورت گوارا نہ ہو سکا۔ اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ زخم ہائے خونچکاں پر نظر پڑی تو خود آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرط محبت سے چوم لیا۔ سفر میں حضر میں، غرض کہ زندگی کے ہر ہر قدم پر ثانی اثنین رضی اللہ عنہ نے حق رفاقت ادا کیا۔ راہ حق میں جہاد کے

موقع پر تمام اثاث البیت اور مال و متاع لا کر محبوب ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کر دیا:

بولے حضور ﷺ : چاہیئے فکر عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعث تکوین روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق ؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دن جب حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر ؓ سے زیادہ کسی اور کے جان و مال سے ہمیں فائدہ نہیں پہنچا۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر ؓ رونے لگے اور روتے ہوئے عرض کیا: "یا رسول اللہ میری جان اور میرا مال آپ کے سوا اور کس کے لیے ہیں؟" یہ روایت مسند امام احمد بن حنبل ؒ میں بالتفصیل آئی ہے۔

سفر ہجرت میں قدم قدم پر اندوہ ناک مصائب اور موت کا سامنا ہے لیکن رفاقت حبیب کے سامنے یہ مصائب کیا ہیں؟ یہ موت کیا چیز ہے؟ بیٹا اگر دشمنان رسول کے ساتھ ہے تو اس کی گردن اڑانے کے لیے صدیق ؓ کی تیغ بے نیام ہے۔ آقا ﷺ نے ایک غلام زادے اسامہ بن زید ؓ کو قبل از وصال اسلامی فوج کا سپہ سالار مقرر فرما دیا تھا تو ابو بکر ؓ سربراہ مملکت اسلام اس کی رکاب تھامے پا پیادہ اسے رخصت کرنے جا رہے ہیں۔ مصلحت وقت کے پیش نظر اکابر صحابہ، جن میں حضرت عمر فاروق ؓ پیش پیش ہیں، نوجوان اسامہ ؓ کی بجائے کسی اور تجربہ کار سردار کو قائد لشکر بنانے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ اس پر غضب ناک ہو کر فرمایا: "ابو قحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ وہ آقا ﷺ کے مقرر کردہ امیر کی بجائے کسی اور کو امارت سپرد کر دے۔ خدا کی قسم اگر جنگل کے بھیڑیے بھی مدینہ میں داخل ہو کر مجھے اٹھا لے جائیں تب بھی میں وہ کام کرنے سے باز نہیں آؤں گا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے کرنے کا حکم دیا ہے۔" (۲)

ایک مرتبہ جذبہ محبت سے سرشار ہو کر فرمایا: "اللہ کا رسول ﷺ مجھے اللہ سے عزیز تر ہے کیونکہ اس کے بغیر مجھے عرفان حق کہاں نصیب ہوتا!"

اس واقعہ کو اقبال ؒ نے یوں نظم کیا ہے:

معنی حرفم کنی تحقیق اگر
بنگری با دیدہ صدیقؓ اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی ﷺ
از خدا محبوب تر گردد نبی ﷺ

عشق حیدر رضی اللہ عنہ:

ذات مرتضویؓ کمال عشق و مستی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ شب ہجرت بستر رسول ﷺ پر دشمنوں کی تلواروں کے سایہ میں سوائے حیدر کرارؓ اور کون سو سکتا تھا! خیبر شکن قوت کا سرچشمہ عشق رسول ہاشمی ﷺ کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ ساری زندگی فقر و فاقہ اور نان جویں پر گزار دی۔ بیت المال کا تمام مال و اسباب امت پر تقسیم کرتے رہے کہ یہی طریق رسول تھا۔

ابن ملجم کو خود ہی دعوت دی کہ اے دشمن خدا تو نے اتنی دیر کیوں لگا دی اور جب اس ملعون کی تلوار آپ کے فرق مبارک کو کاٹتی چلی گئی تو موت کا استقبال کرتے ہوئے پکار اٹھے: "رب کعبہ کی قسم! آج میں کامیاب ہوا۔" اور یہ کامیابی اس لیے تھی کہ شہادت وصال حبیب ﷺ کا پیام بن کر نمودار ہوئی۔(۳)

شہید اول:

حارث ابن ابی ہالہؓ شیدائی رسول تھے۔ جب انہیں خبر ملی کہ کفار مکہ آقا ﷺ کے درپے آزار ہیں تو یہ جانثار مصطفیٰ ﷺ سینہ سپر ہو کر تن تنہا دشمنوں کے مقابلہ پر نکل آیا اور مولائے کائنات ﷺ پر نثار ہو کر بارگاہ رسالت سے شہید اول کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

مقام خبیب رضی اللہ عنہ:

حضرت خبیبؓ کو قید و بند، بھوک اور پیاس کی اذیتوں نے عشق مصطفوی ﷺ کی لذتوں سے ہمکنار کیا۔ شہادت کہ الفت سے جب انہیں مقتل کی طرف لایا گیا تو اس عزم و شوق سے سوئے دار چلے کہ حاصل عمر نثار رہ یار کریں۔ مقتل میں ایک بار پھر دین محمد ﷺ کو چھوڑنے پر جان بخشی کی ضمانت دی گئی لیکن ان عقل کے اندھوں کو کون

سمجھاتا کہ یہاں آئے ہی اس لیے تھے کہ آقا ﷺ پر اپنی متاع حیات نچھاور کریں۔ صاف انکار کر دیا اور دیوانہ وار دار و رسن کی طرف بڑھ کر جان حزیں آقا ﷺ پر نثار کر دی۔ اس طرح اپنے خون سے داستان عشق رقم کرتے ہوئے ایمان کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ کیا ہی سچی بات کہی ہے مولانا ظفر علی خان نے۔

کٹ مروں جب تک نہ میں خواجہ یثرب کی حرمت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

حضرت زید رضی اللہ عنہ :

جناب زیدؓ بھی اسی سج دھج سے مقتل پہنچے۔ مشکیں کسی ہوئی تھیں۔ تختہ دار پر لا کر پوچھا گیا' کیا تمہیں منظور ہے کہ تمہارے بدلہ میں محمد ﷺ کا سر قلم کیا جائے۔ اس پر اس عاشق صادق ؓ نے جواب دیا: "مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میری جان کے بدلہ میں میرے آقا ﷺ کے تلوے میں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔" اس واقعہ کو مولانا ظفر علی خان نے نظم کے قلب میں ڈھالا ہے۔

پرستاران لات و نصر مشکیں زید کی کس کر
جب اس اسلام کے شیدا کو مقتل کی طرف لائے
قریش اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے نکلے
گھروں سے رقص بسمل کا تماشا دیکھنے آئے
جبین زید پر اس وقت وہ رونق برستی تھی
کہ صبح اولیں کے نور کی بارش بھی شرمائے
یہ اطمینان خاطر دیکھ کر کفر اور جھلایا
دلوں کی تیرگی نے بدر کے داغ اور چمکائے
ابوسفیان پکارا کیا ہی اچھا ہو محمد کو
ترے بدلہ اگر جلود خاک و خوں میں تڑپائے
تڑپ اٹھتا ہوں جس دم وہ فقرے یاد آتے ہیں
بوقت ذبح جو اس مومن کامل نے دہرائے
مجھے ناز اپنی قسمت پر ہے کہ جب نام محمد پر

یہ سر کٹ جائے اور ان کا سر پا اس کو ٹھکرائے
یہ سب کچھ گوارا ہے پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

پیغام سعدؓ:

غزوہ احد میں جب دشمنوں نے یہ افواہ اڑا دی کہ (خاکم بدہن) محمد ﷺ مارے گئے تو مسلمانوں پر سراسیمگی طاری ہوئی۔ حضرت انسؓ بن مالک کے چچا حضرت ابن نضرؓ تک جب یہ خبر پہنچی تو وہ یہ کہتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے کہ آپ کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے اور اسی (۸۰) سے زیادہ زخم کھا کر شہید ہوئے۔ پھر جب حضرت کعب ابن مالکؓ نے اعلان کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ زندہ اور سلامت ہیں تو مسلمان پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت ابو دجانہؓ نے دشمنوں کے سارے وار اپنے جسم پر روکے۔ اسی اثنا حضور نے سعد بن ربیعؓ کے بارے میں دریافت فرمایا' جس پر ایک انصاری ان کی تلاش میں نکلے۔ زخمیوں اور شہیدوں کے درمیان ڈھونڈتے ہوئے جب ان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ زندگی کی رمق بھی ان میں باقی ہے۔ کہا: "حضور ﷺ نے مجھے تمہاری خبر لانے کے لیے بھیجا ہے۔" اس پر اس عشق و محبت کے رازدار نے کہا: "اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پس از سلام یہ عرض کرنا کہ سعد آپ ﷺ پر نثار ہو گیا کیونکہ اب صرف چند لمحوں کا مہمان ہوں۔ حضور ﷺ سے یہ عرض بھی کرنا کہ اللہ آپ کو پیغمبروں کے شایان شان اجر عطا کرے۔" اس کے بعد سعدؓ نے انصار اور مہاجرین کو یہ پیغام دیا: "اگر تمہارے جسم میں ذرا سی بھی جان ہو اور اللہ کے رسول ﷺ کو کوئی گزند پہنچے تو اللہ کے حضور تمہارا کوئی عذر بھی قابل قبول نہ ہو گا۔" یہ کہتے کہتے اس عاشق صادق نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہان نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی(۴)

تمنائے عشق:

صحابہ و صحابیات رسول ﷺ چاہے وہ بوڑھے ہوں یا جوان' عورتیں ہوں یا بچے'

سب کی یہی خواہش اور تمنا تھی کہ وہ اپنے آقا و مولا پر جان نثار کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ یہ شرف انبیائے کرام میں سے کسی اور نبی کو نصیب نہ ہوا کہ اس کے امتی اس کے لیے جی جان سے لڑ مرنے کے تیار رہے ہوں۔ یوسف علیہ السلام کو خود برادران یوسف نے اندھے کنویں میں پھینک دیا تھا۔ حسن یوسفؑ پر فریفتہ ہو کر زنان مصر نے صرف اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں لیکن یہاں تو ان کے اشارہ چشم پر سر کٹانے کے لیے ہر وابستہ دامان رسالت سربکف نظر آئے گا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو سرزمین کنعان میں داخل ہونے کا حکم دیا تو قوم نے کہا:

اے موسیٰ! جاؤ تم اور تمہارا خدا (ان سے) قتال کے لیے۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔" (المائدہ:23)

فاذهب انت وربك فقاتلا انا هٰهنا قاعدون

مسیح علیہ السلام کو جب صلیب کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو ان کے سارے حواریوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ چیخ اٹھے۔ " ایلی ایلی لما سبقتنی " لیکن یہاں تو بچہ بچہ اپنے نبی کی حرمت پر کٹ مرنے کے لیے برقرار ہے۔

معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما:

معرکہ بدر میں معاذؓ اور معوذؓ دو کمسن نوجوان انصاری بچوں نے دشمن رسول ابوجہل کا صف اعداء میں گھس کر کام تمام کیا اور اس معرکہ کفر و دیں میں ان دونوں نے جس طرح داد شجاعت دی اور پھر معوذؓ اپنے آقا پر قربان ہو گیا۔ اس پر غالب کا یہ مصرعہ بے اختیار زبان پر آتا ہے۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق

عشق اویس رضی اللہ عنہ:

احترام اور عشق رسول ﷺ کے یوں واقعات تو بے شمار ہیں لیکن ہم یہاں صرف ایک واقعہ کے تذکرہ پر اکتفا کریں گے، جس سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ ان ذوات قدسی کے دلوں میں آپ کا کیا مقام اور آپ کے لیے کتنا احترام تھا۔ یاران نبی تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جس سے اندیشہ ہو کہ وہ طبع حضور ﷺ پر گراں گزرے اور

ایسی بات آپ کے وصال کے بعد بھی کسی سے سرزد ہو۔

ایک صحابی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ دستر خوان پر کدو کا سالن لایا گیا تو اس ذوق و شوق کے ساتھ کھانے لگے گویا خوان نعمت آسمان سے ان کے لیے اتارا گیا ہے۔ فرمانے لگے: "یہ میرے آقا کی محبوب غذا تھی۔" ان کا ایک صاحبزادہ جو پاس ہی بیٹھا کھانا کھا رہا تھا' بے خیالی میں بول پڑا: "لیکن مجھے تو یہ پسند نہیں۔" یہ سننا تھا کہ فوراً ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ تلوار نکال لائے اور اسے جان سے مارنے کے لیے دوڑے۔ غصہ اس بات پر تھا کہ اسے ایسی بات کہنے کی جرأت کیسے ہوئی! افراد خاندان نے بیچ بچاؤ کر کے لڑکے کو بچا لیا۔ لیکن باپ نے عمر بھر اس کی صورت نہیں دیکھی۔ وقت رحلت جب بیٹا شرمسار اور معافی کا خواستگار ہو کر سامنے آیا تو منہ پھیر لیا اور کہا۔ "ایسی اولاد کی صورت دیکھ کر میں اپنے آقا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔" عشق کا یہ بھی ایک منفرد انداز ہے۔

جان نثار خواتین

حضرت سمیہؓ ---- شہید اول خاتون

اس دور کی عورتیں بھی جذبہ سرفروشی اور جاں نثاری میں مردوں سے پیچھے نہ تھیں بلکہ پیش پیش تھیں۔ رسول کریم ﷺ کی دعوت حق پر اپنے شوہر یاسرؓ اور اپنے صاحبزادے عمارؓ کے ساتھ ایمان لانے والوں میں حضرت سمیہؓ کا شمار "سابقات الاولین" میں ہوتا ہے۔ اسلام لاتے ہی اس خاندان پر مصائب و آلام کی جو یورش ہوئی وہ ہی اندوہ ناک اور جاں گسل داستان ہے۔ مشرکین مکہ دین محمد ﷺ قبول کرنے کی پاداش میں انہیں' گھسیٹتے لیکن یہ بلا کیشان محبت اس مرحلہ سخت جان میں بھی ثابت قدم نکلے۔ اس پر ابوجہل بوکھلا اٹھا اور دشنام طرازیوں پر اتر آیا اور طیش میں آ کر اس مظلوم اور ستم رسیدہ خاتون کو اس نے برچھی ماری جو جگر کے پار ہوئی۔ یہ اسلام کی سب سے پہلی خاتون ہیں جنہیں عشق محمد ﷺ میں شہادت کا رتبہ بلند نصیب ہوا۔(۵)

اس صحابیہ رسول ﷺ کے جذبۂ عشق کا کیا کہنا جو میدان کارزار میں اپنے باپ' اپنے بھائی اور اپنے شوہر کی شہادت کا حال سن کر کہنے لگی۔ "مجھے صرف یہ بتلاؤ کہ

میرے آقا ﷺ کس حال میں ہیں؟" جب بتلایا گیا کہ حضور سلامت ہیں اور پھر چہرہ انور کو دیکھ لیا تو خوشی سے بے اختیار پکار اٹھیں۔ "اب کوئی مصیبت میرے لیے مصیبت نہیں رہی۔" اس واقعہ کو مولانا شبلی نعمانی نے اس طرح نظم کیا ہے:

کافروں نے یہ کیا جنگ احد میں مشہور
کہ پیغمبر بھی ہوئے کشتہ شمشیر دو دم
ہو کے مشہور مدینے میں جو پہنچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدہ حسرت و غم
ہو کے بے تاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم
وہ بھی نکلیں جو کہ تھیں پردہ نشینان عفاف
جس میں تھیں سیدہ پاک بھی بادیدہ نم
ایک خاتون کہ انصار نکو نام سے تھیں
سخت مضطر تھیں نہ تھے ہوش و حواس ان کے بہم
موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم
تیرے بیٹے نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتہ شمشیر ستم
سب سے بڑھ کر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہ الم
اس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلا دو کیسے ہیں شہنشاہ امم
سب نے دی اس کو شہادت کہ سلامت ہیں حضور
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کے اس نے رخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم

خنساؓ اور فرزندان خنساؓ:

حضرت خنساؓ کا عربی ادب و شاعری میں جو مقام و مرتبہ ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ جاہلی دور میں انہوں نے اپنے عزیز بھائی کی موت پر جو مرثیہ لکھا تھا وہ کلاسیکل ادب کا حصہ ہے۔ اس مرثیہ کے ایک شعر ہی سے اس نے اندرونی کرب و ملال' غم و اندوہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو انہیں اپنے بھائی کی وفات پر ہوا تھا۔

یذکرنی طلوع الشمس صخرا

و ذکرہ بکل غروب الشمس

ہر روز طلوع آفتاب کے ساتھ صخرا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور ہر روز غروب آفتاب پر شام غم اس کی یاد میں گزرتی ہے۔ صبح و شام اور روز و شب اسی ایک بھائی کے سانحہ مرگ پر ماتم کناں تھیں۔ لیکن رسول انس و جان پر ایمان لانے کے بعد وہ عشق رسول میں ایسی ڈوب گئیں کہ اس کے بعد انہیں کسی اور کا ہوش ہی نہیں رہا۔ جنگ قادسیہ میں ان کے تمام لخت جگر ایک ایک کر کے آقا کے دین حق پر کٹ مرے اور جب خنساؓ کو ان کے آخری فرزند کی شہادت کی خبر بھی دی گئی تو وہ خوشی سے یہ کہتے ہوئے چیخ اٹھیں۔ " الحمدلله الذی اکرمنی بشادتھم " شکر ہے پروردگار کا جس نے میرے لڑکوں کو شہادت سے سرفراز فرمایا اور میں مستحق کرامت ٹھہری۔(٦)

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا:

غزوہ احد میں حضور رسالت پناہ کی حفاظت کے لیے ام عمارہؓ نے جس بے مثال جرات اور بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن قمیہ جیسے موذی دشمن رسول کو میدان جنگ سے مار بھگایا اور جسم پر کاری زخم کھانے کے باوجود جس بے جگری سے سینہ سپر ہو کر لڑتی رہیں' اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ "ام عمارہ تو نے مردوں سے بڑھ کر بہادری دکھلائی ہے اور جتنی طاقت تجھ میں ہے' وہ کسی اور میں کہاں۔" اور رسول کریم ﷺ نے خود ان کے زخموں پر پٹی بندھوائی اور پوچھا۔ "بتاؤ کیا چاہتی ہو؟" عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعا کیجئے کہ آخرت میں بھی آپ کے قدموں میں جگہ نصیب ہو۔" جب حضور آیہ رحمت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کہنے لگیں " ما ابالی ما اصابنی من الدنیا " (اب دنیا میں کسی مصیبت کی مجھے پرواہ نہیں) پھر اپنے زخمی فرزند عبداللہ سے کہا۔ "بیٹا آخر دم تک دشمنوں سے برسرپیکار رہنا۔"

پاک و ہند کے شیدایان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسی جذبہ عشق و محبت سے امت مسلمہ ہمیشہ سرشار رہی ہے اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یہ جذبہ بلند سوائے مسلمانوں کے کسی اور قوم اور ملت کو نصیب نہیں ہوا۔ ان تمام واقعات کے تذکرہ کی یہاں گنجائش نہیں۔ ہم صرف چند ایک واقعات کا مختصراً ذکر کریں گے' جن کا ناموس رسالت سے تعلق ہے' جو اسی جذبہ عشق کے مظہر ہیں۔

مولانا محمد علی جوہر:

برصغیر ہند کی جدوجہد آزادی میں مولانا محمد علی جوہر کا جو حصہ ہے' اسے کون نہیں جانتا لیکن سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں جو بے پناہ عقیدت تھی' اس کی بدولت خاک قدس نے اسلام کے اس بطل جلیل کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ اس عقیدت و احترام کے اظہار میں برٹش امپریلزم کے سطوت و جلال اور اس کی قہرمان عدالتوں کا رعب و دبدبہ بھی اس شیدائی رسول کے جذبہ بے باک کے مانع نہ آ سکا۔ سال ۱۹۲۱ء میں مولانا جوہر اور دیگر رہنماؤں کو برطانوی حکومت کے خلاف جرم بغاوت کی پاداش میں گرفتار کر کے کراچی لایا گیا ہے جہاں ان کا مقدمہ ایک انگریز جج کی عدالت میں زیر سماعت ہے مولانا محمد علی اراکین جیوری سے خطاب کرتے ہوئے انگریزی قانون بغاوت کی دھجیاں اڑا رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کرتے جا رہے ہیں کہ ایک مسلمان سب سے پہلے اپنے پیغمبر کے لائے ہوئے دین کا وفادار ہے' جس کی رو سے اس پر برطانوی فوج میں ملازمت حرام ہے۔ اس تاریخی خطاب میں وہ اپنے آقا و مولا کے خطبہ حجتہ الوداع کا' جو انسانی آزادی کا اولین چارٹر ہے' حوالہ دینا چاہتے ہیں۔ اس پر مولانا اور عدالت میں جو مکالمہ ہوا وہ بڑا ہی ایمان افروز ہے اور اس سے ان کا ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت' احترام و عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا: (طیش میں آکر) کروں گا اور ضرور کروں گا اپنے پیغمبر کی بات۔ واپس لو اپنے الفاظ کو۔ (پوری قوت کے ساتھ) میں کہتا ہوں واپس لو اپنے الفاظ' خبردار! جو شخص بھی

میرے پیغمبر کی شان میں گستاخی کرے گا' میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اسے میں جان سے مار ڈالوں گا۔"

اس کے بعد تلخی اور بڑھ گئی۔ مولانا بپھرے ہوئے شیر کی طرح گرج رہے تھے' جس پر جج نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مولانا کو وہاں سے ہٹا دے لیکن مولانا کے غیظ و جلال کو دیکھ کر اس کی بھی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ ان کے قریب آئے۔ مولانا بولتے چلے گئے اور آخر میں شدت جذبات سے مغلوب ہو کر ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا اور گھگھی بندھ گئی' جس کے بعد وہ بول نہ سکے۔

علامہ اقبالؒ :

علامہ اقبالؒ کی ساری زندگی عشق رسول ﷺ کی تفسیر ہے اور شاعری اپنے معراج کمال پر پہنچ کر ان پر جو ختم ہوئی ہے' وہ صرف نبی الخاتم کی محبت اور عشق رسول ﷺ ہی کا اعجاز ہے۔ ہمارے مرحوم بزرگ دوست راجہ سید اکبر ایڈووکیٹ نے' جو حلقہ بگوشان اقبال سے تھے اور گاہے بگاہے علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے' یہ واقعہ راقم کو سنایا۔

"ایک دن علامہ کے گرد ان کے ارادت مند جمع تھے اور علمی مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی اسی اثناء میں کالج کے چند طلبا بھی آ کر شریک محفل ہو گئے دوران گفتگو ایک اشتراکیت زدہ طالب علم نے حضور کا نام نامی "محمد صاحب" کہہ کر لے لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ علامہ غصہ سے کانپنے لگے۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا: نکال دو اسے میرے سامنے سے۔ اس نابکار کو میرے آقا اور مولا کا نام لینے کی بھی تمیز نہیں۔ پھر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور بڑی دیر تک ان پر غم و غصہ کی یہ کیفیت طاری رہی اس واقعہ کا "حیات اقبال میں بھی ذکر موجود ہے۔"

اس کے علاوہ ۱۹۳۵ء میں علامہ نے قادیانیت کے خلاف جو اعلان جنگ کیا اور اس تحریک کے لیے پنڈت نہرو کی سیاسی حمایت کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے برٹش گورنمنٹ نے اسے مسلمانوں سے علیحدہ اور جداگانہ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا جو مطالبہ کیا' اس کی تہہ میں بھی یہی جذبہ عشق رسول ﷺ کارفرما تھا' جس کی تصدیق علامہ کے نامور فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی کتاب "زندہ رود" کے حصہ سوم میں کی ہے' جو موصوف

نے علامہ اقبال اور قادیانی تحریک کے بارے میں شیخ اعجاز احمد کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ کی اس تحریک کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا۔ "میرے شبہات نے اس تحریک (قادیانیت) کے خلاف مکمل بغاوت اختیار کرلی' جب میں نے اپنے کانوں سے اس تحریک کے ایک رکن کو نبی کریم ﷺ کے بارے میں نازیبا زبان استعمال کرتے ہوئے سنا۔"

اقبال ؒ کا جذبہ عشق و احترام رسول ﷺ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ وہ اپنی عمر کے آخری ایام میں اس وجہ سے مضطرب اور پریشان رہتے تھے کہ مبادا کہیں ان کی عمر رسول پاک ﷺ کی عمر مبارک سے زیادہ نہ ہو جائے۔ چنانچہ علامہ کے ایک قریبی نیاز مند حکیم احمد شجاع لکھتے ہیں کہ انہوں نے ایک دن علامہ کو بہت زیادہ فکر مند' مغموم اور مضطرب حال میں دیکھ کر پوچھا کہ آج آپ اتنے مغموم اور پریشان کیوں ہیں؟ علامہ کانپتی ہوئی آواز میں کہنے لگے۔ "احمد شجاع! میں یہ سوچ کر اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر نبی کریم ﷺ کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے۔" بالآخر یہ عاشقِ صادق اس خوف سے کہ کہیں اس سے عمر کے معاملہ میں سوئے ادبی نہ ہو جائے' اپنے آقا کی عمر تک پہنچنے سے قبل ہی ۶۱ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے کنارا کر کے حضور ﷺ کے سایہ رحمت میں پہنچ گیا اس طرح اقبال نے نہ صرف اپنی ساری زندگی عشق رسول ﷺ میں گزار دی' بلکہ اپنی جان دے کر بھی احترام رسول ﷺ کا ثبوت دنیا کو دیا ہے۔(۹)

اقبال ؒ کی ساری شاعری کا مرکز و محور سراپائے رسول ﷺ ہے۔ علامہ کی چند ابتدائی نظموں کو چھوڑ کر ان کی ساری شاعری زمزمہ نعت ہے۔ انہوں نے روایت نعت گوئی سے ہٹ کر نعت رسول مقبول ﷺ کو ایک نیا اسلوب اور ایک نیا لہجہ و آہنگ دیا' جس سے ہماری اردو' فارسی شاعری ناآشنا تھی۔ اردو فارسی شعرا کی طرح انہوں نے حضور رسالت مآب ﷺ کو صرف ہدیہ سپاس و عقیدت پیش کر کے اسے اپنی ذات کے لیے ذریعہ نجات نہیں بنایا بلکہ ذات و صفات رسالت مآب ﷺ کے جمال جہاں آرا کی جھلک اپنے حسن کلام کے آئینہ میں دکھلا دی تاکہ انسان حیات و کائنات پر محیط سیرت و کردار کے اعلیٰ ترین پیکر جمیل کے ہر نقش پا کو اپنا رہنما بنا کر اپنی دنیا اور عاقبت سنوار لے۔
اقبال کی نعت کا کرشمہ حسن تو یہ ہے کہ اس کی بدولت دلوں کی ویران دنیا محبوب مجازی کی محبت سے معمور ہو گئی اور نغمہ نعت کے سوز و ساز سے قافلہ بے زمام کو اپنی منزل

مراد سوئے مدینہ نظر آگئی اور غیروں کے دل بھی اس حجازی لے کی طرف کھنچنے لگے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بارگاہ رسالت کے شاعر حضرت حسان ؓ کے بعد اقبال کے زمزمہ محبت میں بھی روح القدس کا ملکوتی آہنگ شامل ہو گیا۔ اس کلام کی تاثیر کا کیا کہنا جس نے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کے دلوں میں پیغام محمد عربی ﷺ کے ذریعہ آزادی کے لیے تڑپ پیدا کی' جس کے نتیجہ میں برصغیر ہند کے مسلمانوں کے لیے ایک عظیم اسلامی مملکت دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوئی' جس کے پیغام سے ایران میں اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہوئی' جس کا برملا اعتراف خود ایران کے سابق صدر اور موجودہ روحانی پیشوا جانشین امام خمینی حجتہ الاسلام آیت اللہ خامنہ ای نے ۱۴۰۸ ہجری میں اپنے خطاب لاہور کے موقع پر کیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ دنیا کی عظیم اور سپر طاقت روس کو اقبال کے پیغام جہاد اور جذبہ وابستگی دین مصطفیٰ نے شکست فاش دی اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس کے دور رس اثرات افغانستان کی سرحدوں کو پار کر کے روس کی سرحد میں داخل ہو رہے ہیں۔ سمرقند اور بخارا میں پھر سے اسلام کی عظمت گم گشتہ کی بازیافت کا آغاز ہو رہا ہے۔ سوشلسٹ امپریلزم کا شیرازہ روس کے زیر اثر علاقوں اور خود روس کے اندر بکھر گیا۔ اس کے علاوہ دنیائے عرب اور بالخصوص مصر میں جو عقیدت اور محبت اقبال کے لیے راقم الحروف نے اپنے دورہ مصر سال ۱۴۰۹ ہجری میں دیکھی' اس کا سبب بھی اہل مصر کی زبانی یہی تھا کہ اقبال کی ہی معجز بیانی سے نیل کے ساحل سے تابخاک کاشغر قافلہ اسلام لوائے محمد کے سایہ میں پھر سے سوئے حرم جادہ پیما ہوا ہے۔ جامعہ الازہر کے اساتذہ کرام اور خاص طور سے ڈاکٹر ابو الوفا تفتازانی پرو وائس چانسلر قاہرہ یونیورسٹی اور ان کے رفقائے کار سے ایک دینی تقریب میں ملاقات' میرے ہم نام رفیق محترم سفیر پاکستان میاں اسماعیل محمد کے حرکی (Dynamic) نقطہ نظر کے بارے میں پہلی بار یہ انکشاف ہوا کہ اس نے کس طرح مصر کے دینی حلقوں میں شعوری انقلاب پیدا کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرے گا' اقبال کی بصیرت جو نور مصطفیٰ ﷺ سے روشن ہے عام ہو گی اور دنیا پر اسرار کتاب کھلتے جائیں گے۔

قائد اعظم محمد علی جناح ؒ:

قائداعظم ؒ نے اپنی ساری زندگی کائنات دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کرنے میں

کھپا دی۔ یہ عشق رسول ﷺ کی چنگاری تھی جس نے انہیں لنکنز ان (Lincon's Inn) میں داخلہ لینے کے لیے مجبور کیا۔ پھر یہی وہ قوت عشق تھی جس کی بدولت انہوں نے ایک دن شکست خوردہ قوم کو غلامی کی پستیوں سے نکال کر برٹش ایمپائر اور ہندو سامراج جیسی طاقتوں کے مقابل صف آراء کیا اور بالاخر غلامان محمد ﷺ کو نہ صرف کامرانی اور آزادی سے ہمکنار کیا بلکہ ان کے لیے پاکستان کی صورت میں ایک ایسی اسلامی سلطنت حاصل کی جسے موجودہ دنیا کی ایک سپر طاقت بھی اپنی قوت اور جبروت کے سامنے سرنگوں نہ کر سکی اور یہ حقیقت دنیا پر پھر ایک بار آشکار ہوئی کہ "محمد ﷺ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی۔"

وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کی آزادی کے بعد اقبال' قائداعظم اور جمال الدین افغانی کی وہ دیرینہ آرزو بھی پوری ہونے کو ہے جو ان کی چشم بصیرت پر قرن ہا قرن پیشتر "اسلامستان" کی شکل میں جلوہ گر تھی۔

اگرچہ "مولانا محمد علی جوہر" "علامہ اقبال" اور "قائد اعظم" کسی دینی درسگاہ کے فارغ التحصیل نہ تھے بلکہ ان کی عمریں یورپ کے فکری صنم کدوں اور دانش گاہوں میں گزری تھیں۔ انہیں بقائے دوام اپنے علم و دانش کی وجہ سے نہیں بلکہ عشق خیر الانام ﷺ کی بدولت نصیب ہوا۔ ہاں یہ بات ایک حد تک درست ہے کہ حضرت اقبال" ' قائداعظم" اور مولانا محمد علی جوہر کو توفیق الٰہی سے ان کے علم اور فضل و کمال نے وابستہ دامان نبوت ﷺ کر دیا تھا' جس کی وجہ سے وہ زیر سایہ ابدیت آگئے۔

پاک و ہند کے چند شہیدان ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سابقہ باب میں ہم نے اکابرین ملت سے تین شخصیتوں کا دامان مصطفوی ﷺ سے وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ اس باب میں ہم نے پاک و ہند کے چند ان شہیدان ناموس رسالت ﷺ کی داستان حیات کے کچھ ورق شامل کیے ہیں جو اعلیٰ تعلیمی درس گاہوں سے نا آشنا' علم و حکمت سے بے بہرہ گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے مگر نام مصطفیٰ ﷺ پر جی جان سے قربان ہو کر زندہ جاوید ہو گئے اور موت خود ان کے لیے مسیحا بن گئی۔ کیا ہی سچی بات کہی ہے ایک ہندو شاعر پنڈت ہری چند اختر نے۔

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں ان کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

یوں تو ان عاشقان پاک طینت کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ہم یہاں ان چند شہیدان ملت کا تذکرہ کریں گے' جن کے حالات اور واقعات تک ہماری رسائی ہو سکی ہے۔ غازی علم الدین شہید" اور ان کے پیش رو مردان غازی کا جوڈیشل ریکارڈ بڑی حد تک محفوظ ہے اس لیے ہم ان کے کارنامہ حیات سے اس تذکرہ کا آغاز اس دور کے تاریخی پس منظر کے ساتھ کریں گے۔

تاریخی پس منظر:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمان بڑے ہی پر آشوب دور سے گزر رہے تھے۔ عیسائی' آریہ سماجی اور ہندوؤں کی اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی طور پر کمزور کرکے انہیں دین سے بیگانہ اور منحرف کرنے کے لیے باقاعدہ منظم مہم چلا رہی تھیں۔ شدھی' سنگھٹن اور آریہ سماج جیسی متعصب اور فرقہ پرست تحریکیں مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل تھیں۔ ان کے لیڈر نہ صرف مسلمانوں کے عقائد اور کلچر کا مذاق اڑاتے تھے' بلکہ انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف دل آزار کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا سلسلہ بھی زور و شور سے شروع کر رکھا تھا' جس کی وجہ سے قدرتی طور پر برصغیر کے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے۔

اس دور کے آریہ سماجی لیڈر سوامی دیانند نے ایک دل آزار کتاب "ستیارتھ پرکاش" لکھی' جس میں اسلام اور شارع اسلام ﷺ کی ذات گرامی پر رکیک اور سوقیانہ حملے کئے گئے تھے' جس کے خلاف مسلمانوں نے سخت احتجاج کیا۔ پہلے تو برٹش گورنمنٹ خاموش تماشائی بنی رہی' لیکن جب دیکھا کہ مسلمان مرنے مارنے پر تیار ہو گئے ہیں تب کہیں جاکر گورنمنٹ نے اس کتاب کی ضبطی کا حکم دیا۔ اس کے بعد اسی سوامی دیانند کے ایک چیلے مہاشہ کرشن ایڈیٹر "پرتاب" نے پنڈت چموپتی لال کے اس فرضی نام سے ایک اور رسوائے زمانہ کتاب "رنگیلا رسول" لکھی۔ لاہور کے ایک بدبخت کتب فروش راج پال نے اس کتاب کی طباعت اور اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور سال ۱۹۲۳ء میں وہ کتاب چھپ کر بازار میں آئی تو مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمان زعماء نے حکومت سے

اس کتاب کی فوری ضبطی اور اس کے ناشر کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا جس پر راج پال کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا۔ لاہور کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ملزم کو چھ ماہ قید کی سزا دی۔ اس کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی۔ اس وقت شادی لال جیسا متعصب ہندو ہائی کورٹ کا چیف جسٹس تھا جس کی ایما پر جسٹس کنور دلیپ سنگھ نے ۱۹۲۷ء میں راج پال ملزم کو بری کرتے ہوئے تحریر کیا کہ کتاب کی عبارت کتنی ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہو' اس سے بہرحال کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اس فیصلہ نے مسلمانوں کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔ اس دور میں مسلمانوں کے ترجمان "مسلم آوٹ لک" (Muslim Out Look) نے اس غیر منصفانہ فیصلہ پر سخت گرفت کی اور حکومت پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اگر اس فیصلہ پر نظرثانی نہ کی گئی تو اس کے نتائج اور عواقب نہایت مہلک اور تباہ کن ہوں گے۔ اس اداریہ پر "مسلم آوٹ لک" کے ایڈیٹر' پرنٹر' پبلشر نور الحق کو قید اور جرمانہ کی سزا دی گئی لیکن یہاں تو

بڑھتا ہے ذوق جرم ہر سزا کے بعد

اس ناروا قانون کے خلاف جو مذہبی دل آزاری جیسے سنگین جرم کی پشت پناہی کر رہا تھا مولانا ظفر علی خان کی زبان و قلم کو جنبش ہوئی جس نے ایجی ٹیشن کی صورت اختیار کر لی۔ پھر مولانا ظفر علی خاں کو بھی اسی جرم کی پاداش میں حوالہ زنداں کر دیا گیا' لیکن صورت حال کی سنگینی کے پیش نظر مولانا کو قبل از وقت ہی رہا کرنا پڑا' جس پر مولانا نے فی البدیہہ ایک شعر سپرنٹنڈنٹ جیل کو لکھ کر دیا اور اس سے کہا کہ وہ اس شعر کو حکومت وقت تک پہنچا دے۔ شعر میں مولانا کے طنز کی کاٹ ملاحظہ ہو۔ حکومت سے استفسار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کیوں نکالو جیل سے مجھ خانماں برباد کو
کچھ تو رہنے دو ابھی سسرال میں داماد کو

ادھر مولانا ابوالکلام آزاد اپنے منفرد علمی انداز میں حکومت کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کے احتجاج پر حکومت کی بے حسی پر تنقید کر رہے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کے اردو انگریزی اخبارات نے بھی اپنے مضامین اور اداریوں میں دلیپ سنگھ کے اس فیصلہ کے خلاف سخت غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے اس کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ انگریزی روز

نامہ "مسلم کرانیکل" نے اس فیصلہ کو ہدف تنقید بناتے ہوئے لکھا:

"کنور دلیپ سنگھ نے قانون کی غلط تشریح کی ہے ورنہ قانون میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ وہ راج پال جیسے دریدہ دہن بے غیرت گستاخ کا منہ بند کرے کیونکہ اس سے بڑھ کر مذہبی دل آزاری کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس سے دنیا کا اور بالخصوص برصغیر کا ہر مسلمان دل گرفتہ اور اپنے رسول کی ناموس پر کٹ مرنے کے لیے بے چین ہے۔" اخبار نے کھل کر یہ بھی لکھ دیا کہ "اگر عدالت نے اس فیصلہ پر نظر ثانی نہ کی تو کوئی مجاہد اٹھ کھڑا ہو گا جو اس گستاخ کا سر قلم کر دے گا۔" لیکن حکومت اس وقت نشہ اقتدار میں مست تھی۔

ان ہی دنوں لاہور کی شاہی مسجد میں ایک عظیم اجتماع ہوا' جس میں مولانا محمد علی جوہر نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"عزیزو! میں کوئی وکیل یا قانون دان نہیں۔ قانون کے بارے میں جو کچھ بھی سیکھا ہے وہ عدالت کے کٹہرے میں ملزم کی حیثیت سے کھڑے ہو کر سیکھا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ آئندہ ایسے فتنوں کے سدباب کے لیے اس قانون ہی کو بدلوا دیں۔ اور تعزیرات ہند میں ایک مستقل دفعہ کا اضافہ کر کے توہین بانیان مذہب کو جرم قرار دیا جائے۔ اب تک کوئی ایسی مستقل سزا آپ کے ملک کے قانون میں موجود نہیں جو اس ملک کے باشندوں کے فرقوں کی دل آزاری پر دی جا سکے۔ اس قانون کا مسودہ میں تیار کیے دیتا ہوں۔ اسمبلی کے ممبر اس میں مناسب ترمیم کر کے ایوان میں پیش کریں اور منظور کریں۔ اس طرح آقا اور ہادی علیہ السلام اور ان کے ساتھ تمام دوسرے مذاہب کے محترم پیشواؤں کی شخصیتیں بھی بدزبانی اور بے لگام لکھنے والوں کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں گی۔ علمی رنگ میں کسی مذہب یا تاریخی حیثیت سے کسی بانی مذہب پر تنقید کرنا ایک الگ بات ہے' اس کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے' لیکن کھلی توہین جو کسی مذہب کے بارے میں ہو' اسے آج ہندوستان کے قانون میں قطعی جرم قرار دے کر اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کرنا ہو گا۔"

مسلمان جب اپنے اس بے باک قائد کی تقریر سن کر شاہی مسجد سے باہر نکلے تو جوش غضب سے ان کی آنکھیں سرخ تھیں۔

یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند کے تحت گستاخ

راج پال کو سزا ہونے کی بجائے اس کے بری ہونے کے بعد اسی جرم کا ایک اور مقدمہ لاہور ہائی کورٹ کی ایک ڈویژن میں بنچ کے سامنے پیش ہوا' جس میں جسٹس براڈوے سینئر جج تھا' اس مقدمہ میں دلیپ سنگھ کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے اس ڈویژن بنچ نے یہ فیصلہ دیا کہ دفعہ ۱۵۳ الف ایسے لٹریچر پر بھی حاوی ہے جو فرقہ وارانہ فساد پھیلائے یا مذہبی دل آزاری کا باعث بنے۔ لیکن یہ فیصلہ مسلمانوں کو مطمئن نہ کر سکا۔ سال ۱۹۲۷ء میں مولانا محمد علی جوہر کی تحریک پر مسلم اراکین مرکزی قانون ساز اسمبلی کی تائید سے تعزیرات ہند میں دفعہ ۲۹۵ الف کا اضافہ کیا گیا جس کی رو سے مذہب یا مذہبی عقائد کی توہین کی سزا دو سال قید مقرر کی گئی۔ اس دفعہ میں بھی واضح طور پر بانیان مذہب کی توہین شامل نہ تھی اور نہ ہی ڈویژن بنچ کے فیصلہ یا ۲۹۵ الف تعزیرات ہند کا اطلاق موثر بہ ماضی (Retrospective) ہو سکتا تھا اور نہ ہی اس دفعہ کے اضافہ سے مسلمانوں کی کوئی اشک شوئی ہو سکی جو توہین رسالت کو ایک ناقابل معافی جرم سمجھتے ہیں۔(۱۰)

غازی خدا بخش کا راج پال پر پہلا قاتلانہ حملہ:

چنانچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء کو جب وہ ملعون راج پال اپنی دکان پر موجود کاروبار میں مشغول تھا' ایک مرد مجاہد خدا بخش اکو جھانے جو اندرون یکی گیٹ لاہور کا رہنے والا اور جس کا معروف کشمیری خاندان سے تعلق تھا' اس خبیث پر تیز دھار چاقو سے حملہ کر کے اسے مضروب کر دیا' لیکن اس بدبخت نے اس وقت بھاگ کر اپنی جان بچا لی۔ غازی خدا بخش کو زیر دفعہ ۳۰۷ الف تعزیرات ہند گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور سی۔ ایم۔ پی اوگلوی کی عدالت میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ غازی خدا بخش نے اپنی طرف سے وکیل صفائی مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ راج پال مستغیث نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا۔ "مجھ پر یہ حملہ "کتاب" کی اشاعت اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے کیا گیا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ ملزم خدا بخش اب بھی مجھے جان سے مار دے گا۔ حملہ کے وقت ملزم چلایا تھا: کافر کے بچے' آج تو میرے ہاتھ آیا ہے' میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" عدالت کے استفسار پر اس مرد غازی نے گرج دار آواز میں کہا: "میں مسلمان ہوں ناموس رسالت کا تحفظ میرا فرض ہے۔ میں اپنے آقا کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔" پھر راج پال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اس نے میرے رسول کی شان میں

گستاخی کی تھی' اس لیے میں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن یہ کم بخت اس وقت میرے ہاتھ سے بچ نکلا۔"

اقرار جرم کے بعد غازی خدا بخش کو سات سال قید سخت' جس میں تین ماہ قید تنہائی شامل تھی' کی سزا سنائی گئی اور میعاد قید کے اختتام پر پانچ پانچ ہزار کی تین ضمانتیں حفظ امن کے لیے داخل کرنے کا حکم دیا گیا۔(۱۱)

غازی عبدالعزیز:

اس واقعہ کے چند دن بعد ایک اور مرد غازی عبدالعزیز نے' جو افغانستان سے اپنے سینہ میں اس دشمن اسلام راج پال کے خلاف غیظ و غضب کی آگ لے کر لاہور پہنچا تھا' ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۷ء کی شام راج پال کی دکان پر آیا۔ اتفاقاً اس وقت راج پال کا ایک یار سوامی ستیانند بیٹھا تھا' جسے غازی عبدالعزیز نے شاتم رسول سمجھ کر چاقو سے حملہ کر کے زخمی کر دیا لیکن پولیس نے جائے واردات پر پہنچ کر غازی عبدالعزیز کو گرفتار کر لیا۔ اسی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اوگلوی نے سرسری سماعت کے بعد ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء کو اس مرد مجاہد کو بھی وہی سزا دی جو غازی خدا بخش کو دی گئی تھی' جسے بھگت کر یہ دونوں مردان غازی جیل سے سرخرو ہو کر نکلے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ:

یہ قید و بند کا سلسلہ جاری تھا کہ اس وقت ایک خطیب آتش نوا اٹھا' جسے دنیا عطاء اللہ شاہ بخاری کے نام سے جانتی ہے۔ ایوان حکومت نے اپنے خلاف بغاوت کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے لاہور میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔ اس لیے مسلمانوں کا ایک فقید المثال اجتماع بیرون دہلی دروازہ درگاہ شاہ محمد غوثؒ کے احاطہ میں منعقد ہوا۔ وہاں اس عاشق رسول ﷺ نے ناموس رسالت پر جو تقریر کی' وہ اتنی دل گداز تھی کہ سامعین پر رقت طاری ہو گئی۔ کچھ لوگ تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ شاہ جی نے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"آج آپ لوگ جناب فخر رسل محمد عربی ﷺ کے عزو ناموس کو برقرار رکھنے کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ آج جنس انسان کو عزت بخشنے والے کی عزت خطرہ میں ہے۔ آج اس جلیل المرتبت کا ناموس معرض خطرہ میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر تمام

موجودات کو ناز ہے۔" اس جلسہ میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی بھی موجود تھے۔ شاہ جی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"آج مفتی کفایت اللہ اور احمد سعید کے دروازے پر ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ اور ام المومنین خدیجہ الکبریٰ ؓ کھڑی آواز دے رہی ہیں۔ ہم تمہاری مائیں ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کفار نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔ ارے دیکھو! کہیں ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ دروازہ پر تو کھڑی نہیں؟"

یہ الفاظ دل کی گہرائیوں سے اس جوش اور ولولہ کے ساتھ ابل پڑے کہ سامعین کی نظریں معاً دروازے کی طرف اٹھ گئیں اور ہر طرف سے آہ و بکا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ پھر اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"تمہاری محبتوں کا تو یہ عالم ہے کہ عام حالتوں میں کٹ مرتے ہو لیکن کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج گنبد خضریٰ میں رسول اللہ ﷺ تڑپ رہے ہیں۔ آج خدیجہ ؓ اور عائشہ ؓ پریشان ہیں۔ بتاؤ! تمہارے دلوں میں امہات المومنین کے لیے کوئی جگہ ہے؟ آج ام المومنین عائشہ ؓ تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ وہی عائشہ ؓ جنہیں رسول اللہ ﷺ "حمیرا" کہہ کر پکارا کرتے تھے' جنہوں نے سید عالم ﷺ کو وصال کے وقت مسواک چبا کر دی تھی۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے خدیجہ ؓ اور عائشہ ؓ کے لیے جانیں دے دیں تو یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں۔" (۱۳)

شاہ جی نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

"جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے' ناموس رسالت پر حملہ کرنے والے چین سے نہیں رہ سکتے۔ پولیس جھوٹی' حکومت کوڑھی اور ڈپٹی کمشنر نااہل ہے۔ وہ ہندو اخبارات کی ہرزہ سرائی تو روک نہیں سکتا' لیکن علمائے کرام کی تقریریں روکنا چاہتا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ دفعہ ۱۴۴ کے یہیں پرخچے اڑا دیئے جائیں۔ میں دفعہ ۱۴۴ کو اپنے جوتے کی نوک تلے مسل کر بتا دوں گا:

پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے راکھ نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

داغ کا یہ شعر شاہ جی نے کچھ اس انداز سے پڑھا کہ لوگ بے قابو ہو گئے۔ اس تقریر نے سارے شہر میں آگ لگا دی۔ لاہور میں بدنام زمانہ کتاب' اس کے مصنف اور ناشر کے خلاف جابجا جلسے ہونے لگے۔ (۱۴)

غازی علم الدین شہیدؒ

ابتدائی حالات زندگی:

علم الدین ایک محنت کش نجار "طالع مند" کا بیٹا تھا جو طالع سازگار لے کر پیدا ہو جسے ماں کی گود میں دیکھ کر ایک فقیر نے بشارت دی تھی کہ تم لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہو کہ ایسا بخت آور بچہ تمہارے گھر پیدا ہوا ہے۔ علم الدین نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اپنے محلّہ کی مسجد میں حاصل کی جو اس زمانہ میں بازار سر فروشاں کے نام سے مشہور تھا۔ جب یہ بچہ ذرا بڑا ہوا تو باپ نے جلد ہی اسے اپنے ساتھ کام پر لگا لیا' جس میں اس نے بڑی جلدی مہارت حاصل کر لی۔ علم الدین کا ایک بچپن کا ساتھی عبدالرشید تھا جسے سب پیار سے "شیدا" کے نام سے پکارتے تھے۔ شیدا کے والد کی دکان مسجد وزیر خاں کے سامنے واقع تھی۔ ایک دن دونوں دوست گھر سے شام کے وقت جب مسجد وزیر خاں پہنچے تو وہاں ایک جلسہ عام میں شیطان طینت راج پال کے خلاف تقریریں ہو رہی تھیں' جس میں یہ اعلان ہو رہا تھا کہ مسلمان اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن اس مردود راج پال کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ تقریر سن کر دونوں دوست تڑپ اٹھے۔ گھر آ کر علم الدین نے اپنے والد طالع مند سے پوچھا:

"کیا کوئی شخص جو ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے زندہ رہ سکتا ہے؟"

باپ نے جواب دیا: "بیٹا مسلمان اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"کیا اسے مارنے والے کو سزا ملے گی؟" علم الدین نے باپ سے دریافت کیا۔

"ہاں بیٹا یہاں گوروں کے قانون کے مطابق اس کو پھانسی کی سزا ملے گی۔" باپ نے جواب دیا لیکن یہ سوال سن کر طالع مند فکر مند ضرور ہوا ہو گا کہ اس کا بیٹا آج ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے۔

اسی رات علم الدین نے دیکھا کہ خواب میں ایک بزرگ نمودار ہوئے ہیں اور اس سے کہہ رہے ہیں: "علم الدین دشمن نے تمہارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی

ہے' تم ابھی تک سو رہے ہو۔ اٹھو اور جلدی کرو۔" یہ خواب دیکھ کر وہ فدائی رسول ﷺ فوراً اٹھ بیٹھا اور اپنے اوزار لے کر صبح سویرے اپنے دوست شیدا کے گھر پہنچ گیا اور وہاں سے دونوں دوست بھاٹی دروازے کے سامنے والے کھلے میدان میں جا پہنچے۔ علم الدین نے وہاں رازدارانہ طریقہ سے اپنے دوست "شیدے" کو رات والا خواب سنایا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اس نے بھی گذشتہ رات یہی خواب دیکھا تھا۔ اب دونوں دوستوں میں تکرار ہونے لگی۔ دونوں کا اصرار تھا کہ اس موذی کو مارنے کے لیے اسے بشارت ہوئی ہے۔ آخر طے پایا کہ قرعہ ڈالا جائے۔ اس میں جس کا نام آئے وہی اس کام کو سر انجام دے گا۔ تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر بار قرع فال طالع مند کے خوش نصیب فرزند علم الدین کے نام نکلا' جس پر اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ شیدا کو اپنے اس دوست کی خوش بختی پر رشک آیا۔ اس نے علم الدین کو اس کامیابی پر مبارک باد دی' جس کے بعد دونوں دوست ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ وہاں سے علم الدین سیدھے گھر پہنچے کیونکہ اس نیک فال کے بعد ان کا جی کسی اور کام کی طرف مائل ہی نہیں ہوا۔ وہ گھر آکر کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے تو ذرا دیر کے لیے ان کی آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی بزرگ دوبارہ نمودار ہو کر ان سے کہہ رہے ہیں:

"علم الدین یہ وقت سونے کا نہیں بلکہ جس کام کے لیے تمہیں چن لیا گیا ہے' اس کی تکمیل کے لیے فوری پہنچو ورنہ بازی کوئی اور لے جائے گا۔" جس پر وہ ایک بار پھر اپنے دوست شیدا کے پاس الوداعی ملاقات کے لیے پہنچے۔ اسے اپنی کچھ چیزیں بطور یادگار دیں اور دوبارہ گھر پہنچ کر انہوں نے منصوبہ کی تکمیل کا پروگرام اپنے ذہن میں مرتب کر لیا اور گھر میں کسی سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی' اس ڈر سے کہ کہیں خون اور قرابت کے رشتے اس راہ میں حائل نہ ہو جائیں۔ اس دن انہوں نے غسل کیا۔ سرخ دھاری دار قمیص پہنی۔ سر پر پگڑی باندھی۔ صاف اور سجل لباس پر خوشبو لگائی۔ اس سے قبل انہوں نے اپنی ماں سے میٹھے چاول کی فرمائش کی تھی' جسے باپ اور بیٹے نے مل کر تناول کیا۔ باپ کے کسی کام پر جانے کے بعد علم الدین نے اپنی معصوم بھتیجی کے ماتھے کو سوتے میں بڑے پیار سے چوما اور بھابھی سے کچھ پیسے لے کر اس سج دھج سے خوش خوش اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔ مگر کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ علم الدین نے آج کے دن یہ سارا اہتمام کیوں کیا ہے۔ گھر سے گمٹی بازار پہنچ کر انہوں نے آتمارام کباڑیئے کی

کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا اور مسل حسب ضابطہ توثیق کے لیے لاہور ہائی کورٹ بھجوائی گئی۔ والدین کے حکم کی تعمیل میں علم الدین کی جانب سے بھی اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کی گئی۔ جس کی پیروی اس وقت کے چوٹی کے قانون دان اور اسلامیان ہند کے رہنما قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کی' جب کہ دیوان رام لال وکیل سرکار تھا۔ مقدمہ کی سماعت جسٹس براڈ وے اور جسٹس جان اسٹون نے کی۔

قائد اعظم کی بحث کا سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ راج پال نے "رنگیلا رسول" جیسی قابل اعتراض کتاب شائع کر کے پیغمبر اسلام کی توہین کی ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ چونکہ یہ کتاب اشتعال انگیزی کا سبب بنی' اس لیے ملزم نے قتل عمد کا ارتکاب نہیں کیا' لہٰذا اسے سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ اس کے جواب میں وکیل سرکار نے من جملہ دیگر دلائل کے یہ موقف اختیار کیا کہ پیغمبر اسلام کی اہانت واقعی افسوسناک بات ہے' لیکن تعزیرات ہند میں اس جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں' اس لیے مقتول نے کوئی خلاف قانون حرکت نہیں کی تھی' چنانچہ ملزم کا یہ فعل اشتعال انگیزی کی تعریف میں نہیں آتا۔ فریقین کے دلائل سننے کے بعد لاہور ہائی کورٹ نے ۱۷ جولائی ۱۹۲۹ء سیشن کورٹ کی سزائے موت کے فیصلہ کی توثیق کی۔ مسلمان زعماء کے اصرار پر اس فیصلہ کو پریوی کونسل میں اس خیال سے چیلنج کر دیا گیا کہ شاید وہاں سے ایسی فرقہ وارانہ منافرت اور اشتعال انگیزی کے خلاف مسلمانوں کو کوئی دادرسی مل سکے' لیکن یہ خیال خام نکلا اور پریوی کونسل نے مذہبی اشتعال انگیزی پر اظہار رائے کے بغیر ہی اپیل ۵ نومبر ۱۹۲۹ء کو نامنظور کر دی۔ جب یہ فیصلہ غازی علم الدین کو سنایا گیا تو وہ خوشی سے چیخ اٹھے اور کہا۔

"اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی اور کیا ہوگی کہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہو رہی ہے اور بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضری کی سعادت سے بھی مجھے سرفراز کیا جا رہا ہے۔"

ہنگامہ دار و رسن برپا ہونے سے دو دن قبل جب ان کا غمگسار دوست شیدا ان سے ملاقات کے لیے میانوالی جیل پہنچا تو اسے غمگین دیکھ کر علم الدین نے کہا۔ "یار آج تجھے تو میری طرح خوش ہونا چاہیے' اپنے آقا ﷺ کے نام پر کٹ مرنا ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی آرزو ہے اور اللہ پاک کی یہ کتنی بڑی کرم نوازی ہے کہ ہزاروں لاکھوں

مسلمانوں میں سے اپنے اس حقیر بندے کے ہاتھوں اس ناپاک شیطان کو ختم کرایا اور دیکھو رسول کریم ﷺ پر قربان ہونے کی میری دلی مراد بھی پوری ہو رہی ہے۔ اس لیے تمام مسلمان بھائیوں تک میری یہ بات پہنچا دو کہ وہ میری موت پر غم نہ کریں بلکہ میرے لیے دعائے خیر کریں۔"

والدین اور عزیز و اقارب سے آخری ملاقات کے موقع پر اپنی والدہ سے کہا کہ وہ ان کا دودھ بخش دے۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہنے لگے۔ "ماں دیکھ تو کتنی خوش نصیب ہے کہ تیرے بیٹے کو شہادت کی موت مل رہی ہے۔ مجھے تو ہنسی خوشی رخصت کرنا چاہیے۔" پھر علم الدین نے پیالہ سے پانی پیا اور اسی پیالے سے اپنے عزیزوں اور والد طالع مند کو بھی پانی پلا کر پوچھا کہ انہیں بھی اس سے ٹھنڈک پہنچی ہے! سب نے جب اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگے: "مجھے تو جگر تک ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے۔" پھر ان سب سے کہا کہ کوئی ان کی موت پر آنسو نہ بہائے ورنہ انہیں اس سے تکلیف ہو گی۔

جیل کے حکام کو وصیت نامہ میں اپنے عزیزوں کے لیے یہ بات بطور خاص لکھوائی کہ ان کے سولی پر چڑھنے سے وہ بخشے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا حقدار ہو گا اور انہیں تاکید کی کہ وہ نماز نہ چھوڑیں اور زکوٰۃ برابر ادا کریں اور شرع محمدی ﷺ پر قائم رہیں۔

انجام کار ۳۱ نومبر ۱۹۲۹ء کو وہ دن آ پہنچا جس کے لیے علم الدین کی جان بے تاب تڑپ رہی تھی۔ رات اس جوان شب زندہ دار نے ذکر الٰہی اور تہجد میں گزار دی اور طلوع سحر پر انتہائی خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز فجر ادا کی تو فرشتہ اجل مجسٹریٹ' داروغہ جیل اور مسلح سپاہیوں کے ہمراہ استقبال کے لیے کوٹھڑی کے دروازے پر موجود تھا۔ مجسٹریٹ نے اس مرد غازی سے پوچھا: "کوئی آخری خواہش؟" تو کہا: "صرف دو رکعت نماز شکرانہ کی مہلت۔" اجازت ملنے پر سجدہ شکر ادا کرنے کے بعد داروغہ جیل سے مخاطب ہوئے' جس کی آنکھ بھی آج خلاف معمول نم ناک تھی اور کہا: "گواہ رہنا! ایک پروانہ رسول کے شوق شہادت اور آخری سجدۂ نماز کے۔" اور پھر سرخوشی کے عالم میں ان کے ساتھ سوئے دار چل پڑے۔ اس وقت جیل کے قیدی اپنی اپنی کوٹھڑیوں اور بارکوں میں اس فدائی رسول کی آخری جھلک دیکھنے کے لیے تعظیماً ایستادہ کھڑے تھے اور ساری جیل درود و سلام کے سرمدی نغموں سے گونج رہی تھی۔ رفیقان زنداں کو الوداع

اور سلام آخر کہتے ہوئے مقتل میں پہنچ کر جب تختہ دار کو دیکھا تو فرط مسرت سے جھوم اٹھے اور زبان حال سے کہا:

عمر یست کہ افسانہ منصور کہن گشت
من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

پھر ساعت سعید کو قریب دیکھ کر تیزی سے تختہ دار کی طرف بڑھے اور وارفتگی شوق میں چاہا کہ پھانسی کے پھندے کو' جو وصال حبیب خدا ﷺ کا مژدہ جانفزا لے کر نمودار ہوا تھا' خود اپنے ہاتھوں سے گلے میں ڈال لیں' لیکن اسے خلاف شریعت جان کر فوراً رک گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا:

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اس طرح وہ شہید عشق و محبت شاداں و فرحاں اپنے آقا و مولا کے دامان رحمت میں پہنچ گیا لیکن اس وقت جیل کے در و دیوار پر ایک مہیب سناٹا اور سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ جیل کے حکام نے اپنے افسران بالا کے ایما پر علم الدین شہید کی نعش کو ان کے والد اور عزیز و اقارب اور سینکڑوں مسلمانوں کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا جو جیل سے باہر اسے لے جانے کے لیے منتظر کھڑے تھے۔ اس بے تدبیری اور سہل انگاری کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے۔

لیکن نقص امن کے اندیشہ کے پیش نظر جیل کے کارندوں نے حکومت کی خفیہ ہدایات پر شہید نبوت کی لاش کو نہایت خاموشی کے ساتھ عجلت میں جیل کے احاطہ میں عام قیدیوں کے قبرستان کے اندر دفن کر دیا' جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لاہور اور دوسرے شہروں میں ہڑتالیں شروع ہوئیں۔ کاروبار معطل ہو گیا۔ برہنہ پا اور برہنہ سر ماتمی جلوس نکلنے لگے اور مسلمانوں میں شدید ہیجان پیدا ہو گیا۔ اس پر اکابرین ملت جن میں علامہ اقبال پیش پیش تھے' سر محمد شفیع' جناب محسن شاہ والد محترم جناب جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ چیف جسٹس پاکستان اور دوسرے قائدین کے ہمراہ گورنر سے ملے اور اپنے جواں سال شہید کی لاش کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جو اس یقین دہانی پر کہ وہ امن عامہ برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہوں گے' حکومت نعش ان کے حوالہ کرنے پر رضامند ہو گئی چنانچہ تدفین کے تیرھویں دن مسلمان مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنروں کی

موجودگی میں شہید کی میت قبر سے نکالی گئی۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ کئی دن گزر جانے کے باوجود لاش صحیح اور سالم حالت میں موجود تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی آنکھ لگی ہے۔

۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو سارے شہر اور اس کے گردو نواح سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا ایک سیل بے پناہ فدائی رسول کے استقبال کے لیے رواں دواں تھا اور ہر طرف سے گل پاشی اور عرق گلاب کی بارش ہو رہی تھی۔ ہر ایک کے لبوں سے درود و صلوٰۃ کی صدائے دل نواز بلند ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے اتنی خلقت لاہور نے کسی اور جنازے میں کہاں دیکھی تھی! شہید کی میت جب جناز گاہ پہنچی تو طالع مند نے اپنے لخت جگر کی نماز جنازہ کی امامت کا حق وقت کے سب سے بڑے عاشق رسول ﷺ علامہ اقبال کو یہ جانتے ہوئے سونپ دیا کہ دراصل یہ ان ہی کا حق ہے۔ علامہ پر ایک عجیب رقت طاری تھی انہوں نے اس دینی فریضہ کی ادائیگی کے لیے کسی اور بزرگ کا نام تجویز کیا۔ لیکن وہ اس ہجوم بے کراں میں گم تھے، اس لیے مسجد وزیر خاں کے خدا ترس خطیب مولانا محمد شمس الدین کا نام تجویز ہوا۔ جنھوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا ظفر علی خاں نے اس شہید رسالت کی لحد میں تدفین سے قبل اتر کر کہا: "کاش یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی۔" شہید کے لاشے کو اشکبار آنکھوں سے اقبال جیسے شیدائی رسول نے اتارا۔ اس طرح مرقد کے شبستان کو جگمگا کر اس جواں سال شہید نے حیات ملی کو تب و تاب جاودانہ بخش دی، جس کے صلہ میں اسے شہادت کا رتبہ بلند نصیب ہوا جس پر علامہ کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔ "یہ جوان ہم سب پڑھے لکھوں سے بازی لے گیا۔" (۱۵)

غازی علم الدین شہید نے قوت عشق سے یہ ثابت کر دکھایا کہ جہاں اقتدار یا قانون ناموس مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ میں ناکام ہو جائیں، وہاں مسلمان اپنی جان دے کر عزو ناموس رسالت کی حفاظت کرتا رہے گا۔

غازی علم الدین شہیدؒ کا کارنامہ حیات

عاشق رسول غازی علم الدین شہید کی یاد میں منعقدہ ایک تقریب میں مقررین نے مطالبہ کیا کہ غازی علم الدین کی شخصیت اور کارناموں سے نئی نسل کو روشناس کرانے کے لیے درسی نصاب میں شامل کیا جائے۔ ایک ایسے عہد میں، جب کہ مسلمان مظلوم و مقہور

قوم کی حیثیت سے قومی بقا کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ اغیار نے انہیں قومی تشخص سے محروم کرنے کی جو منظم سازش تیار کی' اس میں اہانت و تنقیص رسول پر مبنی کتب و مضامین کی اشاعت کا منصوبہ شامل تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان کے بدن سے روح محمد ﷺ نکالے بغیر اسے کسی نئے نظام کا خوگر اور استعمار کی غلامی پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ غازی علم الدین ان غیرت مند مسلمانوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے جان کی پرواہ کیے بغیر توہین رسول ﷺ کے مرتکب ایک ملعون شخص کو کیفر کردار تک پہنچا کر قوم کے اجتماعی ضمیر کی نمائندگی کی اور اسلام دشمن قوتوں کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ مسلمانوں کے اخلاق و کردار پر شب خون مارنے کے لیے یہ سودا بہت مہنگا ہے' چنانچہ برعظیم میں توہین رسالت کا راستہ بند ہو گیا۔ اس نقطہ نظر سے یہ مطالبہ جائز اور ایمانی تقاضوں کے عین مطابق ہے کہ غازی علم الدین کے کارناموں کو درسی نصاب میں شامل کیا جائے۔ تاکہ نئی نسل ایک سچے عاشق رسول ﷺ کے جذبہ عقیدت و اخلاص سے روشناس ہو سکے اور قوم میں حب رسول کا وہ جذبہ پیدا ہو سکے جس کی موجودگی میں کسی شاتم رسول ﷺ کو ذات رسالت مآب ﷺ کے بارے میں کسی گستاخی کی جرات نہ ہو۔(۱٦)

غازی عبدالقیوم شہید

غازی عبدالقیوم کا واقعہ شہادت بڑا ہی ایمان افروز واقعہ ہے۔ اس نوجوان مرد مجاہد کا تعلق غازی آباد ضلع ہزارہ کے ایک غریب گھرانے سے تھا لیکن کسے خبر تھی کہ ایک دن تخت ہزارہ کی شہ نشینی سے بھی اونچا مرگ باشرف کا رتبہ شہادت اسے نصیب ہو گا۔ اپنے گاؤں سے وہ تلاش روزگار میں کراچی آیا' جہاں اسے رزق حلال کے لیے گھوڑا گاڑی مل گئی' جس کی آمدن سے وہ اپنی بوڑھی ماں' بیوہ بہن اور ضعیف چچا اور نوبیاہتا بیوی کی کفالت کر رہا تھا۔ فجر اور عشاء کی نماز وہ اپنے محلّہ کی مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز امام مسجد نے اہل مسجد کو اشکبار آنکھوں سے بتلایا کہ ایک خبیث ہندو نتھو رام نے آقائے نامدار ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ غازی عبدالقیوم نے جب یہ بات سنی تو تڑپ اٹھا اور اس کے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔ اسی وقت اس نے صحن مسجد میں اپنے رب سے عہد کیا کہ وہ اس کافر کمینہ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

یہ نتھو رام آریہ سماجی ہندو تھا' جس نے سال 1933ء میں "ہسٹری آف اسلام"

(History Of Islam) نامی ایک کتاب لکھی جس میں اس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذات اقدس کو ہدف تنقید و ملامت بنایا اور شان رسالت میں گستاخانہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے تھے۔ جس سے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوا اور سارے شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حکومت نے نقص امن کے اندیشہ سے ملزم کے خلاف فوجداری مقدمہ قائم کر کے اسے ایک سال قید اور جرمانہ کی سزا دی لیکن مارچ 1934ء میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل پر کراچی کے جوڈیشل کمشنر نے اس کی عبوری ضمانت منظور کر لی۔ نتھو رام کا مقدمہ سماعت کے لیے جس دن سندھ چیف کورٹ کے دو انگریز ججوں کی بنچ کے سامنے پیش ہونا تھا اس دن نتھو رام اپنے وکلاء اور ساتھیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا ہوا کورٹ روم میں داخل ہوا۔ عدالت کے باہر ہندو اور مسلمان بڑی تعداد میں فیصلہ سننے کے لیے کھڑے تھے۔ مقدمہ کی ساعت سے کچھ دیر قبل شہ عرب و عجم کا یہ نوخیز غلام عبدالقیوم کمرہ عدالت میں اس ہندو مصنف نتھو رام کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور اپنے شکار پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ موقع پاتے ہی اپنے نیفہ میں چھپا ہوا تیز دھار خنجر نکال کر عقاب کی طرح وہ اس پر جھپٹا اور اس ملعون کے پیٹ میں خنجر گھونپ کر اس کی آنتیں باہر نکال دیں۔ نتھو رام منہ کے بل زمین پر گر پڑا تو اس خیال سے کہ کہیں وہ زندہ بچ نہ جائے' اس نے اپنی پوری قوت سے ایک اور وار اس کی گردن پر کیا اور اس کی شہ رگ کاٹ دی۔ اس طرح اس خبیث کا کام تمام کرنے کے بعد نہایت اطمینان اور سکون سے اس نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ عدالت میں اس واقعہ سے بھگدڑ مچ گئی اور جج بھی اس اچانک واردات سے خوفزدہ اور سراسیمہ ہو گئے۔ عبدالقیوم کے مقدمہ قتل کے دوران جب ملزم کا بیان قلم بند کرتے ہوئے ایک انگریز جج نے اس مرد غازی سے دریافت کیا کہ اسے اس بھری عدالت میں اس طرح واردات کی جرات کیسے ہوئی؟ تو اس نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "تم اپنے بادشاہ کی توہین برداشت نہیں کر سکتا' ہم اپنے دین اور دنیا کے شہنشاہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کیسے معاف کر دیتا۔" اس موذی کو ہلاک کرنے کے بعد نہایت حقارت کے ساتھ اس کی لاش پر تھوکتے ہوئے اس نے کہا تھا: "اس خنزیر کے بچے نے میرے رسول کی توہین کی تھی' اس لیے میں نے اسے قتل کیا ہے۔" اس نے اپنی طرف سے وکیل صفائی پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ اقبال جرم پر سیشن کورٹ سے غازی عبدالقیوم کو

سزائے موت سنائی گئی تو وہ نوجوان مرد مجاہد اپنی خوشی اور مسرت ضبط نہ کر سکا اور بے اختیار اس کی زبان سے حمد و ثنا کی صدا بلند ہوئی۔ مسلمانوں نے جب اس فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہی تو اس نے ان سب کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا: "آپ لوگ مجھے دربار رسول ﷺ میں حاضری کی سعادت سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔" وہ اس شعر کی مجسم تصویر بنا ہوا تھا:

دل پہ لیا ہے داغ عشق کھو کے بہار زندگی
اک گل تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

فیصلہ جب توثیق کے لیے عدالت عالیہ کے سپرد ہوا اور اس مرد غازی کی خواہش کے خلاف قانون کی توضیح اور تشریح کے لیے اپیل دائر کر دی گئی تو اپیل کی سماعت کے دوران ہر پیشی پر اس محمد ﷺ کے غلام کے دیدار کے لیے مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم موجود ہوتا جو اس پر گل پاشی کیا کرتا تھا۔ بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور اسے بھی دوسرے غازیان ملت کی طرح سزائے موت سنائی گئی' جس کے لیے وہ بے چین اور مضطرب رہتا تھا۔ اور یہی پروانہ موت اس کے لیے حیات جاوید لے کر آیا۔ جب اس کو سزائے موت سنائی گئی تو اس نے ججوں سے مخاطب ہو کر کہا: "مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہے کہ میرے ہاتھوں وہ خبیث جہنم رسید ہوا اور میرے رب نے شہادت جیسی نعمت سے سرفراز کیا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے اگر ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو وہ سب میرے آقا اور مولا پر قربان ہیں۔ اس طرح اس مرد غازی کے لیے' جو کچھ عرصہ قبل عروس نو بیاہ کر لایا تھا' آج حوران جنت درہائے فردوس وا کیے استقبال کے لیے کھڑی تھیں۔

یہ بھی ایک عاشق کا جنازہ تھا' اس لیے بڑی دھوم سے نکلا اور ہزاروں مسلمان جب میوہ شاہ کے قبرستان اس شہید کے جنازے کو لے جا رہے تھے اور درود و سلام کے نغمات سے فضا گونج رہی تھی' ایسے میں حکومت افرنگ کے فرعون مزاج فوجیوں نے عشاقان ناموس رسول ﷺ کے اس ہجوم پر اچانک گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ جس کے نتیجہ میں سینکڑوں مسلمان شہید اور زخمی ہوئے معصوم عورتیں اور بچے جو مکانوں کی چھتوں سے اس خونیں کفن شہید کے لاشے پر گل پاشی کر رہے تھے' ان کی شقاوت کا نشانہ بنے اور اس دن وہ سب شہیدان ناموس رسالت اس فدائی رسول کے ساتھ جنت الفردوس میں زیر سایہ دامان رسالت پہنچ گئے۔

ان پے در پے واقعات سے مسلمانوں کے جذبات شدید مجروح ہوئے۔ وہ حکومت وقت سے توقع رکھتے تھے کہ ان کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے گا۔ لیکن اس کے غیر انسانی رویہ سے رنج و الم کے ساتھ ساتھ ان میں احساس محرومی پیدا ہوا تو علامہ اقبال کے ادراک و شعور اور فراست ایمانی نے ان کے اس اندرونی کرب و ملال کو محسوس کر کے انہیں حوصلہ دیا اور شہادت کی موت کی قدر و قیمت سے انہیں آگاہ کیا۔ "ضرب کلیم" میں ان ہی واقعات خونچکاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "لاہور اور کراچی" کے عنوان سے انہوں نے قوم کو یہ پیغام دیا:

لاہور اور کراچی

نظر اللہ پر رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے؟ "فقط عالم معنیٰ کا سفر"
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ
قدر و قیمت میں ہے خوں جن کا حرم سے بڑھ کر
آہ اے مرد مسلماں تجھے کیا یاد نہیں
حرف لا تدع مع اللہ الھا اخر!

غازی محمد صدیق شہید:

غازی محمد صدیق فیروز پور ضلع قصور کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے بڑے لاڈ پیار سے بیٹے کی پرورش کی اور ساتھ ہی ساتھ صحیح تربیت بھی۔ سال 1934ء میں نوخیز بچہ جب بیس برس کا ہوا تو اسے خواب میں رسول پاک ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور حکم ہوا کہ قصور کے ایک دریدہ دہن گستاخ پالا مل زرگر کا منہ بند کیا جائے۔ یہ بشارت ملتے ہی نوجوان غازی تڑپ کر بیدار ہوا تو اس کے ساتھ اس کا مقدر جاگ اٹھا۔ اس نے ماں کو یہ خوشخبری سنائی تو ماں نے خوشی سے لخت جگر کا ماتھا چوما اور شہادت گہ الفت کی طرف اسے روانہ کیا۔ قصور پہنچ کر اس مرد غازی نے اس گستاخ رسول پالا مل کو راستے ہی میں دبوچ لیا۔ اسے پچھاڑ کر اس کے سینہ پر سوار ہو گئے اور تیز دھار آلہ (رمبی) سے پے در پے وار کر کے اس موذی کو ہلاک کر دیا اور وہاں سے فرار ہونے کی بجائے قریب ہی مسجد میں جا کر سب سے پہلے نماز

شکرانہ ادا کی اور پھر مسجد کی سیڑھیوں پر اس شان اور تمکنت کے ساتھ بیٹھ گئے کہ کسی ہندو کو ان کے پاس آنے کی جرات نہ ہو سکی۔ فیروز مندی ان کے قدم چوم رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ مصرعہ

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اور فی الحقیقت اس سے بڑھ کر اور کیا کار نمایاں ہو سکتا تھا۔ جس پر مسرت اور شادمانی بھی ناز کرے کہ ایک شاتم رسول ان کے ہاتھوں سے جہنم رسید ہوا۔ حسب معمول انگریز کا قانون حرکت میں آیا اور اس مرد مجاہد کا مقدمہ سیشن کے سپرد ہوا۔ غازی موصوف کی جانب سے میاں عبدالعزیز مالوڈہ اور نو مسلم بیرسٹر خالد لطیف گابا نے مقدمہ کی پیروی کی۔ لیکن چونکہ آپ نے عدالت کے روبرو پوری جرات کے ساتھ اعتراف قتل کر لیا تھا' اس لیے سزائے موت سنائی گئی۔

آفرین ہے اس ماں پر جس نے ایسے پیکر جرات و ایثار کو جنم دیا اور آفرین ہے اس نوجوان مرد غازی پر جو اپنے آقا و مولا کے نام پر قربان ہو گیا۔ یہ فیصلہ سن کر ماں نے ایک بار پھر اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور کہا کہ یہ ایک بیٹا تو کیا' ایسے بیس بیٹے بھی ہوتے تو میں ان سب کو اپنے آقا کے نام پر قربان کر دیتی۔ بیٹے نے بھی یہی کہا کہ یہ ایک جان کیا چیز ہے ایسی ہزار جانیں میرے آقا کی خاک پر نثار ہیں۔ ہائی کورٹ نے سیشن جج کے فیصلہ کو بحال رکھا اور 6 مارچ 1935ء کو یہ پروانہ رسالت بھی درود و سلام کی سوغات لے کر اپنے آقا کے قدموں میں پہنچ گیا۔

غازی عبداللہ شہیدؒ :

یہ بھی تقسیم ہند سے قبل اغلباً 1943ء کا واقعہ ہے' ایک بدبخت سکھ چنچل سنگھ شیخوپورہ کے گرد و نواح میں نبی کریم ﷺ کے خلاف یاوہ گوئی کر کے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتا پھرتا تھا۔ قصور کے رہنے والے ایک جیالے جوان عبداللہ کو سرکار رسالت مآب ﷺ نے خواب میں حکم دیا کہ وہ اس گستاخ کا منہ بند کرے۔ چنانچہ کسی سے اس خواب کا ذکر کئے بغیر وہ شوریدہ سر آتش بجاں اٹھ کھڑا ہوا اور اس مردود کی تلاش میں نکل پڑا۔ معلوم ہوا کہ وہ خبیث وارث شاہ کے گاؤں جنڈیالہ شیر خاں میں رہتا ہے' جو اس وقت سکھوں کا گڑھ تھا۔ بستی کے قریب پہنچ کر مزید دریافت پر پتہ چلا کہ وہ اپنے

کنویں پر بیٹھا کسی کام میں مشغول ہے۔ اس کے قریب ہی سکھوں کا جتھہ مصروف گفتگو تھا۔ غازی عبداللہ نے ایک نظر میں اس دشمن دیں کو پہچان لیا۔ انہیں محسوس ہوا کہ ان کے جسم میں غیر معمولی طاقت بجلی بن کر دوڑ رہی ہے۔ چلچل سنگھ پر وہ جھپٹ کر حملہ آور ہوئے اور اسے پچھاڑ کر اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے اور پوری قوت سے اس کی شہ رگ کاٹ دی اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس ناگہانی حملہ کو دیکھ کر پاس بیٹھے ہوئے سکھ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن یہ مرد غازی اپنے آقا کے فرمان کی تعمیل کے بعد اس مردود کے لاشہ سے اٹھا اور وہیں رب کے حضور سربسجود ہوا کہ اس نے اس مہم کو کامیاب فرما کر اسے سرفرازی بخشی اور سرخرو کیا۔

موقع واردات پر جب پولیس پہنچی تو اس مرد مجاہد کو وہیں پر موجود پایا۔ جس کے لبوں سے درود و صلوٰۃ کے نغمات نکل کر فضا میں تحلیل ہو رہے تھے۔ چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ پولیس نے گرفتار کر کے دلی مراد پوری کر دی۔ شیخوپورہ کے معروف وکیل ملک انور مرحوم نے مقدمہ کی پیروی کی تھی لیکن چونکہ غازی عبداللہ نے عدالت کے روبرو اعتراف جرم محبت کر لیا تھا' اس لیے سزائے موت سنائی گئی تو ایک مرتبہ پھر سجدہ شکر بجا لائے کہ انہیں بھی شہیدان رسالت کی صف میں جگہ مل رہی ہے' جس پر جتنا بھی فخر و ناز کیا جائے' کم ہے۔ بالاخر اس شہید ناز کو بھی بارگاہ مصطفوی ﷺ میں باریابی کی سعادت نصیب ہوئی۔ (18)

غازی عبدالرشید شہید اور دیگر شہیدان ملت:

غازی عبدالرشید شہید کا نام نامی بھی سرفروشان ملت میں ہمیشہ نمایاں رہے گا' جس نے آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کے چیلے سوامی شردھانند جیسے خبیث شاتم رسول کو دہلی میں موت کے گھاٹ اتارا اور راہ عشق رسول ﷺ میں اپنی جان نثار کر کے بارگاہ نبوت میں سرخرو اور سرفراز ہوا۔

اس مرد مجاہد کے علاوہ تلہ گنگ کے غازی محمد شہید' چکوال کے غازی مرید حسین اور محمد منیر شہید کے نام بھی جانثاران مصطفیٰ ﷺ کی فہرست میں شامل ہیں' جنہوں نے توہین رسالت کے مجرموں کو' جو آریہ سماجی تنظیم کی پیداوار تھے' تہ تیغ کر کے جام شہادت نوش کیا اور عشق رسالت مآب ﷺ کی داستان خونچکاں کو رنگین تر کرتے چلے

گئے۔(19)

ایک گمنام شہید رسالت اور سر محمد شفیع:

نام و ناموس مصطفیٰ ﷺ پر نذرانہ دل و جاں پیش کرنے والے گمنام شہیدوں کی تعداد ساری دنیا میں یوں تو ستاروں کی مانند بے حد و حساب ہے۔ ان خون کے چھینٹوں سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں۔ میرے بعد آنے والا کوئی محقق ان کے بارے میں بھی تفصیلات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے گا۔ ان میں ایک گمنام شہید کا واقعہ لاہور ہائی کورٹ سے متعلق ہے' جس نے اس دور کے انگریز ججوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔

تقسیم ہند سے قبل کا واقعہ ہے۔ ایک انگریز میجر کی بیوی نے اپنے مسلمان خانساماں کے سامنے حضور ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کیئے' جس پر اس مرد غیرت مند نے اسی وقت اس انگریز میم کا کام تمام کر دیا۔ یہ مقدمہ جب لاہور ہائی کورٹ پہنچا تو ڈویژن بنچ میں دو انگریز جج اس مقدمہ کی سماعت کر رہے تھے۔ ملزم کی جانب سے اس وقت پنجاب کے سیاسی رہنما اور ممتاز قانون داں میاں سر محمد شفیع' جو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن بھی تھے' مقدمہ کی پیروی کر رہے تھے۔ یہاں ہمیں سر محمد شفیع کے سیاسی معتقدات سے بحث نہیں' بلکہ سرکار دربار میں رسائی کی باوجود ان کی دینی حس کو بتلانا مقصود ہے۔ اس مقصد میں دوران بحث میاں محمد شفیع کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' جس پر مقدمہ کی سماعت کرنے والے ججوں نے حیرت سے پوچھا: "سر شفیع! کیا آپ جیسے ٹھنڈے دل و دماغ کا بلند پایہ وکیل بھی اس طرح جذباتی ہو سکتا ہے؟" جس پر سر شفیع نے جواب دیا: "جناب آپ کو نہیں معلوم' ایک مسلمان کو اپنے پیغمبر کی ذات سے کتنی گہری عقیدت اور محبت ہوتی ہے۔ سر شفیع بھی اگر اس وقت وہاں ہوتا تو وہ یہی کر گزرتا جو اس ملزم نے کیا ہے۔" یہ واقعہ بھی راقم کو راجہ سید اکبر مرحوم نے سنایا تھا۔ افسوس کہ اس مرد مجاہد کا نام اور ان ججوں کے نام راجہ صاحب مرحوم کی یادداشت میں محفوظ نہیں تھے۔

یہ ان چند واقعات کی مختصر سی روئیداد ہے' جو برصغیر ہند میں برطانیہ کے استعماری دور استبداد میں رونما ہوتے رہے ہیں۔ انگریزوں نے ہندوستان میں جنگ آزادی کے دوران مسلمانوں کے جذبہ جہاد اور شوق شہادت کو دیکھا ہوا تھا' اس لیے وہ اس حساس

اور نازک مسئلہ پر مسلمانوں سے براہ راست الجھنے سے گریزاں تھے' لیکن پس پردہ وہ ہندوؤں کو شہ دیتے رہے اور شریر ہندو اپنی کمینہ فطرت اور خبث باطن کو چھپا نہ سکے اور انہوں نے ذات رسالت مآب ﷺ کے خلاف اس ناپاک مہم کو بڑے زور و شور سے چلانے کی کوشش کی' لیکن سرفروشان ملت کی ان بروقت قربانیوں سے ان کے عزائم پست ہو گئے اور انہیں بار بار اس قسم کے ذلیل اور سوقیانہ حملے کرنے کی جرات نہ ہو سکی کیونکہ انہیں یہ علم ہو گیا کہ مسلمانوں کا اجتماعی ضمیر زندہ ہے اور مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اور جس مقام پر ہو' وہ حضور رسالت مآب ﷺ کی شان میں ذرا سی گستاخی بھی برداشت نہیں کر سکتا اور اس کے لیے ہر وقت مرنے مارنے کو تیار اور مستعد رہتا ہے۔

پاکستان اور سرفروشان رسالت

پاکستان اور سرفروشان رسالت:

علامہ اقبال کی رجز خوانی سے مسلمانان پاکستان منزل مراد کی جانب گامزن ہوئے۔ ذات رسالت مآب ﷺ سے انہیں جو بے پناہ عقیدت و محبت تھی' اس سے کون واقف نہیں اور خود بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے لنکنز ان میں داخلہ اس لیے لیا تھا کہ وہاں دنیا کی قانون ساز شخصیتوں میں حضور ﷺ کی ذات گرامی انہیں سب سے نمایاں نظر آئی۔ دراصل یہ مملکت خداداد پاکستان مسلمان رہنماؤں اور اسلامیان برصغیر کے عشق رسول کا مظہر ہے' اس لیے یہاں اندیشہ نہ تھا کہ کوئی سرکار رسالت مآب ﷺ کی جناب میں گستاخی کا مرتکب ہوگا' لیکن جس طرح بچھو اپنی زہرناک فطرت سے نیش زنی پر مجبور ہے' اسی طرح پاکستان میں بھی ایسے مار آستیں چھپے ہوئے تھے' جنھوں نے ملت اسلامیہ کو رسول عربی ﷺ کی شان میں گستاخی کرکے ڈسنے کی کوشش کی' جس پر ملت کے غیرت مند نوجوانوں نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر اپنے پیش رو شہیدوں کی طرح شمع رسالت پر پروانہ نثار ہونے کے لیے جس جرات کا مظاہرہ کیا' اس کا تذکرہ تحفظ ناموس رسالت کے سلسلہ میں ازبس ضروری تھا' جو نذر قارئین ہے۔

غازی زاہد حسین:

سال 1961ء میں ایک عیسائی مبلغ پادری سیموئیل نے مغلپورہ ورکشاپ میں دوران تبلیغ آنحضور ﷺ کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ زاہد حسین اور اس کے ساتھیوں نے سیموئیل کو سختی سے منع کیا کہ وہ اپنی ہرزہ سرائی بند کرے' لیکن وہ شیطان اپنی شرارت سے باز نہ آیا۔ جس پر زاہد حسین نے مشتعل ہو کر اس گستاخ کا سر پھاڑ دیا' جس کے نتیجہ میں وہ بدبخت ہلاک ہو گیا۔ زاہد حسین نے عدالت کے روبرو اعتراف قتل کر لیا' جس پر اس کو اشتعال انگیزی کی بنا پر صرف جرمانہ کی سزا دی گئی۔ اس کے خلاف ہائی کورٹ میں نگرانی دائر کی گئی جو خارج ہوئی۔ اس مقدمہ کی پیروی ڈاکٹر جاوید اقبال ریٹائرڈ جج سپریم کورٹ نے کی جو اس وقت پیشہ قانون سے وابستہ تھے اور ان

کی معاونت برادر عزیز میاں شیر عالم نے کی تھی۔

سال 1964ء میں اس غازی زاہد حسین کو جب یہ معلوم ہوا کہ لاہور کی ایک عیسائی مشنری کی مشہور دکان پاکستان بائبل سوسائٹی انار کلی میں ایک رسوائے زمانہ کتاب "اثمار شیریں" فروخت ہو رہی ہے' جس میں رسول کریم ﷺ کے بارے میں توہین آمیز مواد موجود ہے۔ اس پر یہ مرد غازی ایک بار پھر تڑپ اٹھا اور اپنے معتمد ساتھی الطاف حسین شاہ کے ساتھ مل کر اس نے بائبل سوسائٹی کی اس دکان میں' جہاں یہ کتاب فروخت ہو رہی تھی' آگ لگا دی اور اس کے منیجر ہیکٹر گوہر مسیح پر الطاف حسین شاہ نے پستول سے قاتلانہ حملہ کر دیا لیکن وہ بال بال بچ گیا۔ عدالت کے سامنے جب یہ مقدمہ پیش ہوا تو ان دونوں نے بلا پس و پیش اقبال جرم کیا' جس پر علاقہ مجسٹریٹ نے دونوں کو تین تین سال سزائے قید سنائی اور ایڈیشنل جج لاہور نے اس سزا کو بحال رکھا۔ اس فیصلے کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں نگرانی دائر ہوئی۔ زاہد حسین کے عزیزوں کو جو اس مقدمے کی پیروی کر رہے تھے' خواب میں بشارت ہوئی کہ میاں شیر عالم ایڈووکیٹ کو ملزمان کی جانب سے وکیل مقرر کریں۔ چنانچہ ان کی جانب سے میاں شیر عالم اور استغاثے کی جانب سے مسٹر جری ریٹائرڈ پبلک پراسیکیوٹر پیش ہوئے۔ مقدمہ جب جسٹس شیخ شوکت علی کے سامنے پیش ہوا' تو فاضل جج نے مسٹر جری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اگرچہ کہ وہ خود ایک گنہگار مسلمان اور مذہبی رواداری کی حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں' لیکن اس کتاب میں پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں جو قابل اعتراض باتیں منسوب کی گئی ہیں' وہ ان کے لیے بھی ناقابل برداشت ہیں' جنہیں پڑھ کر ان کا خون بھی کھول رہا ہے۔" اس لیے انہوں نے ملزم کو مزید قید میں رکھنے سے انکار کر دیا اور حکومت کو ہدایت کی کہ وہ اس کتاب کو فوری طور پر ضبط کر لے۔

تحریک ناموس رسالت:

مسلم دل آزاری امت عیسیٰ کی صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کی وجہ سے ہزیمت خوردہ ذہنیت کی غماز تھیں' لیکن یہ بھی ایک اندوہناک حقیقت ہے کہ لاہور کے ایک اشتراکیت زدہ ایڈووکیٹ مشتاق راج نے سال 1983ء میں "آفاقی اشتمالیت" نامی ایک کتاب لکھی' جس کا انگریزی میں ترجمہ

(Heavenly Communism) کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ کتاب راقم الحروف کو جسٹس میاں صادق اکرام نے لا کر دی اور فرمایا کہ اس کا جواب دینا چاہئے مگر یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کتاب میں کیمونزم کا مذہبی نقطہ نظر سے کس طرح جائزہ لیا گیا ہے' میں نے کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔

جیسے جیسے میں کتاب کو پڑھتا گیا' میری قوت برداشت جواب دیتی چلی گئی اور کتاب پڑھنے کے بعد مجھ پر غم و غصہ کی جو کیفیت طاری ہوئی' وہ ناقابل بیان ہے۔ کتاب میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمسخر کیا گیا تھا' بلکہ مذاہب اور ادیان کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ دینی پیشواؤں کو "مذہبی شیطان" کہا گیا۔ انبیائے کرام پر نہایت گھٹیا اور سوقیانہ حملے کیے گئے اور انتہا یہ کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی جناب میں بھی گستاخی کی جسارت کی گئی۔ میں نے انتہائی صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس (پاکستان) کا ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ حسن اتفاق سے اس وقت عالم اسلام کے دو ممتاز سکالر ڈاکٹر ربیع المدخلی اور جناب سعید صالح پروفیسر اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ بھی پاکستان میں موجود تھے۔ انہوں نے بھی ہماری دعوت پر اس اجلاس میں علامہ احسان الٰہی ظہیر اور پاکستان کے دیگر علماء کے ساتھ شرکت کی۔ ان سب کی یہ رائے تھی کہ یہ انتہائی دل آزار کتاب ہے۔ میں نے اس اجلاس میں کتاب اور اس کے مصنف کے خلاف قرار داد مذمت پیش کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ کتاب کی ساری کاپیاں ضبط کر لی جائیں اور گستاخ رسول ﷺ کو سزائے موت دی جائے۔ اس قرار داد کو متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔ اس کے بعد راقم الحروف نے ایک ریزولیوشن لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن میں بھی پیش کیا کہ مشتاق راج کی بار ایسوسی ایشن سے رکنیت فوری ختم کر دی جائے اور اس کی پریکٹس کا لائسنس ضبط کرنے کے لیے بار کونسل کو تحریک کی جائے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ اسے عبرتناک سزا دی جائے' جس کو پاکستان کی مقتدر بار ایسوسی ایشن نے اپنے ہنگامی اجلاس میں' جس میں پانچ سو سے زائد اراکین موجود تھے' متفقہ طور پر منظور کر لیا اور اسے بار ایسوسی ایشن سے خارج کر دیا گیا' جس پر مشتاق راج چراغ پا ہو کر دشنام طرازیوں پر اتر آیا اور اس نے پریس کو ایک بیان جاری کیا' جس میں عذر گناہ پیش کرتے ہوئے مجھے اور ان تمام ساتھیوں اور معزز اراکین بار کو جنھوں نے متفقہ طور پر اس قرار داد کو منظور کیا تھا' "بہیمانہ جذبات کے علم بردار" اور "موروثی جہالت کے

وارث" کے خطابات سے نوازا' جس سے اس کی بوکھلاہٹ صاف ظاہر ہوتی تھی اور اس طرز تخاطب سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ موصوف کو گالیاں دینے کا سلیقہ بھی نہیں۔

ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس اور لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی قرار داد کے بعد حکومت نے یہ کارروائی کی کہ مشتاق راج کی کتاب "آفاقی اشتمالیت" کو ضبط کر لیا۔ ہم نے مصنف کے خلاف قانونی کارروائی کے لیے انار کلی پولیس اسٹیشن لاہور میں رپٹ درج کرائی' جس پر پولیس نے مشتاق راج کے خلاف "توہین مذہب" کے جرم میں زیر دفعہ 295 الف تعزیرات پاکستان مقدمہ درج کر لیا کیونکہ تعزیرات پاکستان میں "توہین رسالت" جیسے سنگین اور انتہائی دل آزار جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی۔ ابتدائی رپورٹ کے باوجود مشتاق راج کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی' جس کی وجہ سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کی تحریک پر تمام مکاتیب فکر شیعہ' سنی' دیوبندی' بریلوی اور اہل حدیث کے مقتدر علماء اور ممتاز قانون دانوں کی کانفرنس اسی سال 1983ء میں منعقد ہوئی' جس میں ورلڈ اسلامک مشن کے نائب صدر مولانا عبدالستار خان نیازی جمعیت اہل حدیث کے سربراہ علامہ احسان الٰہی ظہیر فقہ جعفریہ کے معروف مجتہد جناب علی غضنفر کراروی' جمعیت علمائے اسلام کے نامور عالم دین مولانا محمد اجمل خان' علوم اسلامی کے ممتاز سکالر مولانا سید محمد متین ہاشمی اور دیگر لائق احترام دینی رہنماؤں نے شرکت کی۔ تلاوت کلام مجید کے بعد جناب مظفر وارثی نے جن کا شمار صف اول کے نعت گو شعراء میں ہوتا ہے' بارگاہ رسالت میں ہدیہ نعت پیش کیا اور اس سے قبل انہوں نے ایک قطعہ پڑھا جو فی الحقیقت شرکائے کانفرنس کے دل کی آواز تھی' جسے سن کر سب بے قرار ہو گئے۔ قطعہ حسب ذیل ہے:

نہیں بنا کوئی قانون اب تک ایسا مگر
تو آج بھیک میں دے دو ہمیں خدا کے لیے
کوئی خدا کو نہیں مانتا نہ مانے مگر
سزائے موت ہو گستاخ مصطفیٰ ﷺ کے لیے

اس کانفرنس میں علمائے دین' قانون دان حضرات اور شرکائے کانفرنس نے حکومت سے متفقہ طور پر مطالبہ کیا کہ اسلام میں توہین رسالت کی سزا سزائے موت ہے۔ اس لیے گستاخ رسول ﷺ کو سزائے موت دی جائے۔ پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب

انوار الحق اور لاہور ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج جناب ذکی الدین پال نے بھی اس مطالبہ کی تائید اور حمایت کی۔ پاکستان کے قومی اخبارات جن میں روزنامہ "جنگ" "نوائے وقت" "مشرق" اور "امروز" قابل ذکر ہیں' نے نہ صرف اس مطالبہ کے حق میں مقالات شائع کیے' بلکہ اداریے بھی لکھے۔ بالاخر اسلامی نظریاتی کونسل نے ہماری قرارداد اور اسلامیان پاکستان کے اس مطالبہ کا نوٹس لیا۔ شیخ غیاث محمد سابق اٹارنی جنرل کی تحریک پر کونسل نے حکومت سے سفارش کی کہ توہین رسالت اور ارتداد جیسے جرائم کی سزا سزائے موت مقرر کی جائے۔ اس کے باوجود حکومت وقت نے اس نازک مسئلہ کو مستحق توجہ نہ سمجھا جس کی وجہ سے وکلاء اور بالخصوص نوجوانوں میں اضطراب اور ہیجان بڑھنے لگا۔ لاہور کے نوجوانوں کا ایک گروہ انتہائی مشتعل حالت میں میرے پاس پہنچا۔ ان میں سے دو نوجوانوں کے نام جو ذہن میں محفوظ رہ گئے وہ یہ ہیں: طارق طفیل اور محمد خلیل بھٹی۔ ان سب نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس ملعون شخص کی نشاندہی کروں' جس نے ان کے آقا اور مولا کی شان میں ایسی گستاخی کی جسارت کی ہے۔ وہ ایسے شخص کے وجود کو ایک لمحے کے لیے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ میں نے انہیں سمجھانے بجھانے کی کوشش کی لیکن ان کے اصرار اور اضطراب کو دیکھ کر غالب کی ہم نوائی پر مجبور ہو گیا۔

"یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟"

مجھ سے کوئی تسلی بخش جواب نہ پاکر سرفروشوں کا یہ گروہ مشتاق راج کی تلاش میں نکل پڑا۔ حکومت کو بھی اس کی اطلاع مل گئی تھی' اس لیے اس خطرہ کے پیش نظر پولیس نے مشتاق راج کو گرفتار کر لیا۔ جب ان نوجوانوں کو یہ معلوم ہوا کہ مشتاق راج کو حراست میں لے لیا گیا ہے' تو وہ پھر میرے پاس واپس آئے اور دھاڑیں مار کر رونے لگے کہ وہ شہادت جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم ہو گئے۔ مشتاق راج کی گرفتاری کے بعد ایک عجیب تر واقعہ رونما ہوا۔ مشتاق راج کے چند ساتھیوں نے لاہور ہائی کورٹ میں اس کی ضمانت کے لیے درخواست پیش کی جس کی وجہ سے وکلاء سخت برہم ہو گئے۔ رشید مرتضیٰ قریشی' محمد شاہ نواز خان اور محمد عبدالعزیز قریشی ایڈووکیٹ اتنے بے قابو ہو گئے کہ ایک مرحلہ پر وہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔ وکلاء کی ایک کثیر تعداد درخواست ضمانت کی مخالفت کے لیے مسٹر جسٹس میاں اسلم کی عدالت میں پیش ہوئی۔ ہم نے قانونی دلائل پیش کرتے ہوئے درخواست ضمانت کو مسترد کرنے پر زور دیا۔ ابھی یہ بحث جاری

تھی کہ اتنے میں شیر پیشہ قانون رشید مرتضیٰ قریشی ایڈووکیٹ روسٹرم کی طرف بڑھے۔ ان کی گھن گرج سے سارا کمرہ عدالت گونج اٹھا اور دفعتاً ایسا جوش اور جذبہ بے اختیار کا طوفان اٹھ آیا جس نے ایک بار پھر مولانا محمد علی جوہر کی خالق دینا ہال کراچی والے مقدمہ بغاوت کی یاد از سر نو تازہ کر دی۔ شاید حالات کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا' لیکن اس وقت کے ایڈووکیٹ جنرل اور موجودہ جج لاہور ہائی کورٹ جسٹس راشد عزیز خان نے ہائی کورٹ کو بتلایا کہ حکومت پنجاب نے مشتاق راج کا مقدمہ عام فوجداری عدالت سے واپس لے کر ملٹری کورٹ کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ مشتاق راج کے وکلاء نے بھی عافیت اسی میں سمجھی کہ اس کی درخواست ضمانت واپس لے لی جائے اس لیے موصوف جیل سے باہر نہ آسکے۔ جیل کے اندر جب قیدیوں کو یہ معلوم ہوا کہ ان میں ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جس نے سرکار رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے تو وہ بھی اسے مارنے کے لیے دوڑے۔ اس لیے وہاں پر بھی اسے قیدیوں سے علیحدہ کوٹھڑی میں رکھا گیا۔

مسلمانوں کے ان مشتعل جذبات اور احساسات کے باوجود حکومت وقت نے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اگرچہ اس وقت کے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے علماء کنونشن منعقدہ 21 اگست 1981ء میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ اور ان کے صحابہ کرام یا دیگر مذہبی اکابرین کے متعلق ہتک آمیز' گستاخانہ تحریر و تقریر کی حوصلہ شکنی کے لیے جلد ہی ضروری قانون بنایا جائے گا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سخت سزا مقرر کی جائے گی۔ اس یقین دہانی کے باوجود اس سلسلہ میں کوئی قانون سازی نہیں کی گئی۔ بالآخر راقم الحروف نے وفاقی شرعی عدالت میں صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق اور تمام صوبوں کے گورنروں کے خلاف پٹیشن دائر کی' جس میں کہا گیا کہ تعزیرات پاکستان میں پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں گستاخی' اہانت' توہین' تنقیص جیسے سنگین اور ناقابل معافی جرم کے بارے میں کوئی سزا مقرر نہیں' اس لیے توہین رسالت اور توہین مذہب کے جرائم کی سزا قرآن اور سنت کی روشنی میں سزائے موت مقرر کی جائے۔ یہ درخواست ایک سو پندرہ سربرآوردہ مسلمان شہریوں کی جانب سے دائر ہوئی جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء کرام' سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے جج صاحبان' سابق وزرائے قانون' سابق اٹارنی جنرل' ایڈووکیٹ جنرل اور ممتاز قانون دان شامل ہیں۔ جن میں سے

چند کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

مولانا عبیداللہ انور مرحوم صدر جمعیت علمائے اسلام' مولانا عبدالستار خان نیازی نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن' مولانا سید عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد لاہور و صدر مجلس علمائے پاکستان' مولانا مفتی محمد حسین نعیمی ناظم دارالعلوم جامعہ نعیمیہ' علامہ احسان الٰہی ظہیر صدر جمعیت اہل حدیث' جناب سید علی غضنفر کراروی' نائب صدر مجلس تحفظ حقوق شیعہ' مولانا محمد اجمل مرکزی نائب صدر جمعیت علمائے اسلام' مولانا گلزار احمد مظاہری صدر جمعیت اتحاد علمائے پاکستان' سید افضل حیدر صدر لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن' چودھری محمد فاروق وائس چیئرمین پنجاب بار کونسل' جناب ایس۔ ایم ظفر سابق وزیر قانون' جناب بدیع الزمان کیکاؤس سابق جج سپریم کورٹ پاکستان' جناب بشیر الدین خان سابق چیف جسٹس پشاور ہائی کورٹ' جناب محمد صدیق سابق جج لاہور ہائی کورٹ' شیخ غیاث محمد سابق اٹارنی جنرل پاکستان' جناب جسٹس محمد عارف سابق ایڈووکیٹ جنرل' میاں شیر عالم سابق نائب صدر لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن' جناب افتخار علی شیخ جنرل سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ' جناب ملک عبدالکریم چیئرمین لا ریفارم کمیٹی پاکستان بار کونسل' جناب بدرالدین قادری پروفیسر یونیورسٹی لا کالج' ڈاکٹر ظفر علی راجا سیکرٹری جنرل ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس' ملک وقار سلیم صدر ینگ لائرز فورم' جناب شیخ مقبول احمد سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان اور دیگر معززین جن کے نام طوالت کے خوف سے درج نہیں ہو سکے۔

یہ پٹیشن وفاقی شرعی عدالت کی فل بینچ کے سامنے جو چیف جسٹس شیخ آفتاب حسین' جسٹس فخر عالم' جسٹس چودھری محمد صدیق' جسٹس ملک غلام علی اور جسٹس عبدالقدوس قاسمی پر مشتمل تھا' 18 جولائی 1983ء کو پیش ہوئی۔ فاضل عدالت نے ابتدائی بحث کی سماعت کے بعد اٹارنی جنرل پاکستان اور تمام صوبوں کے ایڈووکیٹ جنرلز کے نام نوٹس جاری کر دیئے اور پٹیشن برائے سماعت منظور کر لی۔ اس کے بعد پھر پٹیشن کی باقاعدہ سماعت اسی فیڈرل شریعت کورٹ کی فل بینچ نے کی' جو چیف جسٹس جناب گل محمد خان' جسٹس جناب فخر عالم' جسٹس مولانا عبدالقدوس قاسمی' جسٹس مفتی شجاعت علی قادری اور جسٹس جناب فخرالدین ایچ شیخ پر مشتمل تھا۔ اس کی سماعت 13 نومبر کو شروع ہوئی اور 21 نومبر 1985ء تک مسلسل روزانہ جاری رہی پٹیشن پر بحث کا آغاز راقم الحروف کے دلائل

سے شروع ہوا۔ اس پٹیشن کی تائید میں تمام اسلامی مکاتب فکر کے علماء نے جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں' پیش ہوئے۔

پاکستان کے ممتاز ریسرچ اسکالر مولانا سید محمد متین ہاشمی مرحوم' معروف شیعہ عالم علامہ غضنفر علی کراروی' اہل حدیث مکتب فکر کے اسکالر مولانا حافظ صلاح الدین یوسف' اسلامی اکیڈمی برطانیہ کے سربراہ ڈاکٹر خالد محمود' رئیس مجلس علماء پاکستان مولانا سید عبدالقادر آزاد' ادارہ منہاج القرآن کے سربراہ پروفیسر طاہر القادری' جامعہ المنتظر کے پرنسپل جناب مولانا محمد حسین اکبر اور پروفیسر عطا محمد نقوی' ان کے علاوہ ہندوستان سے ایک ممتاز شیعہ عالم اور مجتہد بھی تشریف لائے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے قائد امیر العظیم اور اسلامی تحریک محنت کے سربراہ جناب عبدالمجید قریشی بھی اس سلسلے میں اپنی گزارشات ہندوستان کے عالم دین کی گزارشات کے بعد پیش کرنا چاہتے تھے لیکن ان تینوں حضرات کو بوجوہ اپنے خیالات کے اظہار کا موقع نہ مل سکا۔ دوران سماعت ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ مولانا عبدالستار خان نیازی' اتحاد علماء کے صدر مولانا گلزار احمد مظاہری مرحوم' مولانا منظور احمد چنیوٹی' قائد تحریک ختم نبوت' پاکستان کے معروف محقق جناب سید ریاض الحسن نوری' ایران کے سکالر ڈاکٹر سہراب مالی' جامعہ اشرفیہ کے مہتمم مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک کاندھلوی مرحوم بھی موجود رہے۔ ان حضرات کے علاوہ پاکستان کے معروف قانون دان اور یونیورسٹی' کالجوں' دینی درسگاہوں کے اساتذہ کی کثیر تعداد عدالت میں آتی رہی۔ خاص طور پر جناب احسن علیگ مرحوم اور جناب فضل محمود روزانہ عدالت کی کارروائی کی سماعت کے لیے باقاعدگی سے آتے رہے۔

کمرہ عدالت کے باہر بھی بوڑھے بچے اور نوجوانوں کا ہجوم وقت عدالت کے ختم ہونے تک موجود ہوتا۔ اس پٹیشن کی سماعت کے دوران شیخ غیاث محمد سابق اٹارنی جنرل پاکستان' ریٹائرڈ جسٹس زیڈ۔بی کیکاؤس جج سپریم کورٹ' ڈاکٹر ظفر علی راجا ایڈووکیٹ و سیکرٹری جنرل ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس' ملک وقار عظیم ایڈووکیٹ چیئرمین ینگ لائرز فورم نے راقم الحروف' درخواست گزار کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا اور ڈاکٹر ظفر علی راجا نے شب و روز اس کیس کی تیاری میں راقم الحروف کی معاونت کی۔ فیڈرل گورنمنٹ کی جانب سے ڈاکٹر سید ریاض الحسن ڈپٹی اٹارنی جنرل' حکومت پنجاب کی جانب سے جناب خلیل رمدے ایڈووکیٹ جنرل پنجاب' حکومت سرحد کی جانب سے میاں اجمل

اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل اور صوبہ سندھ کے ایڈووکیٹ جنرل نے اپنی اپنی حکومتوں کا موقف پیش کیا۔ تمام علمائے کرام جنھوں نے بحث میں حصہ لیا۔ اپنے اپنے تحریری دلائل بھی عدالت میں داخل کیے۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے نمائندوں نے بھی بیک زبان اس کی تائید کی کہ شاتم رسول کی سزا قرآن اور سنت کی روشنی میں سزائے موت مقرر ہے لیکن دوران بحث ڈپٹی اٹارنی جنرل سید ریاض الحسن گیلانی نے یہ موقف اختیار کیا کہ گستاخ رسول کو پولیس یا عدالت سے رجوع کیے بغیر موقع پر قتل کر دیا جائے۔ پھر یہ عجیب نکتہ اٹھایا کہ تعزیرات پاکستان میں توہین رسالت کی سرے سے کوئی سزا ہی موجود نہیں جسے قرآن و سنت کے منافی قرار دیا جائے۔ اس لیے وفاقی شرعی عدالت کو اس پٹیشن کی سماعت کا اختیار ہی نہیں۔ راقم الحروف اور صوبائی حکومتوں کے تمام نمائندوں نے وفاقی حکومت کے دوسرے موقف کی تردید میں اپنے دلائل پیش کیے کہ فیڈرل شریعت کورٹ کو توہین مذہب کے بارے میں جو سزا مقرر ہے اس کے قانونی سقم کو' جو قرآن و سنت سے متصادم ہے' دور کر کے توہین رسالت کی سزا کو بطور حد جاری کرنے کے لیے حکومت کو یہ حکم دینے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔ عدالت نے فریقین اور معاونین علماء کے مبسوط دلائل کے سننے کے بعد اپنا فیصلہ محفوظ رکھا۔

اس کے بعد ماہ جولائی 1986ء میں ایک خاتون ایڈووکیٹ عاصمہ جہانگیر نے اسلام آباد میں منعقدہ ایک سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے معلم انسانیت حضور ختمی مرتبت ﷺ کے بارے میں ناخواندہ (Illiterate) اور تعلیم سے نابلد جیسے نازیبا اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے' جو سامعین اور تمام امت مسلمہ کی دل آزاری کا باعث تھے۔ جس پر راولپنڈی بار ایسوسی ایشن کے معزز اراکین میں سے عباد الرحمٰن لودھی اور ظہیر احمد قادری ایڈووکیٹ نے سخت احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ ان توہین آمیز الفاظ کو واپس لے کر اس گستاخی پر معافی مانگے لیکن اس کے انکار پر سیمینار میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جب یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی تو راقم الحروف کی تجویز پر ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس کا ایک غیر معمولی اجلاس لاہور میں منعقد ہوا' جس میں عاصمہ جہانگیر کی اس قابل اعتراض تقریر پر انتہائی غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ فوری طور پر توہین رسالت کی سزائے حد کو پاکستان میں نافذ کرے اور اس جرم کے مرتکب افراد کو قرار واقعی سزا دے ورنہ اس کے سنگین نتائج کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہو گی۔ راقم

الحروف کی درخواست پر لاہور میں وکلاء اور علماء کا ایک مشترکہ اجلاس ماہ جون 1986ء میں منعقد ہوا' جس میں تمام مکاتب فکر کے سربرآوردہ علماء اور ممتاز قانون دان حضرات نے شرکت کی اور متفقہ طور پر حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی۔

"ہم دین اور قانون سے وابستہ لوگ برملا اس کا اعلان کرتے ہیں کہ سرزمین پاکستان کا کوئی مسلمان اس ملک میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں کسی قسم کی اہانت آمیز بات کو کسی نوع برداشت نہیں کر سکتا اور نہ ہی سیکولر ذہن رکھنے والے عناصر کو یہ اجازت دینے کے لیے تیار ہے کہ وہ یہاں اپنی مذموم اور شرانگیز سرگرمیوں کو جاری رکھے اور فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش کرے۔ ہم واشگاف الفاظ میں ان عناصر کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کرنے سے باز آ جائیں ورنہ اس کے نہایت سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔"

اس قرارداد پر مولانا عبدالستار خان نیازی' علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید' علامہ غضنفر کراروی صدر اتحاد بین المسلمین' ڈاکٹر خالد محمود صدر جمعیت علمائے برطانیہ' میاں محمد اجمل قادری امیر انجمن خدام الدین' مولانا مفتی محمد حسین نعیمی ناظم دارالعلوم جامعہ نعیمیہ لاہور' مولانا عبدالمالک شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ منصورہ' مولانا گلزار احمد مظاہری مرحوم صدر جمعیت اتحاد علماء پاکستان اور دیگر علمائے کرام نے دستخط کیے۔ ان کے علاوہ ممتاز وکلاء نے بھی اس قرارداد پر اپنے دستخط ثبت کیے۔ جس کے بعد یہ قرارداد حکومت پاکستان' صوبائی حکومتوں اور اراکین قومی اسمبلی کو بھیجی گئی۔

عاصمہ جہانگیر کی اس قابل اعتراض تقریر کا نوٹس سب سے پہلے قومی اسمبلی میں اسلامی جذبہ سے سرشار خاتون ایم۔این۔اے محترمہ نثار فاطمہ نے لیا اور انہوں نے وہاں پوری قوت کے ساتھ آواز اٹھائی کہ عاصمہ جہانگیر کے ان توہین آمیز الفاظ کے خلاف حکومت فوری کارروائی کرے لیکن چونکہ اس وقت قانون میں توہین رسالت کے جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں تھی' اس لیے اس کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہ ہو سکی۔

اس بندہ عاجز کے مشورے سے قومی اسمبلی میں اسی مجاہدہ خاتون نثار فاطمہ نے ایک بل پیش کیا' جس میں توہین رسالت کی اسلامی سزا سزائے موت تجویز کی گئی لیکن اس وقت کے وزیر انصاف جناب اقبال احمد خان نے جن سے ہمارے پیشہ وکالت کے تعلق سے دیرینہ مراسم تھے' اس تجویز سے اختلاف کیا۔ ان کے خیال میں اس جرم کی کوئی سزا

قرآن میں مقرر نہیں۔ اس لیے انہوں نے اس بل کی حمایت سے معذرت کا اظہار کیا۔

حیرت اس بات پر ہوئی کہ وزیر موصوف علامہ اقبال جیسے عاشق رسول ﷺ کے نام سے منسوب مجلس اقبال کے رکن رکین بھی تھے۔ یہ معلوم کرکے اور بھی حیرت ہوئی کہ ان موصوف کے علاوہ مولانا وصی مظہر ندوی' جناب لیاقت بلوچ' شاہ بلیغ الدین اور کچھ اسلامی ذہن رکھنے والے اراکین اسمبلی بھی اس تجویز سے پوری طرح متفق نہیں۔ وہ حضرات بوجوہ صرف عمرقید کی سزا کو کافی سمجھتے تھے' جس پر محترمہ نثار فاطمہ اور اس فقیر نے فردا فردا ہم خیال اراکین اسمبلی سے مل کر ان کے سامنے قرآن و حدیث' ائمہ کرام اور اجماع امت کے فیصلے پیش کیے اور انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس بل کی حمایت کرکے اسے قومی اسمبلی سے منظور کرائیں۔ پھر ہمت مردانہ سے کام لیتے ہوئے محترمہ نثار فاطمہ نے جب یہ بل قومی اسمبلی میں پیش کیا تو اراکین کی اکثریت کو اس کی حمایت میں دیکھ کر کسی کو اس بل کی مخالفت کی جرات نہ ہو سکی اور بالآخر 2 اکتوبر 1986ء کو پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر اس بل کو منظور کر لیا۔ اس طرح رسول پاک ﷺ کے لیے اسلامیان پاکستان کا جذبہ محبت و عقیدت اور احترام غالب آکر رہا۔ حق سبحان تعالیٰ کا فضل بے پایاں اور نبی کریم ﷺ کا کرم خاص تھا کہ محترمہ بہن نثار فاطمہ اور اس فقیر کی حقیر کوششوں سے پاکستان میں پہلی مرتبہ توہین رسالت کے جرم کی سزا' سزائے موت مقرر ہوئی اور تعزیرات پاکستان میں دفعہ 295 (ج) کا اضافہ کیا گیا لیکن اس دفعہ میں پھر بھی ایک سقم باقی رہ گیا۔ دفعہ مذکور میں توہین رسالت کی سزا سزائے موت یا اس کی متبادل (Alternative) سزا' سزائے عمر قید رکھی گئی۔ حالانکہ اہانت رسول اکرم ﷺ کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہے اور کسی کو حد کی سزا میں کمی بیشی یا اس کی متبادل سزا مقرر کرنے کا کوئی اختیار نہیں اس لیے ایک مرتبہ پھر من و گزر و میدان و افراسیاب والا معرکہ درپیش تھا۔ اس لیے میں نے پھر فیڈرل شریعت کورٹ میں صدر پاکستان اور حکومت پاکستان کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور دفعہ 295 (ج) کی اس شق کو چیلنج کیا جس کی رو سے عدالت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ توہین رسالت کے مجرم کو سزائے موت کی بجائے عمرقید کی سزا بھی دینے کی مجاز ہے۔ اس پٹیشن میں وفاقی شرعی عدالت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ سزائے عمرقید کو غیراسلامی قرار دیتے ہوئے صدر پاکستان کو یہ ہدایت جاری کی جائے کہ وہ توہین رسالت کی سزا بطور حد صرف سزائے موت مقرر کریں کیونکہ سزائے

حد میں صدر، گورنر، پارلیمنٹ بلکہ پوری امت مسلمہ کو بھی کسی قسم کی ترمیم، تبدیلی، تخفیف کا کوئی اختیار نہیں۔ یہ پٹیشن فیڈرل شریعت کورٹ کے فل بینچ کے سامنے یکم اپریل 1987ء کو پیش ہوئی۔ فاضل عدالت نے ابتدائی سماعت کے بعد وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے نام نوٹس جاری کر دیئے۔ اس کے بعد اسلام آباد، پھر لاہور میں اس مقدمہ کی سماعت ہوتی رہی۔ سماعت کا آغاز راقم الحروف کی بحث سے ہوا۔ اس میں مختلف مکاتب فکر کے علماء جن میں سید ریاض الحسن نوری، مولانا حافظ صلاح الدین یوسف اور مفتی غلام سرور قادری نے توہین رسالت کی سزا پر سیر حاصل بحث کی۔ وفاقی حکومت کی جانب سے ڈپٹی اٹارنی جنرل عبدالستار نجم اور صوبائی حکومت پنجاب کی جانب سے عزیزان گرامی نذیر غازی اور جلال الدین خلد پیش ہوئے۔ حکومت سرحد کی نمائندگی میاں محمد اجمل نے کی۔ جو اب پشاور ہائی کورٹ کے فاضل جج ہیں۔

بحث کی سماعت لاہور میں ماہ مارچ 1990 کے پہلے ہفتہ میں فل بینچ کے سامنے ہوئی جو چیف جسٹس جناب گل محمد خان، جناب جسٹس عبدالکریم خان کندی، جناب جسٹس عبادت یار خان، جناب جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان اور جناب جسٹس عبدالرزاق تھیم پر مشتمل تھا۔ وفاقی حکومت کا موقف تھا کہ توہین رسالت کی سزا، سزائے موت کی بجائے صرف سزائے عمر قید کافی ہے، کیونکہ اس جرم کی سزا کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ اس لیے یہ سزا بطور حد نہیں دی جا سکتی۔ اس کے علاوہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر توہین رسالت کا الزام عائد کر کے سزائے موت کا مطالبہ کرے گا۔ مولانا مفتی غلام سرور قادری کی رائے میں حنفی نقطہ نظر سے توہین رسالت کے جرم کی سزا، سزائے موت بوجہ ارتداد دی جائے گی لیکن ارتداد ناقابل معافی جرم ہے۔ اہل حدیث مکتب فکر کے مذہبی اسکالر مولانا صلاح الدین یوسف نے بھی مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ توبہ سے سزا موقوف ہو جائے گی لیکن باغی اور سرکردہ مجرموں کی توبہ قابل قبول نہ ہوگی۔

راقم الحروف نے ڈپٹی اٹارنی جنرل اور ان علماء حضرات کے دلائل کی سختی سے تردید کی۔ قرآن مجید کی متعلقہ آیات اور صحاح ستہ کی احادیث کے حوالہ سے بتلایا کہ توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت دی جائے گی۔ خود سرکار رسالت مآب ﷺ کے حکم سے سزائے موت ان لوگوں کو بھی دی گئی جو یہودی اور غیر مسلم تھے اور جنہوں نے حضور کی اہانت کر کے آپ ﷺ کو ایذا دی تھی۔ اس لیے اس میں مسلمان اور غیر

مسلم کی کوئی تمیز نہیں۔ اگر مسلمان اس جرم کا ارتکاب کرے تو وہ مرتد ہونے کی وجہ سے بھی سزائے موت کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ امام احمد بن حنبل ؒ، امام شافعی ؒ اور دیگر ائمہ حدیث و فقہ امام ابن حزم ؒ، امام ابن تیمیہ ؒ کے فتاویٰ کے مطابق توہین رسالت کے جرم کی سزا بطور حد سزائے موت ہے اور یہ ناقابل معافی جرم ہے، جس کے مرتکب کی توبہ بھی قابل قبول نہیں۔ خود فقہ حنفی کی مستند کتب البحرالرائق، شرح کنزالدقائق، للمولف ابن نجیم الحنفی، رد المختار علی الدر المختار، شرح تنویر الابصار اور فتح القدیر سے بھی یہ ثابت کیا کہ شاتم رسول کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور اسے بطور حد قتل کیا جائے گا۔ اس بارے میں تفصیلی ذکر سزائے توہین رسالت کے باب میں آئے گا۔ ہمارے اس موقف کی تائید صوبہ پنجاب کے نمائندے اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل صاحبان نے کی۔ اس کے بعد فیڈرل شریعت کورٹ نے اس مقدمہ کا تاریخی فیصلہ 30 اکتوبر 1990ء کو سنا دیا۔

اس فیصلہ کے بعد، پھر ایک عجیب مرحلہ پیش آیا۔ فیڈرل شریعت کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت نے جو نفاذ اسلام اور قرآن و سنت کے قانون کی بالا دستی کا منشور دے کر برسراقتدار آئی تھی، سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی اور راقم الحروف کے نام وفاقی حکومت کے ایڈووکیٹ آن ریکارڈ چودھری اختر علی کا نوٹس بھی موصول ہو گیا۔ جس پر راقم نے اس وقت کے وزیر اعظم کو پیغام بھجوایا کہ حکومت اس اپیل کو فوری طور پر سپریم کورٹ سے واپس لے، ورنہ مسلمانوں کے جذبات اس حکومت کے خلاف بھی مشتعل ہو جائیں گے اور اس حکومت کا بھی وہی انجام ہو گا جو اس کی پیش رو حکومت کا ہو چکا ہے۔ جس نے اسلامی قوانین کو اپنی کابینہ میں ظالمانہ اور فرسودہ قرار دے کر قانون قصاص و دیت کو روکنے کی کوشش کی تھی لیکن سپریم کورٹ نے راقم کی درخواست پر کابینہ کی اس کارروائی کا سختی سے نوٹس لے کر قانون قصاص و دیت کے خلاف گورنمنٹ کی اپیل کو مسترد کر دیا اور پھر یہ حکومت غضب الٰہی کا شکار ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ میاں محمد نواز شریف نے اس انتباہ پر برسرعام اعلان کیا کہ اس اپیل کا انہیں قطعی علم نہیں تھا ورنہ ایسی غلطی کبھی سرزد نہ ہوتی اور اس جرم کی سزائے موت بھی کم تر سزا ہے۔ اس لیے یہ اپیل سپریم کورٹ سے فوری طور پر واپس لے لی گئی۔ جس کے بعد بفضل تعالیٰ اب پاکستان میں توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت حتمی اور قطعی طور پر جاری ہو چکی ہے اور اسی قانون کے تحت سرگودھا کے

ایڈیشنل سیشن جج نے گستاخ رسالت مآب ﷺ کو اسی ماہ نومبر میں سزائے موت سنا دی تھی۔ جس میں ملزم کو صفائی کا پورا پورا موقع دیا گیا۔ اس قانون کی بدولت اب کوئی شخص شاتم رسول ﷺ کو خود کیفر کردار تک پہنچانے کی بجائے عدالت سے رجوع کرے گا' جہاں فریقین سے شہادت لی جائے گی۔ ملزم کو صفائی کا موقع دیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر جرم ثابت ہو تو پھر مجرم کو سزا دی جائے گی۔

سلمان رشدی:

پاکستان میں انفرادی اور اجتماعی کوششوں کی بدولت جب توہین رسالت کے جرم کی سزائے موت کا قانون قومی اسمبلی نے منظور کر لیا تو اس پر یورپ' امریکہ' بھارت اور خود پاکستان کا سیکولر ذہن تلملا اٹھا۔ یہودی لیڈروں کے یہ عزائم جیوش کرانیکل کے ذریعہ کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ جس میں انہوں نے بہانگ دہل اعلان کیا تھا: "ہم پاکستان میں اسلامی نظام کبھی قائم نہیں ہونے دیں گے۔" اس کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے بھی وہ خوف زدہ ہو گئے تھے اور انہیں ڈر تھا کہ اسلام پھر ایک زندہ قوت بن کر دنیا پر نہ چھا جائے۔ ان کے خیال میں جب تک مسلمانوں کے دل و دماغ سے ذات مصطفوی ﷺ کا رشتہ محبت و عقیدت اور جذبہ احترام و تکریم ختم نہ کیا جائے وہ اس اٹھتے ہوئے طوفان کو روک نہیں سکتے۔ اس کے لیے انہوں نے ایک نہایت گھٹیا اور انتہائی گھناؤنی اسکیم تیار کی۔ انہوں نے ایک آبرو باختہ' ضمیر فروش اور رسوائے زمانہ شیطان صفت ملعون ملحد رشدی کی خدمات حاصل کیں اور اس خبیث سے "شیطانی آیات" نامی ایک کتاب لکھوائی' جو عفونت میں سنڈاس سے بدتر تھی۔ یہ کتاب وائی کنگ پبلی کیشنز کے یہودی ادارے نے اکتوبر 1988 میں شائع کی۔ اس کتاب کو ناول کی شکل دے کر اس میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ التحیہ و السلام' ختم الرسل امام الانبیاء حضور رسالت مآب ﷺ' اہل بیت' ازواج مطہرات اور اصحاب رسول کی شان میں جو زبان استعمال کی گئی ہے' وہ شیطان کا ایجنٹ ہی استعمال کر سکتا ہے۔ ان ذوات قدسی پر جس نحش انداز میں حملے کیے گئے ہیں' آج تک دنیا کے کسی ذلیل اور رذیل ترین شخص کو ایسی جسارت نہیں ہوئی۔ پہلے تو شیطانی خرافات سمجھ کر مسلمانوں نے اس کا نوٹس نہیں لیا کیونکہ اس مجہول النسب نے اس سے پہلے اپنی کتاب "مڈ نائٹ چلڈرن"

(Mid Night Children) میں اپنے "حسب نسب" اپنی "مادر زاد" اولاد اور حاشیہ نشینوں کو نشانہ تضحیک بنایا اور ایک دوسری کتاب شیم (Shame) میں جس پرلے درجہ کی بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کیا تھا' اس پر اردو کے مقبول شاعراور انگریزی ادب کے معروف نقاد فیض احمد فیض نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ مغرب کی اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہو گی کہ رشدی جیسے شخص کو برطانیہ کے ناول نگاروں میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں بھی یہی سمجھا گیا کہ اس میں بھی کچھ اسی قسم کی خرافات ہوں گی لیکن کسے خبر تھی کہ گندگی اور غلاظت اس بری طرح اس کے منہ کے راستے خارج ہو گی کہ اس کا تعفن دنیا میں ہر پاکیزہ اور طہارت پسند انسان کے لیے ناقابل برداشت ہو گا۔ یہ اور بات ہے کہ گندگی اور غلاظت کے کیڑے ایسی گندگی کے ڈھیر میں پلتے بڑھتے ہیں اور اسی سے اپنی خوراک حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اگر اتفاقاً انہیں اس ڈھیر سے علیحدہ کر لیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ "شیطانی آیات" میں اس نے اہل یورپ کو بے حد ننگی اور انتہائی فحش گالیاں دی ہیں' جس کو وہ شیر مادر سمجھ کر بڑی آسانی سے ہضم کر گئے ہیں۔

ان کے آبرو باختہ معاشرے میں اخلاق' تہذیب' شرافت' شائستگی' نفاست اور پاکیزگی نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ شاید اس لیے غلیظ اور گندی گالیاں کھا کر وہاں کی اکثریت کو نفسیاتی طور پر لذت اور ایک گونہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔ اس کتاب کے 547 صفحات ایسی فحش گالیوں سے بھرے پڑے ہیں جو زبان قلم پر نہیں لائے جا سکتے۔ سفید فام عورت کے بارے میں یہ فحش نگار لکھتا ہے "سفید فام عورت کو "جنسی اختلاط" کے بعد اٹھا کر پھینک دینا چاہیے۔" "جنسی اختلاط" کے الفاظ ہم نے انگریزی زبان میں استعمال ہونے والے ایک عامیانہ لفظ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھے ہیں' جسے اس شیطان نے بطور گالی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک انگریز عورت "پامیلا" (Pameela) کو بطور داشتہ استعمال کرنے کے بعد شادی کا ڈھونگ رچا کر چھوڑ دیا۔ پھر اس نے ایک امریکی عورت میرین وگنز (Marrine Wiggins) سے ناجائز تعلقات قائم کر لیے لیکن قانونی مجبوریوں کی وجہ سے اسے منکوحہ بنا کر اس سے بھی گلوخلاصی حاصل کر لی۔ برطانیہ اور امریکہ کو اپنے اس ناول نگار داماد پر فخر ہے' جس نے ان کے عصمت فروش معاشرے کو برسرعام ننگا کر کے دنیا کو دکھلایا ہے' اس پر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اپنے گھٹیا بازاری ناول میں اس نے برطانیہ کی وزیراعظم مسز تھیچر کو "شہوت برانگیختہ کتیا" کہہ کر پکارا ہے اور اس کی ہوس

نائی سگ مختون کی طرح رال ٹپکاتے شاہی محل کے اندر کوئین الزبتھ کا پیچھا کرتی ہے۔ "حرام زادہ" (Bastard) "رنڈی" ماں اور بہن کی گالیوں کا جس آزادانہ طور پر استعمال اس کتاب میں کیا گیا ہے اس کا حوصلہ تو شاید شیطان بھی نہ کر سکے۔ بہرحال انگریزوں اور امریکیوں کا یہ حوصلہ قابل داد ہے کہ ایسی ننگی' شرمناک اور فحش گالیاں اپنے اور اپنے لیڈروں کے بارے میں سن کر وہ مشتعل یا منفعل نہیں ہوئے' بلکہ اس فحش نگاری کو ادب عالیہ یا لٹریچر سمجھ کر اس کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جب یہ کتاب شائع ہونے کے بعد یورپ اور امریکہ کے بازاروں میں فروخت ہونے کے لیے پہنچی اور مسلمانوں کو اپنے محبوب آقا اور مولا' ان کی ازواج مطہرات' اہل بیت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کی شان میں اہانت اور گستاخیوں کا علم ہوا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ یہ تو ان کے اپنے پیارے رسول ﷺ' آل رسول ﷺ' ازواج و اصحاب رسول ﷺ کی عزت و ناموس کا معاملہ تھا۔ وہ تو یہودیوں اور عیسائیوں کے پیغمبروں کی توہین بھی برداشت نہیں کر سکتے جن کی وہ اپنے پیارے نبی ﷺ کی طرح ہی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ اس کتاب میں ان کی ذات پر بھی جابجا سوقیانہ اور رکیک حملے کیے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر بے محل نہ ہوگا' جو سال 1988 میں میرے قیام لندن کے دوران پیش آیا' جو یہودی ذہنیت کا مظہر ہے۔

ان دنوں لندن کے سینما گھروں میں ایک یہودی فلم ساز مارٹن اسکورسس کی ایک انتہائی شرمناک فلم "The Last Temptation Of Christ" نمائش کے لیے پیش کی جانے والی تھی' جس میں جناب مسیحؑ کو ایک طوائف کے ساتھ سرگرم اختلاط دکھلایا گیا تھا۔ مسلم جیورسٹس لندن آفس کے چیئرمین جناب ریاض احمد نے برٹش فلمز انسٹی ٹیوٹ کو نوٹس دیا کہ اس فلم کی نمائش برطانیہ کے قانون بلاس فیمی کی خلاف ورزی ہے۔ اگر اس فلم کی نمائش کو نہ روکا گیا تو پھر اس کے فلم ساز اور مالکان سینما کے خلاف لندن کے مسلمان شہریوں کی جانب سے قانونی کارروائی کی جائے گی۔ اس پر وہاں کے عیسائی شہریوں کو بھی غیرت آئی اور کیتھولک چرچ کے رہنماؤں نے ان کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کا نوٹس دیا۔ اس کے بعد لندن میں اسلامی ملکوں کے مقیم مسلمان نوجوانوں نے برطانیہ کی جماعت اسلامی کے تعاون سے پلازہ سینما کے سامنے' جہاں اس شرم ناک فلم کی نمائش ہو رہی تھی' جمعہ 12 ستمبر 1988ء کو پکٹنگ شروع کی' جس میں عیسائی فرقوں کے رہنماؤں

کے علاوہ خود یہودیوں کا ایک مذہبی گروہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں لندن کے زیر زمین اسٹیشنوں میں جہاں جہاں جناب مسیحؑ کے ساتھ اس طوائف کے نیم برہنہ قد آدم پوسٹر لگائے گئے تھے' ہٹا لیے گئے اور فلم بری طرح فلاپ ہوئی۔ اس واقعہ کے ذکر سے یہ اظہار مقصود تھا کہ مسلمان تو دوسرے مذاہب اور ادیان کے پیغمبروں کے بارے میں گستاخی اور شرارت برداشت نہیں کر سکتے' تو پھر وہ کیونکر اور کیسے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی شان میں کسی بے ادبی اور شرانگیزی کو برداشت کر لیتے۔

برطانیہ میں رشدی کے خلاف احتجاج:

شیطان رشدی کی کتاب جیسے ہی لندن کی مارکیٹ میں فروخت کے لیے پہنچی تو وہاں کے مسلمانوں نے فوری طور پر اس کا نوٹس لیا اور انہوں نے اس کے خلاف احتجاجی مظاہرے شروع کر دیئے۔

29 نومبر 1988ء کو لندن میں اسلامی ملکوں کے سفیروں کا اجلاس ہوا' جس میں پاکستان' کویت اور صومالیہ کے سفیروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے ذمہ یہ کام سونپا گیا کہ وہ حکومت برطانیہ سے سفارتی سطح پر مذاکرات کر کے اس کتاب کی فروخت پر پابندی عائد کرائے۔

28 جنوری 1989ء کو لندن میں برطانیہ کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے کئی لاکھ مسلمانوں نے اپنے شدید غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے ایک بہت بڑا مشتعل' مگر منظم جلوس نکالا جو برطانیہ کی تاریخ میں سب سے بڑا مظاہرہ تھا' جس میں نہ صرف اس شیطانی کتاب کو ضبط کرنے کا مطالبہ کیا گیا بلکہ اس کے مصنف کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ بھی کیا گیا اور مسلم ایکشن فرنٹ (The Muslim Action Front) کی تشکیل بھی عمل میں آئی۔ تاکہ ان مطالبات کی تکمیل کے لیے عملی اقدام کئے جائیں۔ ان مظاہروں اور اس کتاب کے مندرجات کا نوٹس لیتے ہوئے پوپ نے بھی ویٹی کن سٹی میں اس کتاب کی اشاعت' خرید اور فروخت کو ممنوع قرار دیا۔

اس کتاب کے اقتباسات جب منظر عام پر آئے تو مسلمان سراپا اضطراب بن گئے۔ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کے دل و دماغ' زبان و قلم اور رگ و پے سے اس شیطانی کتاب اور اس کے شیطان مصنف کے خلاف غم و غصہ اور نفرت کا لاوا ابلنے لگا۔

جس کے ہولناک نتائج کا اندازہ کرتے ہوئے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں نے اس کتاب کی فوری ضبطی کا حکم دیا جس پر بلا تاخیر عمل در آمد ہوا۔ پاک و ہند کے علاوہ ملائشیا' جنوبی افریقہ' مصر' سوڈان' عمان اور سعودی عرب کی حکومتوں نے بھی اس کتاب کو قابل ضبطی قرار دیا لیکن یہ کارروائی بھی مسلمانوں کے لیے وجہ تسلی نہ ہو سکی اور اس کے خلاف شدید ردعمل کے طور پر ہندوستان' پاکستان' بنگلہ دیش کے طول و عرض میں مظاہروں اور احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ برطانیہ اور امریکہ میں اس کتاب کی اشاعت روک دی جائے اور اس کتاب کے خبیث مصنف کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ امریکہ میں بھی اس بے ہودہ اور خرافات شیطانی کتاب کے مصنف اور اس کے ناشروں کے خلاف نہ صرف وہاں کے مقیم مسلمانوں نے کھل کر احتجاج کیا' بلکہ بعض مقامات پر' جن دکانوں میں یہ کتاب فروخت ہو رہی تھی' انہیں بھی نذر آتش کرنے کی کوشش کی گئی۔ امریکہ میں یہودی لابی کے غیر معمولی کنٹرول کے باوجود غیر متعصب تعلیم یافتہ طبقہ نے بھی وہاں کے کثیر الاشاعت اخبارات' جرائد اور رسائل میں اس کی مذمت کی۔ چنانچہ 19 جنوری 1989ء کو روزنامہ نیویارک ٹائمز اور اس کے بعد واشنگٹن ٹائمز نے اس کتاب کے خلاف تبصرے شائع کیے اور لکھا کہ یہ کتاب نہ صرف سطحی اور گھٹیا ہے بلکہ شرانگیز بھی ہے۔ اس بات سے اہل یورپ اور امریکہ ہی نہیں بلکہ ساری دنیا واقف ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک انسانی اقدار اعلیٰ کا سرچشمہ ذات ختمی مرتبت ﷺ ہے' جن کے نام و ناموس کا تحفظ ان کی اپنی ذات' جان و مال اور ملک و قوم' سب سے بڑھ کر ہے۔ مسلمان ملک و قوم اس کی حفظ و پاسبانی اس لیے کرتے ہیں کہ ان دونوں کا تعلق براہ راست اس ذات گرامی سے ہے' جو انہیں ہر چیز سے عزیز تر ہے۔

شہدائے اسلام آباد:

یوں تو اس شیطانی کتاب نے دنیا کے تمام مسلمانوں کے جذبات کو سخت مجروح کیا تھا' لیکن ایران اور اسلامیان پاک و ہند ایک نہایت ہی اذیت ناک کرب و ابتلا سے گزر رہے تھے۔ پاکستان کے بزرگ سیاستدان نواب زادہ نصر اللہ خان خبیث رشدی کی اس کمینہ حرکت پر تڑپ اٹھے۔ 7 فروری 1989ء کو ان کی تحریک استحقاق پر قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر "شیطانی خرافات" اور اس کے مصنف کے خلاف قرار داد مذمت منظور کی

اور یہ تجویز پاس کی کہ پاکستانی حکومت برطانیہ اور امریکہ سے اس کتاب کی ضبطی اور اس کی اشاعت کو رکوانے کے لیے سفارتی سطح پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کرے۔

ان ہی دنوں میں مجلس تحفظ ناموس رسالت کے سرگرم اراکین اور قائدین نواب زادہ نصراللہ خان، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا فضل الرحمان، مولانا کوثر نیازی، میجر (ریٹائرڈ) محمد امین منہاس، مولانا قاری عبدالعزیز جلالی، مولانا محمد عبداللہ اور دیگر دردمند کارکنوں کا اجتماع ہوا۔ جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ حکومت امریکہ کو مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کرنے اور اسلامی ملکوں کو اس صورت حال سے واقف کرانے کے لیے اراکین اسمبلی، دانشوروں اور معروف دینی اور سماجی شخصیتوں کی رہنمائی میں ایک پر امن احتجاجی مظاہرہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں مجلس نے ایک پروگرام بنایا کہ اسلام آباد میں ایک پرامن جلوس امریکن سنٹر تک جائے گا، جس کی وساطت سے حکومت امریکہ کو اسلامیان پاکستان میں اس کتاب کی اشاعت سے پیدا ہونے والے اندوہ ناک اضطراب اور گہری تشویش سے آگاہ کیا جائے گا اور اس سے یہ مطالبہ بھی کیا جائے گا کہ وہ اس فحش کتاب کی اشاعت اور فروخت پر پابندی عائد کرے جو ساری دنیا میں مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق یہ جلوس حکومت پاکستان سے اجازت حاصل کرنے کے بعد 12 فروری 1989ء کو لال مسجد آب پارہ سے نکل کر بلیو ایریا امریکن سنٹر کے قریب پہنچا تو وہاں پر متعین پولیس نے مرکزی حکومت کی ہدایات پر شرکائے جلوس کو امریکن سنٹر میں داخل ہو کر اپنے مطالبات پہنچانے سے روکنے کے لیے درمیان میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ بالاخر حکومت اور انتظامیہ کی بے تدبیری اور سہل انگاری کی وجہ سے پولیس نے نہتے معصوم شہریوں پر اندھا دھند فائرنگ کی، جس کے نتیجہ میں سمن زار مصطفیٰ کے سات نونہال خون شہادت سے رنگین قبا ہوئے۔ جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(1) نوجوان طالب علم ظفر اقبال فرزند مرزا سلطان محمد پرنسپل قندیل انسٹی ٹیوٹ راولپنڈی

(2) جواں سال طالب علم حافظ نوید عالم فرزند مظفر خان ساکن ایبٹ آباد

(3) جواں سال طالب علم نور الہدیٰ فرزند محمد شعیب سواتی

(4) جواں سال طالب علم محمد شاہد فرزند محمد یونس سکنہ راولپنڈی

(5) شیر دل نوجوان حق نواز فرزند عظیم اللہ ساکن مانسہرہ
(6) جاں نثار نوجوان محمد ارشد فرزند محمد صادق ساکن اٹک
(7) جاں باز نوجوان محمد فاروق فرزند عبداللہ خان ساکن راولپنڈی

ان کے علاوہ بے شمار جاں نثاران مصطفیٰ ﷺ اس فائرنگ سے زخمی اور مضروب ہوئے۔

یہ قافلہ بلاکشان محبت لال مسجد سے روانہ ہوا تھا اور دست و بازو پر گولیاں کھا کر ساری ملت کو سرخرو کیا۔ ان میں سے کسی کی پشت پر ایک خراش تک نہیں پائی گئی۔ ان معصوم نوجوانوں کی شہادت کی خبر سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئی۔

حکومت نے صورت حال کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے اس الم ناک سانحہ کی تحقیقات کے لیے لاہور ہائی کورٹ کے فاضل جج جناب جسٹس اعجاز نثار کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا' جس نے 20 فروری 1990ء سے اس بارے میں انکوائری شروع کی۔ کمیشن نے 156 گواہوں کے بیانات قلم بند کیے۔ جن میں اکابرین اور شرکائے جلوس کے علاوہ انتظامیہ اور پولیس کے گواہ بھی شامل تھے۔ کمیشن کے سامنے کل 289 دستاویزات جن میں موقع واردات کی تصاویر کے علاوہ اخبارات کے تراشے اور ویڈیو فلم بھی تھی' پیش کیے گئے۔ فاضل جج نے تمام حالات اور واقعات کا انتہائی حزم و احتیاط سے جائزہ لینے کے بعد 146 صفحات پر مشتمل رپورٹ تیار کی' جو اب منظر عام پر آ چکی ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس سے قبل فاضل جج موصوف نے راقم الحروف کی رٹ پٹیشن پر' جو ایسی ہی ایک قابل اعتراض کتاب (A Lamp Spreading Light) کی اشاعت کے خلاف تھی۔ اس کے مصنف راق لوتھر اور پرنٹر پبلشر کے خلاف توہین رسالت کے جرم میں دفعہ 295-C تعزیرات پاکستان کے تحت مقدمہ درج کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔

سانحہ اسلام آباد کے بارے میں جو تحقیقاتی رپورٹ شائع ہوئی ہے' اس میں قانون اور انصاف کے تقاضوں کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے کمیشن جس نتیجہ پر پہنچا ہے اس کے چند اہم پہلو حسب ذیل ہیں۔

یہ کہ جلوس مذہبی نوعیت کا تھا اس کے پیش نظر کوئی سیاسی مقصد حاصل کرنا نہ تھا۔ کمیشن کی نظر میں مسلمانوں کا یہ جائز حق تھا کہ وہ ایسی شیطانی کتاب اور اس کے

مصنف کے خلاف اپنے گہرے غم و غصہ اور تشویش کا اظہار کرتے۔ درحقیقت وہ جس کاز کو لے کر نکلے تھے' وہ عظیم تر اور لائق ستائش تھا۔ وہ تو اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے حضور جذبہ سپاس و عقیدت پیش کرنے کے لیے گئے تھے کہ ختم المرسلین ﷺ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی ان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

کمیشن نے پولیس کے اس موقف کو مسترد کر دیا کہ اس نے صرف ہوائی فائرنگ کی تھی اور قرار دیا کہ پولیس کو صورت حال قابو میں رکھنے کے لیے کوئی کارروائی ناگزیر تھی تو پھر بھی مظاہرین کے سینوں کا نشانہ لے کر فائرنگ کا کوئی جواز نہ تھا۔

کمیشن نے آخر میں کہا ہے کہ اس سانحہ میں جو قربانیاں دی گئی ہیں وہ بلاشبہ بہت عظیم ہیں۔ ان کے خون کی کوئی بھی قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ تاہم کمیشن نے حکومت کو یہ سفارش کی ہے کہ ان شہیدوں کے ورثاء کو کم از کم پچاس ہزار فی کس معاوضہ ادا کیا جائے' لیکن چونکہ یہ معاملہ سیاسی نوعیت کا نہ تھا اس لیے سفارش پر حکومت نے کوئی توجہ نہیں دی اور تادم تحریر مضروبین کو اور شہیدوں کے ورثاء کو کوئی خون بہا یا معاوضہ نہیں دیا گیا۔

آفرین ہے ان شہیدوں کے ماں باپ اور ورثاء پر اور مضروبین راہ وفا پر کہ جن کا تعلق غریب اور متوسط گھرانوں سے ہونے کے باوجود حکومت کی اس بے حسی پر جب صاحب دل حضرات نے انہیں مالی امداد کی پیش کش کی تو انہوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ آخر ان شہیدوں کا لہو رنگ لائے بغیر نہیں رہا۔ ملت کے یہ تابندہ ستارے ہماری نظروں سے اوجھل تو ضرور ہوئے لیکن اپنے پیچھے افق پر روشنی کی ایک ایسی تابندہ لکیر چھوڑ گئے' جس کے سامنے شفق کی سرخی بھی ماند پڑ گئی۔ پاکستان کے علاوہ ہندوستان میں بھی اس ملعون رشدی کے خلاف بمبئی میں' جو اس مردود کی جنم بھومی ہے' ایک عظیم الشان جلوس نکلا۔ وہاں کی پولیس نے بھی اس کی مزاحمت کی اور نہتے شہریوں کے جلوس پر فائرنگ کی' جس کے نتیجہ میں چھ سرفروشان اسلام رتبہ شہادت سے سرفراز ہوئے اور کئی جاں نثار مضروب اور زخمی ہو گئے۔ کشمیری مسلمانوں نے سری نگر' اننت ناگ اور بارہ مولا میں احتجاجی مظاہرے کیے۔ ان واقعات سے ایک مرتبہ پھر اسلامیان عالم میں اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ سانحہ اسلام آباد کے دو دن بعد ہی ایران کے روحانی پیشوا امام خمینیؒ کے فتویٰ پر حکومت ایران نے شیطان رشدی کے سر کی قیمت 30 لاکھ ڈالر مقرر کی۔ اس

اعلان سے قبل ہی پاکستان کے سات سرفروش نوجوان اس گستاخ رسول کو واصل جہنم کرنے کے لیے لندن پہنچ چکے تھے' جس کا انکشاف لندن میں پاکستان کے سفارت خانے کے سابق سینیٹر جناب قطب الدین عزیز نے کیا ہے۔

انٹرنیشنل پریس نے یہ خبر اڑا دی کہ ایران کے صدر نے رشدی کے قتل کا فتویٰ واپس لے لیا ہے لیکن ورلڈ ایسوسی ایشن آف جیورسٹس نے تصدیق کے بعد فوراً اس خبر کی تردید کی۔

رشدی کے ایجنٹ اور ہنگامہ ٹوکیو

مسلمانوں کی نفرت اور غم و غصہ صرف "شیطانی آیات" کے رسوائے زمانہ مصنف رشدی تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس گندی اور ناپاک کتاب کے اسپانسر' پبلشر اور ناشروں کی شرارتوں کو بھی وہ برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ ان کے خلاف بھی جو مظاہرے لندن' نیویارک' پیرس اور دنیا کے ان تمام شہروں میں ہوئے' جہاں جہاں اس دل آزار کتاب کی اشاعت اور فروخت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ ان کا سرسری تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ٹوکیو کا ایک واقعہ لاہور کے ایک سرفروش نوجوان عدنان رشید سے متعلق ہے۔ رشدی کی اس کتاب کا جاپانی زبان میں ترجمہ کرانے والے اٹلی کے ایک یہودی ایجنٹ گیانی پالما پر اس شاہین بچہ نے اس وقت قاتلانہ حملہ کر دیا جب کہ وہ ٹوکیو میں اس کتاب کی تقریب رونمائی کے لئے وہاں کے انٹرنیشنل پریس کلب میں افتتاح کرنے کے لیے آیا ہوا تھا۔ اس حملہ ترکانہ کا حال خود عدنان رشید کی زبانی سنئے' جو اس نے جاپان سے اپنی رہائی کے بعد لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے کیانی ہال میں سنایا:

> "یہ واردات اس طرح ہوئی کہ اٹلی کے ایک اسپانسر پبلشر گیانی پالما نے سلمان رشدی کی کتاب "شیطانی آیات" (Satanic Verses) کا ترجمہ جاپانی زبان میں ہتوشی آگاشی سے شائع کرایا' جس کی سیل کے لیے ریڈیو' ٹیلی ویژن اور پرنٹ میڈیا میں زبردست پبلٹی شروع ہو گئی۔ جس پر جاپان کے اور جاپان میں باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں میں بے چینی اور تشویش پیدا ہوئی۔ یہ تو ہم آپ سب جانتے ہیں کہ پاکستان دین اور خاص طور پر ناموس رسالت کے معاملہ میں سب سے پیش پیش رہا

ہے۔ چنانچہ جاپان میں پاکستان ایسوسی ایشن کے چیئرمین حسین خان اور سیکرٹری جنرل رئیس صدیقی اور ٹوکیو میں رہنے والے مسلمان' جن میں' میں بھی شامل تھا' نے یہ طے کیا کہ پہلے ہم پرامن طریقہ سے حکومت جاپان سے اپیل کریں گے کہ وہ اس کتاب کی اشاعت کو رکوانے کا انتظام کردے۔ اس سلسلہ میں ہمارے وفد مسلسل ٹوکیو پولیس کمشنر اور دوسرے متعلقہ افسران سے ملتے رہے لیکن انہوں نے معذوری ظاہر کی کہ جاپان کا قانون انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

13 فروری 1990ء کو انٹرنیشنل پریس کلب ٹوکیو میں اس شیطانی کتاب کی رونمائی کا اعلان ہوا۔ ہم نے 11 فروری کو ٹوکیو میں ایک پر امن جلوس نکالا اور کانفرنس کے منتظمین سے مطالبہ کیا کہ اس کتاب کی اشاعت روک دی جائے اور اس کانفرنس کو منسوخ کیا جائے' جو اس کتاب کی رونمائی کے لیے منعقد ہو رہی ہے لیکن نہ تو منتظمین نے اور نہ حکومت جاپان نے ہمارے اس احتجاجی جلوس کا کوئی نوٹس لیا۔ بالآخر ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت میں 13 فروری کو ایک پریس مین (Press Man) کے ہمراہ جرنلسٹ بن کر اس کلب میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا' جس کے باہر اور اندر سخت حفاظتی انتظامات تھے۔ کتاب کی رونمائی کراتے ہوئے اٹلی کے اس یہودی ایجنٹ گیانی پالما نے پہلے تو مسلمانوں کا مذاق اڑایا' جو اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں' جسے میں نے بمشکل ضبط کیا لیکن جب اس نے ہمارے رسول پاک ﷺ کے بارے میں کتاب کے حوالہ سے چند ریمارک پاس کیے تو پھر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور نہیں معلوم مجھ میں اس وقت کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ حفاظتی گارڈ کی موجودگی میں' میں نے جھپٹ کر اس ملعون کو گرا لیا اور چاہتا تھا کہ اپنے سٹیل کے نوکدار پین (Pen) کو اس کی گردن کے آرپار کر کے اس کو جان سے مار دوں لیکن فوراً ہی سکیورٹی فورس نے پوری قوت سے مجھے دبوچ لیا اور پین کو میرے ہاتھ سے چھین کر بڑی مشکل سے پالما کو مجھ سے

چھڑا لیا۔ بری طرح سے زدو کوب کرنے کے بعد گرفتار کر کے مجھے جیل میں بند کر دیا۔ جاپان میں مجھ پر مقدمہ چلا اور وہاں کے قانون کے تحت مجھے ایک سال قید کی سزا ہوئی لیکن میری اس کارروائی کے بعد جاپان کے بڑے بڑے اداروں نے اس شیطان کی کتاب کو فروخت کرنا بند کر دیا۔

میری اس گرفتاری کے خلاف ٹوکیو میں جاپانی اور دیگر ملکوں کے مسلمانوں نے جلوس نکالنے شروع کیے۔ ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس اور لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کی جانب سے جناب اسماعیل قریشی ایڈووکیٹ نے جاپان کے سفارت خانہ سے میری رہائی کے سلسلہ میں رابطہ قائم کیا۔ پاکستان میں سیاسی تنظیموں' اداروں' سٹوڈنٹس یونینز اور تاجروں نے بھی میری گرفتاری کے خلاف احتجاجی جلوس نکالے۔ پریس نے بھی میری بھرپور حمایت کی۔ شاید اسی وجہ سے وقت سے پہلے مجھے رہا کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد سب سے پہلے میں یہاں آپ سب حضرات کے خلوص اور محبت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور آپ کی معرفت پاکستان اور دنیا کے تمام مسلمان بھائیوں' بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں' جن کی دعائیں اور ہمدردیاں میرے شامل حال رہی ہیں۔ لیکن افسوس مجھے صرف اس بات کا ہے کہ شیطان رشدی کے ایجنٹ اور اس کی ناپاک کتاب کے سپانسر پبلشر پالما کو ختم کر کے لاہور کے شیر دل جوان غازی علم الدین کی طرح مجھے شہادت نصیب نہ ہو سکی' جو میری دلی آرزو تھی۔ سکیورٹی فورس اور پولیس کی بھاری جمعیت کی مداخلت کی وجہ سے وہ بزدل پالما میرے ہاتھوں سے بچ کر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔ بہرحال جب بھی مجھے موقع ملے گا' انشاء اللہ رشدی اور اس کے ایجنٹوں کو واصل جہنم کر کے چھوڑوں گا۔"

رشدی کے خلاف عالم اسلام کے مقتدر دینی رہنماؤں کا اعلان

اسلامی ملکوں میں سب سے پہلے ایران کے عظیم روحانی پیشوا امام خمینی نے شیطان صفت سلمان رشدی کے خلاف "فرمان موت" جاری کیا' جو حسب ذیل ہے:

"خدائے بزرگ کے نام سے جو سب سے برتر و اعلیٰ اور یکتا ہے اور جس کی بارگاہ عالی میں ہم سب کو جانا ہے' اسلامیان عالم کے نام اسلام کا یہ فرمان جاری کیا جاتا ہے:

ہر گاہ کہ

"شیطانی آیات" کا مصنف سلمان رشدی' جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ التحیۃ والسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے اور اس کتاب کے پرنٹر پبلشر سب واجب القتل ہیں۔ اس لیے جہاں بھی موجود ہوں' انہیں قتل کیا جائے۔

مغربی ذرائع ابلاغ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی دانش گاہ جامعہ الازہر کی فتاویٰ کونسل اور مکہ مکرمہ کی فقہی اکادمی نے امام خمینی کے فتویٰ قتل کو خلاف اسلام قرار دیا ہے لیکن یہ بات سراسر خلاف حقیقت تھی۔ فتاویٰ کونسل جامعہ الازہر کے سربراہ الشیخ الفاضل عبداللہ المشہد اور صدر شعبہ علوم دینیات جامعہ الازہر الدکتور محمد حسام الدین نے بھی سلمان رشدی کو واجب القتل ہی قرار دیا ہے لیکن ان کے فتاویٰ میں سزا سے قبل اسے صفائی کا موقع دیا جانا شامل ہے۔

اسی طرح فقہ الاسلامی اکادمی مکہ مکرمہ نے بھی مفتی اعظم سعودی عرب سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز کے شاتم رسول ﷺ کے بارے میں فتویٰ قتل کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ یہ وضاحت کی ہے کہ رشدی کے خلاف اسلامی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے اور اس کو صفائی کا موقع دینے کے بعد اگر وہ ناقابل قبول ہو تو پھر اسے سزائے موت دی جائے۔

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی

دنیائے اسلام کی لائق احترام اور نامور شخصیت مولانا ابوالحسن علی ندوی سربراہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ایرانی پیشوا آیت اللہ امام خمینی کے رشدی کے خلاف فرمان قتل کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ابلیسی کتاب کے مصنف نے مذہب اسلام کی سخت توہین کی ہے جس سے پوری دنیا کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے۔ امام خمینی کے فرمان پر مسلمانوں نے اطمینان کا اظہار کیا ہے کیونکہ اسلام میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کی توہین کے مجرم کو سزائے موت دی جاتی ہے۔ مسلم علماء اور مفتی سب اس معاملہ میں متفق ہیں۔ (قومی آواز 23 فروری 1979ء)

ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف

عالم اسلام کی ممتاز اور فاضل شخصیت ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف جو رابطہ کے سیکرٹری جنرل اور موتمر عالم اسلامی کے سربراہ ہیں رابطہ کے ایک خصوصی نمائندہ اجلاس میں، جس میں علماء اسلام نے شرکت کی، یہ متفقہ فیصلہ سنایا کہ سلمان رشدی مرتد ہے اور اسلام میں اس کی سزا موت ہے انہوں نے اسلامی ملکوں سے اپیل کی کہ کسی اسلامی ملک میں رشدی پر مقدمہ چلایا جائے تاکہ قانون کا تقاضہ پورا ہو۔ انہوں نے فرمایا رشدی نے اپنی کتاب میں جو کچھ لکھا ہے اس کا آزادی تحریر سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسلام پر یہ ایک مجرمانہ حملہ ہے سلمان رشدی مرتد ہے اور شریعت کے مطابق ارتداد کے جرم کی سزا موت ہے۔

(قومی آواز 23 فروری 1989ء)

گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سزا پر ایک بے جا اعتراض

اسلام دشمن اور متعصبین بالخصوص عیسائی مشنریاں اکثر یہ اعتراض کرتی رہتی ہیں کہ پیغمبر اسلام (علیہ التحیتہ والسلام) جب رحمتہ للعالمین ہیں تو پھر انہوں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مخالفین کو تہ تیغ کیوں کرایا؟

حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے نفس کے لیے کبھی بھی کسی سے انتقام نہیں لیا' جس کی شہادت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے دی ہے اور خود تاریخ کا ایک ایک حرف اس پر گواہ ہے۔ شعب ابی طالب بطحا کی وادیاں' طائف کی چٹانیں اور یثرب کے پہاڑ' سب آج بھی گواہی دے رہے ہیں کہ ہمارے آقا و مولا نے اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا۔ طائف میں بے سرو سامانی کی حالت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسائے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر سے پاؤں تک لہولہان ہو گئے' اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے عذاب الٰہی اور قہر خداوندی کو دعوت نہیں دی بلکہ ان کے حق میں ان کی ہدایت کے لیے دعا فرمائی۔ فتح مکہ کے موقع پر اسی شہر میں جہاں اہل مکہ نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔ موت کی گھاٹی میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو محصور کر دیا تھا۔ تمام قبائل عرب نے ہم صلاح ہو کر آپ کو جان سے مار دینے کے لیے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اور آپ کی ذات اقدس کو ایسی اذیتیں پہنچائی تھیں جو کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں۔ مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہزاروں جانثاران نبوت کے لشکر جرار کو لیے ہوئے فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے خونخوار دشمن سرنگوں آپ کے سامنے منتظر مکافات کھڑے تھے' اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "لا تثریب علیکم الیوم" (آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں ہو گی) کہتے ہوئے معافی کا اعلان فرمایا اور اپنے بدترین دشمن ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دیا۔ آپ کے چہیتے اور محبوب چچا حمزہ ؓ کا کلیجہ چبانے والی ھند اور انہیں وحشیانہ طور پر قتل کرنے والے وحشی اور ان دشمنوں کو بھی جو آپ کے خون کے پیاسے تھے' اس وقت معاف فرمایا جبکہ آپ تمام اہل مکہ سے انتقام لینے کی پوری طاقت اور قدرت رکھتے تھے۔ حضرت انس ؓ کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی عورت کو بھی معاف فرمایا جس نے ایک بھنی ہوئی بکری سے

آپ کی تواضع کی تھی لیکن پہلے لقمہ ہی نے آپ ﷺ کو بتلا دیا تھا کہ میں زہر آلود ہوں اور آپ ﷺ کے استفسار پر اس نے اقرار جرم کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ میں نے یہ اہتمام اس لیے کیا تھا کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو زہر آپ پر اثرانداز نہیں ہوگا اور اگر آپ بادشاہ ہیں تو ہماری قوم کو آپ ﷺ سے نجات مل جائے گی۔ ایسی دشمن جاں یہودیہ کو بھی آپ کے عفو کریمانہ کے دامن میں پناہ ملی۔

یہ ہے آپ کی شان رحمتہ للعالمینی کی ایک ادنیٰ سی جھلک۔ اسی وصف رحمتہ للعالمینی کی جھلک ان ہستیوں میں بھی صاف نظر آتی ہے جو آپ کے زیر تربیت رہی ہیں۔ آپ کے عم زاد علیؓ نے جب ایک شہ زور دشمن اسلام پہلوان کو زیر کرلیا اور ان کا خنجر آب دار اس کی رگ گردن پر تھا اور اس نے اس خیال سے علیؓ کے منہ پر تھوک دیا کہ فوراً ہی اسے اس عالم جانکنی سے نجات مل جائے گی' مگر جناب علیؓ نے مشتعل ہو کر اس کا سر کاٹنے کی بجائے اسی وقت اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا اور دریافت پر بتلایا کہ پہلے تو وہ رضائے الٰہی کی خاطر درپے قتل تھے مگر تھوکنے کے بعد جب خواہش نفس نے انہیں فوری آمادہ قتل کیا' تو انہوں نے اس کے قتل سے ہاتھ اٹھا لیا۔

حضور ﷺ تو اس دنیا میں انسان کو انسان کی اور ہر قسم کی غلامی سے آزاد کر کے زمین پر آسمانی بادشاہت قائم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ اس لیے جو شیاطین آپ کو ہدف طعن و تشنیع اور نشانہ تضحیک بنا کر آپ ﷺ کے عالمگیر انقلاب کی راہ میں سنگ گراں بنے ہوئے تھے' انہیں ہٹانا ضروری تھا کیونکہ اس کے بغیر انسانیت پیغمبر اسلام کے بے گراں فیوض و برکات سے محروم رہ جاتی۔ انسان' انسان کا غلام بن کر رہ جاتا بلکہ شجر' حجر کی پرستش کر کے ہمیشہ کے لیے شرف انسانیت کھو بیٹھتا اور تسخیر کائنات کی جانب اس کا قدم کبھی نہ اٹھتا۔ اس لیے آپ کے بعد یہ ذمہ داری آپ کی امت کے سپرد ہوئی کہ وہ ایسے شیاطین سے براہ راست نمٹ لے۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ اس کائنات ارضی میں رب ذوالجلال کے جلیل القدر سفیر بھی ہیں۔ عام دنیوی پروٹوکول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس ملک کے شایانِ شان اس کے سفیر کا بھی احترام کیا جائے' تو پھر خالق کائنات کے اس جہان ہست و بود میں بھیجے ہوئے عالی مقام سفیر گرامی کی جتنی بھی عزت و توقیر کی جائے کم ہے۔ سورہ المجادلہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور اے نبی! جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو وہ اس طور پر
سلام و تحیت کرتے ہیں جو تمہارے رب کا (پسندیدہ) طریق تحیت
نہیں۔"

اس سے حضور ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں علو مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ کی توہین و تنقیص دراصل شہنشاہ ارض و سماوات کی جناب میں گستاخی ہے اور اس قانون فطرت کے خلاف بغاوت ہے' جو اللہ کے فرستادہ آخری پیغمبر ﷺ اس دنیا میں برپا کرنے آئے تھے۔ اس لیے ان گستاخان رسالت کو جو سزا دی گئی' وہ عین شریعت الٰہی کے مطابق ہے' جس کو یہ امت قائم کیے ہوئے ہے اور تاقیامت یہ قائم رہے گی۔ واللہ المستعان۔

یہ کتاب ابھی زیر طباعت تھی کہ وزارت امور مذہبی پاکستان کی جانب سے مصنف کے نام ایک مراسلہ موصول ہوا' جس میں بتلایا گیا کہ بین الاقوامی اداروں کی جانب سے توہین رسالت کے قانون کے بارے میں استفسارات ہو رہے ہیں' چنانچہ اس اہم مسئلہ پر مسلم ماہرین قانون سے بھی معاونت طلب کی گئی اور دریافت کیا گیا تھا کہ برطانیہ اور امریکہ میں توہین مسیح (Blasphemy) سے متعلق کیا قوانین ہیں۔ اس کے علاوہ حقوق انسانی کے بعض نام نہاد اداروں کی جانب سے بھی اعتراضات آنے شروع ہو گئے تھے' جس میں میری ذات کو بھی ہدف تنقید بنایا جا رہا تھا کیونکہ میں نے مسلم ماہرین کی تنظیم کی جانب سے یہ مسئلہ وفاقی شریعت میں اٹھایا تھا جہاں سے توہین رسالت کی سزا بطور حد سزائے موت مقرر ہوئی۔ پھر حکومت پاکستان کے سپریم کورٹ سے اپیل سے دستبردار ہونے کے بعد توہین رسالت کا قانون پاکستان میں نافذ العمل ہو گیا' جس پر فادر روفن' مسٹر طارق سی قیصر (ایم این اے) اور ان کے بعض ہم مذہب مسیحی لیڈروں نے ناخوشگوار ردعمل کا اظہار کیا اور اس قانون کو سال 1993ء کے انتخابات میں الیکشن ایشو بھی بنایا گیا اور یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ یہ قانون بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور بعض نے یہ بھی کہا کہ اس قانون کی وجہ سے اقلیتوں کے سر پر ننگی تلوار لٹک رہی ہے۔

یہ سارے اندیشے' خدشات اور اعتراضات سراسر بے بنیاد ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اسلامی قوانین اور قانون توہین رسالت سے کم علمی ہے جو لاعلمی اور جہالت سے بھی زیادہ خطرناک چیز ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ توہین رسالت کے جرم کی سزا

صرف پیغمبر اسلام علیہ التحیتہ و السلام کی شان میں گستاخی کی حد تک محدود نہیں بلکہ قرآن و سنت کی روشنی میں وہ تمام پیغمبر اور رسول' جن میں سارے انبیائے بنی اسرائیل اور جناب یسوع مسیح بھی شامل ہیں' کی توہین اور تنقیص کی بھی وہی سزا مقرر ہے جو شاتم رسول کریم ﷺ کی ہے۔ اہل کتاب کو یقیناً اس بات کا علم ہوگا کہ بائبل میں نہ صرف رسولوں کی شان میں گستاخی کی سزا' سزائے موت ہے بلکہ نائبین رسول ﷺ کے گستاخوں کو بھی واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ پیروان مسیح اس صریح حکم کا کس طرح انکار کر سکتے ہیں اگر اپنی کتاب مقدس پر ان کا اعتقاد ہے! (کتاب استثناء باب 12:17)

اسلامی قانون تعزیر میں کسی جرم کی جتنی سنگین سزا مقرر ہے' اسی قدر کڑی شرائط بھی اس کے ثبوت کے لیے درکار ہیں۔ چنانچہ حد کی سزا میں شہادت کا معیار عام شہادت کے معیار سے بہت زیادہ سخت اور غیر معمولی ہے۔ حدود کی سزا کے لیے ایسے گواہوں کی شہادت قابل قبول ہوتی ہے جو گناہ کبیرہ سے اجتناب کرتے ہوں۔ صادق القول اور عادل ہوں اور مزید برآں تزکیتہ الشہود کے معیار پر بھی پورا اترتے ہوں۔ حد کی سزا کا ایک بنیادی رکن ملزم کی "نیت" "ارادہ" اور "قصد" ہے۔ ایسی تحریر یا تقریر جو انبیاء کرام علیہم السلام یا نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی نیت سے قصداً ہو تو اسے قابل مواخذہ جرم قرار دیا جائے گا۔ "ارادہ" اور "نیت" کا مصدر بھی حضور نبی کریم ﷺ کی وہ مشہور حدیث ہے جس میں فرمایا گیا: " انما الاعمال بالنیات " بلاشبہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ نیت کے بغیر اسلامی قانون میں کوئی جرم مستوجب سزا نہیں ہے۔ صاحبان علم و دانش سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ شریعت اسلامی کی وجہ سے "نیت" اور "ارادے" کو دنیائے قانون میں سب سے پہلے اسلام ہی نے روشناس کرایا اور اسے موجودہ قانون جرم و سزا کے لیے بنیادی شرط قرار دیا گیا ورنہ رومن لاء (Roman Law) میں ایسی کوئی شرط موجود نہیں تھا۔ اٹھاریں صدی سے قبل برٹش قوانین کے قانون تعزیر میں بھی اس کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اس سلسلہ میں انگلستان کی بعض عدالتوں نے بڑے دلچسپ فیصلے صادر کیے ہیں۔ یہاں بر سبیل تذکرہ صرف ایک فیصلہ کا حوالہ دوں گا۔ ایک شخص درخت سے گر کر مر گیا تو اس "قاتل درخت" کو سزائے موت سنائی گئی اور اس کا تنا کاٹ کر اس سزا پر عمل درآمد ہوا۔

اس کے علاوہ "شک" کا فائدہ بھی اسلامی قانون کی رو سے ملزم کو پہنچتا ہے۔ اس کا ماخذ بھی وہ حدیث مبارک ہے' جس میں حکم دیا گیا ہے۔ "ادرئوا الحدود بالشبہات" حدود کی سزاؤں کو شبہات کی بنا پر ختم کیا جائے۔ سال 1991ء سے اس قانون کے نافذ ہونے کے بعد سے آج تک کسی ایک شخص کو پاکستان کی اعلیٰ عدلیہ نے قانون توہین رسالت کے جرم میں سزائے موت نہیں دی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ قانون توہین رسالت ان تمام لوگوں کی زندگی کے تحفظ کی ضمانت ہے جن کے خلاف فرد جرم ثابت نہ ہو ورنہ سلطنت مغلیہ کے سقوط کے بعد 1860ء میں جب برٹش گورنمنٹ نے ہندوستان میں قانون توہین رسالت کو منسوخ کیا تو اس کے بعد مسلمان سرفروشوں نے اس قانون کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور گستاخان رسول کو قتل کر کے انہیں کیفر کردار تک پہنچاتے رہے۔ یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ جس وقت ہندوستان میں توہین رسالت کا اسلامی قانون منسوخ کیا گیا' اس وقت انگلستان میں قانون توہین مسیح (Blasphemy) ملک کے قانون عام (Common Law) کے طور پر رائج تھا اور آج بھی وہاں کے کامن لاء کا حصہ ہے اور انگلستان کے مجموعہ قوانین (Statutory Book) میں شامل ہے۔ قانون توہین رسالت کے پاکستان میں نافذ ہو جانے کے بعد اب اس کی سزا کا معاملہ افراد کے ہاتھوں کی بجائے عدالتوں کے دائرہ اختیار میں آگیا' جو تمام حقائق اور شہادتوں کا بغور جائزہ لے کر جرم ثابت ہونے کے بعد ہی کسی ملزم کو مستوجب سزا قرار دے گی۔ اگر جرم توہین رسالت کی سزائے حد کے لیے اسلام کے معیار شہادت کے مطابق مطلوب گواہ موجود یا دستیاب نہ ہوں تو سزائے حد موقوف ہو جائے گی۔ لیکن وہاں اسلام کا قانون تعزیر حرکت میں آئے گا کیونکہ جہاں حد کی شرائط پوری نہ ہوں' وہاں اسلامی اصول قانون کے رو سے ملزم کو نہیں بلکہ مجرم کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ اس اصول قانون کا ماخذ بھی وہ حدیث مبارک ہے جس میں فرمایا گیا:

"ان اللہ لیزع بالسلطان مالا یزع بالقران" حق سبحانہ و تعالیٰ ہیئت مقتدرہ کے ذریعہ ان چیزوں کا سدباب کرتے ہیں جن کا سدباب قرآن کے ذریعہ نہیں کیا جاتا۔ یہاں ہیئت مقتدرہ سے مراد احکام الٰہی نافذ کرنے والا ادارہ ہے۔ جس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی زمین میں فساد اور بگاڑ کو پھیلنے سے روکے۔

مسیحی برادری کو تو قانون توہین رسالت کا خوش دلی سے خیرمقدم کرنا چاہئے تھا۔

کیونکہ اس قانون کی رو سے جناب مسیح اور دیگر انبیائے کرام جنہیں عیسائی اور مسلمان سب ہی اپنا پیغمبر برحق مانتے ہیں' کی شان میں گستاخی اور اہانت قابل تعزیر جرم بن گیا ہے اور ان کی اہانت اور توہین کی وہی سزا مقرر ہے جو خاتم الانبیاء حضرت مصطفیٰ ﷺ کی جناب میں گستاخی کی سزا ہے۔ مسلمان ان تمام پیغمبران کرام کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسا کہ یہودی اور عیسائی اپنے پیغمبروں کا احترام کرتے ہیں' اس لیے وہ ان کے بارے میں کسی قسم کی گستاخی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان پیغمبروں کے علاوہ اسلام کے احکام کے مطابق مسلمانوں کو دیگر مذاہب کے پیشواؤں کے خلاف بھی اہانت کی اجازت نہیں اور نہ ہی انہوں نے آج تک ایسی شرارت کی ہے۔

گذشتہ باب میں ہم نے یہودی فلم ساز مارٹن اسکورسس کی انتہائی شرمناک پکچر "مسیح کی آخری ترغیب جنسی" (The Last Temptation Of Christ) کا تفصیلی ذکر کیا ہے' جو سال 1988ء میں لندن کے سینما گھروں میں دکھلائی جا رہی تھی' جس میں معاذ اللہ جناب مسیح کو ایک آبرو باختہ طوائف کے ساتھ سرگرم دکھلایا گیا تھا۔ میں ان دنوں لندن میں مقیم تھا۔ ہماری دینی حمیت اسے برداشت نہ کر سکی' چنانچہ ہماری اپیل پر کہ حضرت عیسیٰ صرف عیسائیوں ہی کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے بھی واجب الاحترام پیغمبر ہیں۔ اس فلم کی نمائش بند ہونی چاہئے لندن میں مسلمانوں نے خاموش احتجاجی مظاہرے کیے' جس پر بالآخر وہ فلم فلاپ ہو گئی۔

مسیحی برادری اور اقلیتی فرقوں کے رہنماؤں اور ان کے پیروکاروں کی نیت پر ہمیں شبہ نہیں۔ جب وہ ہمارے پیغمبر کی توہین اور گستاخی نہیں کریں گے تو پھر انہیں ڈر اور خوف کس بات کا ہے۔ کیا قانون بلاوجہ ان کے خلاف حرکت میں آجائے گا یا پھر پاکستان کی عدلیہ بے گناہ لوگوں کو' جو توہین رسالت کے مجرم نہیں' پھانسی کی سزا سنائے گی یا کیا وہ پاکستان میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے خلاف گستاخی اور توہین کے لیے کھلا لائسنس طلب کر رہے ہیں۔ ان میں جب کوئی بات بھی قرین قیاس نہیں تو پھر اس کی منسوخی کے مطالبہ کا آخر کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟

فرزندِ اقبال کی مسند ارشاد

اقبال کے نامور فرزند سینیٹر ڈاکٹر جاوید اقبال سے راقم الحروف کے اس وقت سے نیاز مندانہ تعلقات چلے آرہے ہیں جبکہ وہ ابھی ہائی کورٹ کے جج بھی نہیں بنے تھے اور پیشہ قانون ہی سے وابستہ تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ ان کی علامہ سے براہ راست نسبت اور میری علامہ سے گہری عقیدت ہے۔ اس کے باوجود مجھے ان کے افکار و خیالات سے اکثر اختلاف رہا ہے کیونکہ وہ لبرل ازم یعنی آزادی افکار کے قائل ہیں جسے علامہ نے ابلیس کی ایجاد کہا ہے۔

آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

(اقبال)

قانون توہین رسالت کے بارے میں ان کا تازہ ترین ارشاد ہے کہ غیر مسلموں پر اس قانون کا اطلاق نہیں ہوتا اور اس کے لیے وہ فتاویٰ عالمگیری کا حوالہ ڈھونڈ کر لائے ہیں اور ایک ماڈرن مفسر قرآن جسٹس ایم بی احمد کی کتاب "بھارت میں انصاف کی عمل داری" کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں آیت قرآنی "لکم دینکم ولی دین" کی تفسیر دل پذیر بیان کی گئی ہے۔ مزید بر آں ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مغل دور اور اس سے قبل کے مسلمان حکمرانوں نے لبرل اسلامی ریاستیں یعنی سیکولر ریاستیں قائم کی تھیں جن میں غیر مسلموں کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک ہوتا رہا ہے اور ایسی ہی ریاست کا قیام علامہ اقبال اور قائداعظم کے پیش نظر تھا۔ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ان اسلامی ریاستوں میں سوروں کی فروخت کھلے عام ہوتی تھی اور ان کا گوشت کھانے پر کوئی پابندی نہیں تھی اور پیغمبر اسلام کی رسالت سے انکار پر غیر مسلموں کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی تھی۔ ان کا یہ بیان پڑھ کر سخت حیرت اس لیے ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نے جو تاریخ کے طالب علم ہیں اور اس وقت بھی سینٹ یعنی ایوان بالا کے رکن رکین ہیں، پوری تحقیق اور تصدیق کے بغیر ایسی باتیں کہی ہیں جو اصل واقعہ کی غلط تعبیر اور تاریخی صداقت کے یکسر خلاف ہیں۔ کیا ڈاکٹر صاحب "انکار" اور "دشنام" کے واضح فرق سے بھی ناواقف ہیں۔ غیر مسلم تو پیغمبر اسلام کی نبوت سے انکار کی وجہ سے غیر مسلم

کہلاتے ہیں' اس لیے تو اسلامی ریاست میں ذمی یا معاہد کی حیثیت سے رہنے کے حق سے آج تک کسی نے انہیں محروم نہیں کیا۔ لیکن حضور رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب کو چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم' کبھی کسی اسلامی حکومت نے معاف نہیں کیا اور جہاں اسلامی یا مسلمانوں کی حکومت نہ رہی ہو وہاں مسلمان سرفروشوں نے شاتم رسول ﷺ کو کیفر کردار تک پہنچا کر خود دار و رسن کو چوم لیا۔ برصغیر پاک و ہند میں اس کی سینکڑوں تابندہ مثالیں موجود ہیں۔ زندہ دلان کے اسی شہر لاہور میں غازی علم الدین شہید نے جب گستاخ رسول ﷺ راج پال کو ہلاک کر دیا تھا تو اس کی طرف سے قائداعظم نے مقدمہ کی پیروی کی تھی اس کو پھانسی کی سزا پر ڈاکٹر صاحب کے والد گرامی علامہ اقبال نے فرمایا تھا "ترکھان دا پتر ساڈے کولوں بازی لے گیا۔" غازی شہید کے والد نے اپنے لخت جگر کی نماز جنازہ کی امامت کا حق بھی علامہ کو تفویض کیا تھا جو جناز گاہ میں بچشم تر موجود تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ اقبال جن کی فقہ اسلامی پر گہری نظر تھی۔ غیر مسلم شاتم رسول ﷺ کو بھی اسلامی قانون کی رو سے واجب القتل سمجھتے تھے اور غازی علم الدین کے اس اقدام کو انہوں نے خراج تحسین پیش کیا تھا۔

گستاخ رسول ﷺ کے لیے سزائے موت بطور حد قانون بنانے کا فیصلہ فیڈرل شریعت کورٹ نے راقم الحروف کی شریعت پٹیشن پر صادر کیا تھا جو میں نے جنرل ضیاء الحق اور حکومت پاکستان کے خلاف دائر کی تھی۔ اس لیے اس سلسلہ میں مجھے قرآن و سنت' تمام فقہی لٹریچر' یورپ اور امریکہ کے قوانین کے مطالعہ کے بعد انہیں عدالت میں پیش کرنے کا موقع ملا تھا اور جہاں اسلامی مکاتب فکر کے تمام علماء بھی پیش ہوئے تھے۔ اس لیے میں علی البصیرت پوری علمی دیانت داری سے بلاخوف تردید یہ کہتا ہوں کہ مجھے کہیں بھی کسی فقہ کا یہ فتویٰ دستیاب نہ ہو سکا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ سرکار رسالت مآب ﷺ کی اہانت توہین اور گالیاں دینے والے غیر مسلموں کے لیے اسلام میں کوئی سزا مقرر نہیں۔ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی سزا' سزائے موت قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ خود سرکار رسالت مآب ﷺ کے حکم سے یہودیوں اور غیر مسلموں کو سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔ نہ صرف عہد خلفائے راشدین میں اور دور بنی امیہ اور بنو عباس کے دور میں بلکہ اسپین اور جہاں جہاں بھی مسلمان حکومتیں موجود تھیں۔ وہاں توہین رسالت کی یہی سزا برقرار رہی۔ اس سلسلہ میں یہاں صرف دو تاریخی واقعات کا حوالہ دینے پر

اکتفا کروں گا۔ ایک واقعہ تو مغل شہنشاہ اکبر کے دور حکومت کا ہے جو کہ ڈاکٹر صاحب کا پسندیدہ سیکولر دور حکومت ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر منتخب التواریخ میں ملا عبدالقادر بدایونی کی زبانی موجود ہے جو اکبر کے نورتنوں میں شمار ہوتا تھا اور خود اس واقعہ کا چشم دید گواہ بھی ہے۔ یہ واقعہ اس دور کا ہے' جب اکبر مکمل طور پر ہندو مہارانیوں کے زیر اثر تھا اور سارا کاروبار حکومت دین الہٰی کے نام سے لادینی خطوط پر چل رہا تھا۔ ملا بدایونی کی شہادت درج ذیل ہے:

"عبدالرحیم قاضی متھرا نے شیخ (قاضی القضاۃ شیخ عبدالغنی) کے پاس ایک استغاثہ بھیجا جس میں بیان کیا گیا تھا کہ وہاں مسلمان ایک مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیے ہوئے تھے لیکن ایک سرکش مالدار برہمن نے سارا عمارتی ساز و سامان اٹھوا لیا اور اس سے ایک صنم کدے کی تعمیر شروع کرا دی۔ میں نے جب اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا ارادہ کیا تو اس نے گواہوں کی موجودگی میں حضور اکرم ﷺ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور مسلمانوں کی بھی اس نے توہین کی۔ شیخ موصوف نے اس کو طلب کیا لیکن اس نے پیش ہونے سے انکار کر دیا جس پر بادشاہ نے بیربل اور شیخ ابوالفضل کو بھجوایا کہ وہ اسے لے آئیں۔ شیخ ابوالفضل نے جو کچھ گواہوں سے سنا تھا' آ کر بیان کر دیا اور کہا کہ اس بات کی تحقیق ہو گئی ہے کہ اس نے گالیاں بکی تھیں۔ اس کی سزا کے خلاف علماء کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے اسے واجب القتل قرار دے کر سزائے موت کا مطالبہ کیا۔ دوسرا اس کے خلاف تعزیری سزا اور جرمانے پر زور دے رہا تھا۔ اس معاملہ پر بحث طول پکڑ گئی۔ شیخ نے بادشاہ سے اس کے قتل پر اصرار کیا۔ بادشاہ نے صراحتاً اس کی اجازت نہ دی اور گول مول کہہ دیا کہ شرعی سزا کا تعلق تم سے ہے' ہم سے کیا پوچھتے ہو۔ وہ برہمن اس جھگڑے میں مدتوں قید میں پڑا رہا۔ شاہی محل کی بیگمات اس کی رہائی کے لیے سفارشیں کرتی رہیں لیکن بادشاہ شیخ کا بہت لحاظ کرتا تھا۔ اس لیے اس نے اس کی رہائی کا حکم بھی نہیں دیا۔ شیخ نے جب اس کے قتل کے لیے زیادہ اصرار کیا تو بادشاہ نے پھر وہی جواب دیا کہ ہم تو پہلے ہی تم سے کہہ چکے ہیں کہ تم جو مناسب سمجھو' وہ کرو جس کے بعد شیخ نے فوراً ہی اس برہمن کے قتل کا حکم دیا اور اس کی گردن ماری گئی۔" (ملاحظہ ہو منتخب التواریخ المولف ملا عبدالقادر بدایونی مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز صفحہ 606-607)

دوسرا اہم مقدمہ مغل حکمرانوں کے آخری دور حکومت کا اور اسی لاہور سے

متعلق ہے جبکہ زکریا خان (1707 تا 1759) گورنر پنجاب تھا جس کا ذکر ہندو مورخ ڈاکٹر بی ایس نجار نے اپنی کتاب "پنجاب آخری مغل دور حکومت میں" میں کیا ہے' جس کا اقتباس درج ذیل ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر اور تنقیدی جائزہ ہم نے اپنی کتاب "ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" میں کیا ہے:

"حقیقت رائے باگھ مل پور سیالکوٹ کے کھتری کا پندرہ سالہ لڑکا تھا جس کی شادی بٹالہ کے کشن سنگھ نامی سکھ کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ حقیقت رائے کو ایک اسکول میں داخل کیا گیا جہاں ایک مسلمان ٹیچر نے ہندو دیوتاؤں کے بارے میں کچھ توہین آمیز باتیں کیں۔ حقیقت رائے نے بھی انتقاماً پیغمبر اسلام ﷺ اور بی بی فاطمہ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے جس پر حقیقت رائے کو گرفتار کر کے لاہور عدالتی کارروائی کے لیے بھیجا گیا۔ کچھ ہندو افسر زکریا خان گورنر پنجاب کے پاس سفارش کے لیے پہنچے کہ حقیقت رائے کو معاف کر دیا جائے لیکن زکریا خان نے کوئی سفارش نہیں سنی (کارروائی مقدمہ کے بعد) اس کو سزائے موت دی گئی اور اس کی گردن اڑا دی گئی۔ یہ سال 1734ء کا واقعہ ہے۔"

اس کے علاوہ اسپین میں جب وہاں اسلامی حکومت قائم تھی' گستاخان رسول ﷺ کو وہاں کی عدالتوں سے یہی سزا دی جاتی رہی ہے جن کا ذکر قاضی ابوالفضل عیاض نے اپنی کتاب "الشفاء" میں کیا ہے اور یورپین مورخین لین پول وغیرہ نے ان فیصلوں کا ہندو مورخ ڈاکٹر نجار کی طرح متعصبانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ جزیرۃ العرب' ہندوستان کے علاوہ ترکیہ' سمرقند اور بخارا' افغانستان اور تمام اسلامی ملکوں میں اس قانون کا ذکر علامہ آلوسی اور ابواللیث سمرقندی کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔ تمام آئمہ فقہ گستاخ رسول ﷺ کو مستحق سزائے موت قرار دیتے ہیں۔ چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر' واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ فقہ جعفریہ کی رو سے تو گستاخ رسول ﷺ موقع واردات پر ہی واجب القتل ہے۔ "فتاویٰ بزازیہ" اور "تنبیہہ الولاۃ" جو فقہ حنفی کی مستند اور معروف کتابیں ہیں' ان کی رو سے بھی شاتم رسول ﷺ سزائے موت کا مستحق ہے۔ یورپ کے قانون توہین مسیح سے ڈاکٹر صاحب خود واقف ہوں گے۔ اس لیے ہم نے اس کا یہاں ذکر نہیں کیا جس کے تحت بھی گستاخان مسیحؑ کو سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔ اب بھی وہ قانون ترمیم کے ساتھ انگلستان اور آئرلینڈ میں موجود ہے۔ اس مضمون میں ہم نے اسلامی قانون کا اجمالاً

ذکر کیا ہے۔ اس پر اجماع امت ہے کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا بطور حد سزائے موت ہے جس پر فیڈرل شریعت کورٹ کا تاریخی فیصلہ محمد اسماعیل قریشی بنام حکومت پاکستان پی ایل ڈی 1991ء میں رپورٹ ہوا ہے۔ جس کے خلاف حکومت کی اپیل بھی سپریم کورٹ سے 1992ء میں بغیر دستبرداری خارج ہو چکی ہے جس کے بعد یہ فیصلہ حتمی اور آخری فیصلہ ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب اسی فیصلہ کو ملاحظہ کر لیتے تو شاید انہیں یہ اشکال پیش نہ آتا۔ تمام فقہاء اسلام نے اہانت رسول ﷺ کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے۔ غالباً مشہور فقیہہ اسلام ابن سحنون کا فتویٰ ڈاکٹر صاحب کی نظر سے نہیں گزرا جو حسب ذیل ہے۔

"تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شاتم رسول ﷺ واجب القتل ہے اور جو شخص اس بارے میں یا اس کی سزا کے بارے میں (جو مسلمان ہی ہو سکتا ہے) شک کرے' وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

مجھے نہیں معلوم کہ ڈاکٹر صاحب کا "رواداری" سے کیا مطلب ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کی شان رفعت اور علو مرتبت کا تو کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ہمارے محبوب رہنماؤں' قائداعظم اور علامہ اقبال کو گالی دے تو ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ کیا ڈاکٹر صاحب کی ان غیر منطقی موشگافیوں سے غیر مسلموں کو حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں گالیاں دینے کا کھلا لائسنس نہیں مل جائے گا۔

میری محترم ڈاکٹر صاحب سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ ایسے انتہائی نازک اور حساس مسائل پر بغیر تحقیق گفتگو سے احتراز فرمائیں تو ملت اسلامیہ پر احسان ہو گا۔

خود ان کے بقول علامہ اقبال نے ان کی بے احتیاطی پر خواب میں آ کر انہیں ٹوکا بھی تھا اور ان سے ناراض بھی ہوئے ہیں جس کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف "زندہ رود" میں کیا ہے۔

مشاہیر ادب وسیاست کے تاثرات

قانون توہین رسالتؐ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کسی اہل کار کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔ اگر توہین رسالت کی سزا موت سے بھی زیادہ سخت ہوتی تو اس پر بھی عمل درآمد کیا جاتا۔ یہ قانون کسی اقلیت کے خلاف نہیں بلکہ صرف گستاخان رسول ﷺ کے خلاف بنایا گیا ہے خواہ ان کا تعلق اسلام ہی سے کیوں نہ ہو۔ اس لیے اقلیتوں کو اس سے خوف زدہ ہونے کی بالکل ضرورت نہیں۔ اس قانون سے اقلیتوں کے جان و مال اور تمام شہری حقوق کی حفاظت ہو گی' اس لیے میں نے سرکاری وکیل کو سپریم کورٹ سے توہین رسالت میں ترمیم کے لیے دائر اپیل کو فوری طور پر واپس لینے کی ہدایت جاری کر دی ہیں۔

میاں محمد نواز شریف
وزیر اعظم پاکستان



نوٹ:- وزیر اعظم کی ہدایات پر وفاقی حکومت بنام محمد اسماعیل قریشی والی توہین رسالت کی اپیل سپریم کورٹ سے دستبرداری کی وجہ سے خارج ہوئی۔

جناب اسماعیل قریشی نے قانون توہین رسالت کو ملک عزیز میں از سر نو روشناس کر کے اقلیتوں کے جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کا تحفظ کیا ہے اور اپنی تصنیف ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت میں اسلامی قانون عدل و شہادت کو جس انداز سے واضح کیا گیا ہے وہ قابل قدر ہے۔

ملک معراج خالد
ریکٹر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد



ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت میں جناب اسماعیل قریشی نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اسلام کے قانون شہادت کا جو اعلیٰ معیار پیش کیا

ہے۔ اس سے یورپ ایک صدی قبل نا آشنا تھا۔ اس لئے قانون توہین رسالتؐ جیسے سنگین جرم کے لیے بھی اسلام میں وہی معیار شہادت ہے جو دوسرے جرائم کے لیے مقرر ہے اور یہ قانون انسانی حقوق کے منافی نہیں بلکہ ان حقوق کے تحفظ کا ضامن ہے۔

اس موضوع پر یہ کتاب جامع ہے جس کے لیے مصنف لائق مبارک باد ہیں۔

ایس۔ایم۔ظفر سابق وزیر قانون

چیئرمین ہیومن رائٹس کمیشن



قانون توہین رسالت کو اسلامی ریاست پاکستان میں نافذ کرنے کے لیے جناب اسماعیل قریشی کی سعی اور کاوش قابل ستائش ہے۔ ان کی کتاب ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت نے ان تمام مسائل کو احاطہ کیا ہوا ہے جو قانون اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

راجہ ظفرالحق

وزیر وزارت امور مذہبی



جناب محمد اسماعیل قریشی صاحب کی بلند پایہ تصنیف ناموس رسول اور قانون توہین رسالت میں پاکستانی سیاست اور اسلامی ادب میں عظمت رسول ﷺ کی نشاندہی جس انداز میں کی گئی ہے میرے پاس الفاظ نہیں کہ انہیں رقم کر سکوں۔

دراصل یہ گستاخان رسول کے خلاف غازی علم الدین شہید اور شہیدان ناموس رسالت کی طرح جہاد مسلسل ہے۔ محترم قریشی صاحب یہ کتاب لکھ کر امام ابن تیمیہؒ اور قاضی عیاضؒ جیسے عالی مقام مصنفین کی صف میں شامل ہو گئے ہیں۔

میاں محمد اسماعیل

سابق سفیر مصر



ملک کے معروف قانون داں جناب محمد اسماعیل قریشی نے اہانت رسول ﷺ کی

سزا کے بارے میں فیڈرل شریعت کورٹ سے فیصلہ کروا کر ہم سب کی جانب سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ موصوف نے قرآن و سنت کی روشنی میں تمام مکاتب فکر کے فقہا کا نقطہ نظر علمی اور فکری انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب فی الحقیقت لائق مطالعہ ہے۔

جناب ڈاکٹر اسرار احمد



مغرب روحانی اقدار سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ اسماعیل قریشی صاحب نے ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت لکھ کر مغرب کو بتلایا ہے کہ توہین رسالت کے قانون نے اقلیتوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا ہے۔ یہ کوئی غیر منصفانہ قانون نہیں بلکہ انسانی حقوق اور اسلامی عقائد کے عین مطابق ہے۔

قاضی حسین احمد صاحب

امیر جماعت اسلامی پاکستان



یورپ کے نام نہاد مفکرین اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جو ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں اس کے لیے ضروری تھا کہ ان کا علمی اور فکری انداز میں جواب دیا جائے۔ اسماعیل قریشی صاحب مستحق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت جیسی گراں قدر کتاب لکھ کر اس صدی میں یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔

نوابزادہ نصراللہ خان



توہین رسالت کی سزائے موت کے بارے میں جمہور مسلمانوں کے درمیان نہ کبھی اختلاف رہا ہے اور نہ کوئی شک و شبہ ہے جس کسی کو تحقیق کا شوق ہو اس کے لیے اسماعیل قریشی کی ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت' ابن تیمیہ ؒ کی الصارم المسلول' تقی الدین سبکی کی السیف المسلول اور ابن عابدین شامی کی تنبیہہ الولاۃ جیسی

معرکتہ الآرا کتابوں کا مطالعہ کافی ہے۔

خرم مراد

چیف ایڈیٹر ترجمان القرآن

○

جناب اسماعیل قریشی صاحب نے "ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" جیسی کتاب کی تخلیق' اس کی تشکیل اور تعمیر میں اپنی زندگی کے اسی نصب العین کو پیش نظر رکھا ہے جسے میں عدل کہتا ہوں۔

قریشی صاحب نے عدل یعنی سچ کی تلاش میں اپنے ذہن کی ہر صلاحیت' ہر اہلیت اور ہر سعی کو وقف کر دیا ہے اور اس کتاب میں تلاش تفحص اور جستجو کا حق ادا کر دیا ہے۔

ایک انتہائی اہم اور اس قدر نازک مسئلہ میں پوری طرح عدل یعنی سچائی کی پاسداری کی ہے۔ ان کی تحریر رواں دواں سلیس ہے اور خوبصورت ہے۔

مرزا ادیب

○

جناب اسماعیل قریشی کی "ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت" اپنی نظیر آپ ہے اس میں معارف و بصائر کے خزینے ہیں۔ اس کا مطالعہ ان غلط فہمیوں کو رفع کرے گا جو ایک خاص زاویہ نظر سے پھیلائی جا رہی ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید

○

"ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت" اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی منفرد کتاب ہے جس میں حضور رسالت ماب ﷺ کی ذات گرامی سے اپنی بے پناہ عقیدت و محبت کے ساتھ مصنف کتاب جناب محمد اسماعیل قریشی نے اپنے موضوع اور دعویٰ کے ثبوت میں قرآن و سنت' قانونی نظائر اور تاریخ کے حوالے سے علمی حقائق کو متکلمانہ انداز

میں پیش کیا ہے۔

اردو ڈائجسٹ لاہور



جناب اسماعیل قریشی صاحب کے زور خطابت میں جس طرح منطق اور استدلال ان کے ہم رکاب رہتے ہیں اسی طرح انہوں نے "ناموس رسول ﷺ اور قانون توہین رسالت" جیسی بلند پایہ کتاب لکھ کر ناقابل تردید براہین اور دلائل سے، تحقیق اور ریسرچ کے اعلیٰ معیار کو برقرار رکھا ہے اور اسلامی ادب میں بھی قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سے سکالرز، اہل قلم، اساتذہ، طلباء اور عوام یکساں مستفید ہو سکتے ہیں۔

کموڈور طارق مجید
روز نامہ مسلم۔ اسلام آباد



"ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" دراصل جناب اسماعیل قریشی کی تحفظ ناموس رسالت کے لیے طویل جدوجہد کی ایمان افروز اور دل نشیں روئیداد ہے جس کا تعلق عشق رسالت مآب ﷺ سے ہے اس لیے یہ زندہ رہنے والی کتاب ہے۔

ہفت روزہ زندگی



اسماعیل قریشی صاحب نے "توہین رسالت" کے مجرموں کے لیے سزائے موت کا قانون نافذ کرانے میں بڑی دلچسپی لی تھی۔ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں مقدمہ لڑا اور جیتا تھا۔ جسٹس گل محمد مرحوم نے ان ہی کی درخواست پر شریعت کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے وہ معرکے کا فیصلہ لکھا تھا' جو اس دنیا میں بھی ان کے کام آیا کہ وہ کروڑوں مسلمانوں کے محبوب بن گئے اور اگلی دنیا میں بھی (انشاء اللہ) ان کے کام آ رہا ہو گا۔

قریشی صاحب نے اس ساری جدوجہد اور اس معاملے پر ملت اسلامیہ کے مسلسل اجماع کو کتاب کی صورت دے دی ہے اور ایک ایسا کام کر دکھایا ہے جس پر تحسین کے پھول نچھاور کئے جانے چاہئیں۔

مجیب الرحمٰن شامی

چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان

"ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" میں دیانت دارانہ تحقیق سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ امت مسلمہ کی متفقہ رائے کے مطابق توہین رسالت جیسے سنگین جرم کی سزا سزائے موت ہے۔

روزنامہ جنگ

گستاخان رسول ﷺ کی سزا کے بارے میں جناب اسماعیل قریشی نے اپنی کتاب "ناموس رسول اور قانون توہین رسالت" میں تاریخی حوالوں سے یہ مستند ثبوت پیش کیا ہے کہ قرآن و سنت اور تمام فقہاء کے فیصلوں کے مطابق اہانت رسول کی سزا ہر اسلامی دور حکومت میں سزائے موت دی جاتی رہی ہے۔ انہوں نے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ مسیحی اور موسوی قانون کی رو سے بھی توہین پیغمبر کی یہی سزا مقرر ہے یہ کتاب نہ صرف مسلمانوں بلکہ دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے حضرات کے لئے بھی لائق مطالعہ ہے۔

روزنامہ نوائے وقت